ماہنامہ

نور الحبیب

بصیرپور

مدیر اعلیٰ

صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی سَیِّدِنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْنِ الْعَلِیْمِ الْکَرِیْمِ
الرَّءُوْفِ الرَّحِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ
الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ڈاکٹر محمد طاہر القادری

قاری محمد عباس نظامی

(1) جنت سے بچنا۔

ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کو جبراً کھینچ کر بہشت میں لایا جائے گا۔ پھر فرمایا۔ جو محبانِ حق ہیں قیامت کے دن انہیں بہشت میں جانے کا حکم ہوگا۔ لیکن وہ کہیں گے۔ کہ ہم نے بہشت یا دوزخ کے لیے عبادت نہیں کی ہم نے محض تیری محبت کی خاطر تیری پرستش کی ہے۔ حکم ہوگا۔ واقعی ایسا ہی ہے۔ لیکن دیدار اور وصال کا وعدہ جنت میں پورا ہوگا وہاں چلو فرشتے انہیں نوری زنجیروں میں جکڑ کر لے جائیں گے۔ ابیات باہو۔ ص 141 فوائد الفواد ص 39

اللہ کے نیک عاشق بندے جنت سے بچنے کی فریاد کریں گے۔ محبت الٰہی ص 135 ڈاکٹر محمد طاہر القادری —

جنت کا بیان = جنت ساتویں آسمان کے اوپر ہے (قرآن)

جنتیں کل آٹھ ہیں۔ 1۔ دار الجلال۔ 2۔ دار القرار (3) دار السلام۔ 4۔ جنت عدن۔ 5۔ جنت الماویٰ 6۔ جنت الخلد۔ 7۔ جنت الفردوس۔ 8۔ جنت النعیم (تفسیر روح البیان $\frac{82}{1}$

جنت کے سو درجے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان ایک سو برس کی مسافت ہے (مشکوٰۃ شریف) جنت کے پھاٹک اپنے بڑے بڑے ہیں۔ کہ اس کے دونوں بازوں کے درمیان چالیس برس کا راستہ ہے۔ مگر جنتی جنت میں داخل ہونے لگیں گے۔ تو ان پھاٹکوں پر ہجوم کی کثرت کی وجہ سے تنگی محسوس ہونے لگے گی۔ (مشکوٰۃ) جنت میں ستر ہزار باغات ہیں۔ ہر باغ میں ستر ہزار درخت ہیں۔ ہر درخت پر ستر ہزار پتے ہیں۔ اور ہر پتے پر یہ لکھا ہوگا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ امۃ مذنبۃ ورب غفور = ہر پتے کی چوڑائی مشرق سے مغرب تک کے برابر ہوں گے۔ (روح البیان) ص $\frac{86}{2}$) جنت کی بعض عمارتیں نور کی اور بعض یاقوت سرخ کی۔ اور بعض زمرد کی ہیں۔ = جنت کی عمارتوں میں ایک اینٹ سونے کی۔ اور ایک اینٹ چاندی کی ہے۔ اور اس کا گارا نہایت خوشبودار مشک ہے۔ اور اس کی کنکریاں موتی اور یاقوت ہیں۔ اور اس کی دھول زعفران ہے (مشکوٰۃ)

جنت میں چار نہریں بہتی ہیں۔ 1۔ شیریں پانی۔ 2۔ شہد۔ 3۔ دودھ 4۔ شراب۔ یہ چاروں نہریں ایک حوض میں گر رہی ہیں۔ جسے حوضِ کوثر کہا جاتا ہے (مشکوٰۃ) جنت میں ہر جنتی کی عمر 30 سال کی رہے گی۔ اس سے بھی اس کی عمر نہیں بڑھے گی۔ ترمذی ص $\frac{8}{2-7}$ نور الحبیب ص 2 جلد 2۔ ستمبر 1990 شمارہ 7

حضور سید دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس قوم سے مباہات میں بہت خوش ہوگا جنہیں بیڑیاں ڈال کر بہشت میں لایا جائے گا ــــــ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بعض اہل جنت وہ بھی ہیں۔ جنہیں بہشت میں داخل ہونے کا شوق نہیں ہوگا۔ انہیں جبراً بہشت میں داخل کیا جائیگا۔ وہ بہشت پر خدمت خلق اور عبادت حق کو ترجیح دیں گے اس بنا پر ان کے گلے میں سونے کے طوق ڈال کر جبراً بہشت میں لایا جائیگا۔

حضرت کمال خجندی نے فرمایا ہے

نیست ما را غم طوبیٰ و تمنائے بہشت
شیوۂ مردم نا اہل بود ہمت پست

ترجمہ۔ ہمیں نہ طوبیٰ کا غم ہے۔ اور نہ بہشت کی تمنا۔ نا اہل انسان کی ہمت پست ہوتی ہے۔
(روح البیان ص ۲۰۹ جلد ۱۲)

1

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

(کوثر نیازی)

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یاایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم — خیر مما یجمعون ۵ - سورۃ یونس ۵۷ - ۵۸ = اے لوگو تمہارے پاس نصیحت اور تمہارے سینوں میں جو دل ہیں۔ ان کے لئے شفاء اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت آ چکی ہے۔ پس اے رسول کہہ دیجئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کی بدولت ہے پس اس پر انہیں خوش ہونا چاہیئے۔ یہ چیز ان چیزوں سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لئے نصیحت ان کے دلوں کے لئے شفا اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت لانے والی مقدس اور مبارک ہستی کی عالم لاہوت سے عالم ناسوت میں تشریف آوری کوئی عام یا معمولی کا واقعہ نہیں بلکہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین اور اہم ترین واقعہ ہے۔ وہ جمیع نوع انسانی کے لئے ایک یادگار دن ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے۔ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام دنیاؤں کے لئے رحمت بنا کر۔ وہ مقدس ذات جو تمام دنیاؤں کے لئے رحمت عموماً اور مومنین کے لئے ہدایت اور رحمت خصوصی ہے۔ وہ جو انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا سرچشمہ ہے اور جس کی تعریف و توصیف خود قرآن حکیم میں جا بجا جلوہ گر ہے۔ اس سے بڑھ کر انسانوں کے لئے کون سی نعمت ہو سکتی ہے۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات فی نفسہ ہمارے لئے سب سے بڑی نعمت ہے تو اس نعمت کا اقرار و اعتراف مسلمانوں کے لئے شکرانہ واجبہ کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ اس نعمت بیکراں کی عظمت اور قدر و قیمت کا اندازہ اس چیز سے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مومنوں پر بڑا بھاری احسان قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں فرمایا گیا۔ لقد من اللہ علی المومنین (آل عمران) ۱۶۴

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب کہ انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو انہیں

پاک کرتا ہے ۔ اور قرآن اور حکمت سکھاتا ہے ۔ ؟. اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا اور عاقبت میں ہزارہا نعمتیں عطا فرمائی ہیں ۔ اور ان میں سے ہر عطیہ ہمارے لئے اس کا کرم اور مہربانی ہے ۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایک ایسی گراں بہا نعمت ہے ۔ کہ اس نعمت کے عطیے پر اللہ کے احسان کا اقرار اور اعتراف اسی کے فرمان لئن شکرتم لازیدنکم ۔ اگر تم شکر ادا کرو گے ۔ تو ہم مہربانیوں میں اضافہ کریں گے ۔ کے مطابق نعمتوں میں اضافے کا باعث ہوتا ہے ۔ تاہم یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد ہمیں جتنی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں ۔ وہ سب حضور کی برکت سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق سے حاصل ہوتی ہیں ۔ ان نعمتوں میں مادی اور روحانی دینی اور دنیوی فانی اور باقی آنی اور جاودانی تمام نعمتیں شامل ہیں ۔

انعامات الہیہ کا ذکر = اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر مستحسن اور مستحب ہی نہیں ایک فریضہ واجب ہے ۔ جس کی طرف خود ذات باری تعالیٰ نے اسلام سے پہلے کی اقوام بالخصوص بنی اسرائیل اور پیروان دین اسلام کو بار بار متوجہ کیا ۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے

یابنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم واوفوا بعھدی —— البقرہ ۴۰)
اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو ۔ جو میں نے تمہیں بخشی ہیں ۔ اور پورا کرو میرا عہد —— یابنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العالمین .
بقرہ ۴۷ اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو ۔ جو میں نے تم کو دیں اور میں نے فضیلت دی تمہیں تمام لوگوں پر ۔ یا ایھا الذین امنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم ۔ اذجاءتکم جنود (الاحزاب) ۹ ۔ اے ایمان والو یاد کرو اللہ کا انعام اپنے اوپر جب چڑھ آئے تم پر لشکر = یا ایھا الذین امنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم ۔ اے ایمان والو ۔ اللہ کے اس احسان کو یاد کرو ۔ جو تم پر اس نے کیا ۔ جب ایک قوم نے چاہا کہ تم پر دست درازی کرے ۔ (المائدہ ۱۱)

اللہ تعالیٰ کا ذکر = الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ۔ سنو اللہ ہی کے ذکر سے دل اطمینان حاصل کرتے ہیں ۔ کے مطابق اطمینان قلب کا باعث اور بمصداق وذکر فان الذکر تنفع المومنین = اور ذکر کرو۔ کیونکہ ذکر ایمان والوں کو فائدہ دیتا ہے۔ فائدے کا موجب ہوتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کرنے والوں کا خود بھی ذکر کرتا ہے۔ جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا۔ کہ فاذکرونی اذکرکم واشکروا لی ولا تکفرون ۔ پس یاد کرو مجھے میں یاد رکھوں گا تمہیں اور میرا شکر ادا کرو۔ اور ناشکری نہ کرو۔ یہاں جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔ اس کا شکر ادا نہ کرنا کفران نعمت ہے۔ اور کفران نعمت حقیقت میں بخشندہ نعمت کے کفران کا مصداق ہوتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر وجہ منفعت دین و دنیا اور باعث اطمینان قلب ہوتا ہے تو اس ذات کا ذکر جس پر خود خدائے تعالیٰ درود وسلام بھیجتا ہے۔ یقیناً مادی اور روحانی فوائد کا حامل ہوگا۔ پس اس کا ذکر کرکے ہم کیوں نہ ان فوائد سے بہرہ ور ہوں ۔
ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی ــــــ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اور فرمان خداوندی کے برحق ہونے میں کسی مومن کو شک وشبہ کی مجال کہاں ہو سکتی ہے۔

درود وسلام اور اسوہ حسنہ کی پیروی = کچھ لوگ توحید و سنت کے معاملے میں مبالغے اور غلو پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ کہ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اہم نہیں بلکہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اہم ہے۔ تاہم قرآن حکیم میں رسول کریم کا ذکر کرنے اور ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا ارشاد بھی ہے۔ اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ہے۔ اگر ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اتباع رسول ؐ ہی مراد ہوتا تو دونوں کے لئے الگ الگ احکام نہ ہوتے۔ مبالغہ کرنے والے لوگ تو ذکر الٰہی کو بھی چنداں اہمیت نہیں دیتے۔ اور کہہ دیتے ہیں۔ کہ ذکر الٰہی سے مراد اطاعت الٰہی ہے۔ حالانکہ اطاعت الٰہی کے علاوہ ذکر الٰہی کے احکام بھی موجود ہیں۔ بلکہ ذکر کے علاوہ ذکر کثیر کا حکم ہے۔ اور مومنین کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مومن وہ ہیں جو

بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے
سر لیٹ کر تو صرف ذکر ہی کیا جا سکتا ہے۔ نماز ادا نہیں کی جاتی۔

عید میلاد النبی تمام عیدوں کا مبداء ہے۔ بہ نظر غائر دیکھا جائے تو عید میلاد
النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام عیدوں کا مبداء ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور پر نور
ہوا تو خلق خدا کو خدائے تبارک و تعالیٰ کی ہستی کا شعور حاصل ہوا۔ توحید کا ادراک
وحدانیت کا اقرار احکام خداوندی کی تعلیم عبادات کی تفہیم سب آنحضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی ذات مقدس کی مرہون منت ہے۔ رمضان شریف۔ اور اس کی فضیلتیں آنحضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہم پر ظاہر ہو گئیں۔ اور انہی فضیلتوں سے متمتع ہونے کے
بعد ہم عید الفطر کی مسرتوں کے مستحق ہو گئے۔ اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے ہی ہمیں حج اور قربانی کے طریقے سکھائے۔ جن کی بنیاد پر ہمیں عید الاضحیٰ
کی خوشیاں نصیب ہو گئیں۔ پس جو یوم مبارک سب عیدین کی تقریبات کا مبداء
ہے۔ وہ تو کہیں زیادہ مسرت ابتہاج کا دن ہے۔ اور وہی تو ایسا دن ہے جسے
ہم سب سے بڑی عید کا دن کہہ سکتے ہیں۔

قرآن حکیم کی بعض آیات کا حوالہ ہم نے اس باب کے آغاز میں دیا ہے۔ ان میں
ہمیں۔ مسرت اور بہجت کے اظہار کا حکم فبذالک فلیفرحوا ۔ کے الفاظ میں دیا گیا ہے۔
اس مسرت و بہجت کے اظہار کی بنیاد وہ نعمت، روحانی شفا۔ ہدایت اور رحمت ہے
جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں تشریف آوری کی وجہ سے اولاد آدم کو نصیب
ہو گئی۔ پس اگر ہم یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ انعامات خداوندی کے نزول پر شکر واجب ہے تو
یقیناً ان نعمتوں کو ہم تک پہنچانے والے کی آمد پر بھی شکر لازم ہے۔ بالخصوص اس
وجہ سے کہ ان نعمتوں کا پہنچانے والا محض ایک قاصد یا پیام رساں نہیں۔ بلکہ خود بھی مجسم
رحمت ہے۔ اور مجسم رحمت ہونے کی وجہ سے انسانوں کے لئے سب سے بڑی نعمت ہے۔ تحدیث
نعمت کے متعلق خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ واما بنعمۃ ربک فحدث۔ اور اپنے رب کی نعمت کی

تحدیث کر۔ اس حکم میں مخاطب تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لیکن آنحضور ص
کے توسط سے حکم تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ اور تمام زمانوں پر محیط ہے۔ لہٰذا اسوہ
رسول کی پیروی میں ہم پر تحدیث نعمت لازم ہے۔

اپنی ذات کے متعلق آنحضور کا ارشاد

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ ترمذی میں بروایت حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے
مروی ہے کہ ارشاد فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں محمد ہوں عبداللہ
کا بیٹا۔ اور عبدالمطلب کا پوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا۔ تو مجھے اچھے گروہ
میں بنایا۔ یعنی انسان بنایا۔ انسانوں میں فرقے پیدا کئے۔ عرب اور اہل عجم۔ اور
مجھے اچھے فرقے یعنی عرب میں بنایا۔ پھر عرب میں کئی قبیلے بنائے۔ اور مجھ کو سب سے
اچھے قبیلے میں بنایا۔ یعنی قریش میں۔ پھر قریش میں کئی خاندان بنائے۔ اور مجھ کو
سب سے اچھے خاندان میں پیدا کیا۔ یعنی بنی ہاشم میں۔ پس میں ذاتی طور پر بھی
سب سے اچھا ہوں۔ اور خاندان میں بھی سب سے اچھا ہوں۔

لہٰذا۔ اس افضل ترین نوع بشر کے یوم ولادت پر اظہار مسرت کرنا
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وتوصیف بیان کرنا۔ یقیناً ایک نہایت مستحسن
عمل ہے۔

اکابر علماء کی آراء اور عمل = قرون اولیٰ سے اکابر علمائے اسلام
یوم ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر و برکت کا دن مانتے اور اسے عید
سعید کی طرح مناتے چلے آئے ہیں۔ اور ان اکابر علماء میں وہ زعمائے ملت بھی
شامل ہیں۔ جو ان کا بدعت کا تصور بھی نہ کرسکتے تھے۔ بلکہ جن کی مبارک
زندگیاں بدعات کو ختم کرنے اور سیئات کے خلاف جہاد کرنے میں گزری ہیں۔
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں۔
میں ہر سال ایام مولد شریف میں کھانا پکا کر لوگوں کو کھلایا کرتا ہوں۔

چنوں

ایک سال قحط کی وجہ سے بھنے ہوئے چنے کے سوا کچھ میسر نہ ہوا۔ میں نے وہی چنے تقسیم کر دیئے۔ رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ وہی چنے بھنے ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان چنوں سے بہت مسرور اور خوش ہیں۔ الدر الثمین ص۸

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کا خانوادہ برصغیر کے اکابر علماء میں بہت بلند درجات کا مالک ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ____ میں میلاد کے روز مکہ معظمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد مبارک میں تھا۔ اس وقت لوگ آپ ﷺ پر درود و سلام بھیج رہے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر کر رہے تھے۔ اور وہ معجزات بیان کر رہے تھے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت ظاہر ہوئے تھے۔ (مثلاً لات وہبل کا گرنا۔ کسریٰ کے محل کے کنگروں کا گرنا۔ اور فارس کے آتش کدہ کی آگ کا یک بیک بجھ جانا۔ تو میں نے اس مجلس میں انوار و برکات دیکھے۔ اور جب ان انوار کے متعلق غور کیا۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ انوار ان ملائکہ کے ہیں۔ جو ایسی مجالس اور مشاہدہ پر مؤثر ہیں۔

فیوض الحرمین ص۲۷

اسی طرح شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ ماثبت بالسنۃ میں فرماتے ہیں۔ شب میلاد مبارک بلاشبہ لیلۃ القدر سے افضل ہے۔ اس لیے کہ میلاد کی خاص رات خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی رات ہے۔ اور شب قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی ہے۔ لیلۃ القدر نزول ملائکہ کی وجہ سے مشرف ہوئی اور لیلۃ المیلاد بالنفس نفیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے شرف یاب ہوئی۔

ماثبت بالسنۃ ص۸۲

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب کے متعلق اسی قسم کے خیالات شاہ عبدالعزیز دہلوی اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے بھی ہیں۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (فیصلہ

ے

ہفت روزہ مسئلہ میں فرماتے ہیں۔ ــــ اور ہمیشہ باقاعدگی سے ہر محفل مولد میں شریک ہوتا ہوں۔ بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں۔ اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں —

(فیصلہ ہفت روزہ مسئلہ ص ۵)

البتہ غیر مشروع عمل جو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل میں راہ پا گئے ہوں ان کو ترک کرنا ضروری ہے۔ اس ضمن میں موصوف فرماتے ہیں۔ اگر کسی عمل میں عوارض غیر مشروع لاحق ہوں تو ان عوارض کو دور کرنا چاہیے۔ نہ یہ کہ اصل عمل سے انکار کر دیا جائے۔ ایسے امور سے انکار کرنا خیر کثیر سے باز رکھنا ہے۔

یہ تو عصر حاضر کی بات ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے لے کر آج تک تقریباً چودہ سو سال کے طویل عرصے کے دوران علمائے کرام اور شعرائے مشہور بے مثال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں خطبات دیتے اور نعتیہ قصائد کہتے رہے ہیں اور جو چیز اتنے طویل عرصے سے علی التواتر تمام ممالک کے مسلمانوں میں مروج اور مقبول چلی آرہی ہو اس کے مستحسن ہونے میں کیونکر شک کیا جاسکتا ہے۔
پھر یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ کہ مداح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعتیہ قصائد کہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اشعار پر اظہار خوشنودی فرمایا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ۔ کے ایک نعتیہ قصیدہ کے دو اشعار تو آج تک زبان زد خاص و عام ہیں -

واحسن منک لم تر قط عینی

واجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبرا من کل عیبا

کانک قد خلقت کما تشاء —

ترجمہ = اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر حسین آنکھ نے نہیں دیکھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت کسی ماں نے نہیں جنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے پاک پیدا ہوئے۔ جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ویسے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود چاہتے تھے۔

دیکھیے ان نعتیہ اشعار میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی توصیف ہے اور جملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور خلقت کا ذکر کیا گیا ہے۔

گویا یہ نعتیہ اشعار بھی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر جب ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف میں تشریف فرما ہوئے تھے تو خیر مقدم کے لئے انصار کی صاحبزادیاں طلع البدر علینا من ثنیات الوداع ۔ پڑھ رہی تھیں۔ یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ مبارک کو چاند سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف ذات ہے۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ جب اپنی ذات کی مدح و توصیف کے سلسلے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل اتنا واضح اور صاف ہے تو اس کے لئے کسی مزید سند کی ضرورت کہاں رہ جاتی ہے اور آج بھی اگر ہم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقاریب منعقد کر کے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی پیروی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و خصائل کی توصیف کرتے ہیں تو ہمارے اس عمل کے مشروع اور مستحسن ہونے میں کون شک کر سکتا ہے۔

نور الحبیب ستمبر ۱۹۹۲ شمارہ ۹-۱۰
صفحہ ۸۵ تا ص ۹۳
جلد ۴

Muhammad Abbas Nizami Moulana Qari
Distt. Teh. Pakpattan

M. Abbas
۲۹--۰۶--۲--۰۶

حیاتِ طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت

(مشیہناز کوثر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیائے آب و گل میں تشریف لانے کی تاریخ کے بارے میں تو شمسی کیلنڈر اور قمری کیلنڈر کے اختلاف کے سبب یا کسی اور وجہ سے سیرت نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگرچہ بعد میں جمہور علماء کا ۱۲ ربیع الاول کے دن پر اتفاق بھی ہو گیا۔ اور دنیا بھر میں حضور مخبر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کا دن اسی تاریخ کو منایا جاتا ہے۔ لیکن ولادت پاک کے دن کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ پیر کے دن حضور اکرم ﷺ کی ولادت کا ذکر حدیث پاک میں موجود ہے۔ ———— مطلب یہ ہوا۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لئے پیر کا دن منتخب فرمایا۔ انہیں اس دن دنیا میں بھیجا۔ اگر شاعر دربارِ رسالت حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے منسوب اس شعر کو ذہن میں رکھیں کہ ؎ خلقت مبرأ من کل عیب... تو کہا جا سکتا ہے۔ کہ ہفتے کے سات دنوں میں سے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ولادتِ پاک کیلئے دوشنبہ (پیر) کے دن کو منتخب فرمایا۔ حضور سرورِ کونین سلطانِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی فلاح کیلئے دنیا میں تشریف لانے کے لئے پیر کے دن کا انتخاب فرمایا۔ تو اس سے پیر کی اہمیت تو نمایاں ہو گئی لیکن جیسا ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یومِ ولادت کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ اس۔ آپ اس نعمتِ کبریٰ اور اس وجودِ مسعود کیلئے شکر بجا لاتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ اور جس سے ہر شئے فیض یاب ہو گی تھی۔ (ڈاکٹر محمد عبدہٗ یمانی علموا اولادکم محبت رسول اللہ مطبوعہ سعودی عرب ۱۹۸۷ء) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن روزہ رکھا کرتے تھے۔

صحیح مسلم کی کتاب الصیام میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پاک
میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے روزہ کے بارے میں پوچھا گیا تو
آپ نے فرمایا۔ اس دن میری ولادت ہوئی تھی۔ اور مجھ پر وحی کا نزول ہوا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یوم پیدائش پر ہر ہفتے روزہ رکھتے دیکھ
کر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی روزہ رکھنا شروع کر دیا ہوگا۔ مگر میری کم نگاہی
اور کم ہمتی نے ابھی دو صحابہ کے بارے میں تو معلوم کر ہی لیا۔ ایک تو حضور ؐ کے چچا
حضرت عباس رضؓ کی اہلیہ جن کا اصل نام لبابہ یا سمابہ تھا۔ اور ام الفضل کی کنیت سے
مشہور تھیں۔ انہوں نے خواتین میں ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد
اسلام قبول کیا تھا۔ ان کو ایک خصوصیت یہ بھی حاصل ہے کہ یہ ام المومنین حضرت میمونہ
بنت حارث۔ ان کی سگی بہن تھیں۔ انہوں نے حضرت امام حسین رضؓ کو پالا تھا۔ اور
انہیں دودھ بھی پلایا تھا۔ ان سے تین احادیث بھی مروی ہیں۔ (علی اصغر چوہدری
عہد نبوی کے نادر واقعات صفحہ ۳۳-۳۴) حضرت ام الفضل حضور اکرم ؐ کے یوم
پیدائش کے حوالے سے ہر دوشنبہ کو روزہ رکھتی تھیں۔ (مولانا سعید انصاری
سیر الصحابیات ص ۱۴۱)

ان کے علاوہ حضرت اسامہ بن زید بھی ہر دوشنبہ پیر کو روزہ رکھتے تھے
حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حضرت ام ایمن کے بیٹے تھے۔ ام ایمن حضور ؐ کی آیا اور
پرورش کرنے والی تھیں۔ جن کا اصل نام برکہ تھا۔ حضرت ام ایمن کے پہلے شوہر کی
وفات کے بعد حضور ؐ نے فرمایا۔ ام ایمن رضؓ میری ماں ہیں۔ ان سے کون شادی کریگا۔
تو حضرت زید نے ان سے شادی کر لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارثہ
سے بھی بے حد محبت فرماتے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آقا حضور ؐ کی محبت
کا تو یہ عالم تھا کہ یہ حب رسول کے لقب سے مشہور ہوئے۔ (طبقات ابن سعد حصہ چہارم)
میں ہے۔ حضرت اسامہ کے غلام کہتے ہیں کہ وہ دوشنبہ اور پنج شنبہ کو روزہ رکھتے

تھے۔ میں نے ان سے کہا۔ کہ آپ سفر میں بھی روزہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ آپ بوڑھے ہو گئے
ہیں۔ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ دو شنبہ اور پنج شنبہ
کو روزہ رکھتے تھے۔ نقوش رسول نمبر جلد ہشتم ص ۳۸۰ —

حضرت ابو درداء فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ میرا گزر حضرت
عامر انصاری کے مکان کی طرف ہوا۔ ہم نے دیکھا کہ عامر اپنے کنبہ والوں اور بیٹوں کو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات ولادت سنا رہے تھے۔ اور فرما رہے تھے۔ کہ یہی دن تھا۔
یعنی (پیر کا دن) جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم دنیا میں رونق افروز ہوئے تو
حضور نے یہ دیکھ کر فرمایا۔ ان اللہ فتح لک ابواب الرحمۃ والملٰئکۃ کلھم یستغفرون لک
من فعل فعلک نجا نجاتک۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رحمت کے دروازے کھول
دیئے۔ اور تمام فرشتے تمہارے لیے بخشش کی دعا مانگتے ہیں۔ جو شخص تمہارے جیسا کام
کریگا۔ وہ تمہارے جیسا اجر پائے گا۔ (رسول الکلام فی بیان المولد والقیام ۱۳۰۱ھ/
(التنویر فی مولد السراج المنیر از امام عمر بن حسن محدث اندلسی ص ۳۴۴-۴۳۳)
(الفقیہ امرتسر میلاد نمبر ۱۹۳۲ء ص ۱۹)

ایسے حالات پڑھ کر ہمیں کرید ہوئی کہ پیر کے دن کی اہمیت پر کچھ اور
حقائق بھی معلوم کیے جائیں۔ اس نقطہ نظر سے دیکھا گیا تو معلوم ہوا۔ کہ حضور سرکار
دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی اور والدہ مکرمہ (حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ
آمنہ رضی اللہ عنہا کی شادی بھی پیر کے دن ہوئی تھی۔ اس دن جمادی ~~الاول~~ الآخری کی
پہلی تاریخ تھی۔ ماہنامہ الوارث کراچی اپریل ۱۹۹۱ء ص ۳۷-۳۸)
مضمون اسلامی مہینوں کے فضائل از سید سراج جامی)

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح
بھی پیر ہی کے دن ہوا تھا۔ اور پیر ہی کی اہمیت اور فضیلت کے باعث حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔ کی شادی حضرت عثمان غنی کے

کے ساتھ اسی دن کی ہوگی۔ پیر کے دن کی اہمیت کے حوالے سے حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوشنبہ (پیر) کے دن درخت کو پیدا کیا۔ ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی علموا اولادکم محبت رسول اللہ (ص ۴۶) درخت کو کئی خصوصیات حاصل ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سایہ دار ہوتا ہے۔ اس کی ٹھنڈی چھاؤں میں انسان حیوان سب کو آرام ملتا ہے۔ انسانیت کیلئے اس کے مفید ہونے کے بارے میں ماہرین جادات بہت کچھ لکھتے ہیں۔ لیکن اہل محبت کے نزدیک درخت سبز ہوتا ہے۔ گویا یہ گنبد خضرا کے رنگ میں رنگا ہوتا ہے۔ اور سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک سراپا کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھک جاتا ہے۔

بحیرا راہب سے جب حضرت ابوطالب نے پوچھا کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا یقین کیسے ہے۔ تو اس نے جواب دیا کہ جب یہ پہاڑ سے اتر رہے تھے تو درخت انہیں سجدہ کرتے تھے۔ درخت کی اہمیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس کا وجود رکھا ہے۔ کتابوں میں ہے کہ درخت بھی محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے میں یہ بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھولوں کے بادشاہ گلاب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک سے پیدا کیا۔ (شہناز کوثر قوس قزح ص ۱۳۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کی نسبت کئی لحاظ سے بہت وسیع ہے۔ جیسا آقا علیہ السلام غار ثور سے پیر کے دن نکلے اور ام معبد کے خیمے پر قیام فرمایا۔ وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے وقت وضو فرمایا۔ جس جگہ وضو کا پانی ٹھہرا تھا۔ وہاں ایک عجیب و غریب درخت پیدا ہوا۔ جس پر نہایت خوش ذائقہ پھل لگتے تھے۔ یہ پھل بیماروں کے کام آتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تک وہ درخت رہا۔ وصال کے بعد وہ درخت بھی سوکھ گیا۔ (عبدالعزیز ہزاروی سیرۃ مصطفیٰ ص ۱۸۶)

یعنی اس درخت کی ابتداء پیر کے دن ہوئی۔ اور پیر کے دن ہی یہ سوکھ گیا۔ جوں جوں پیر کے دن کی خصوصیات اور اہمیت کے متعلق تحقیق کی گئی۔ نئی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔

پتہ چلا پیر کے دن اور پنج شنبہ کے دن امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں (طبقات ابن سعد حصہ چہارم) ہر پیر کے اور جمعرات کو امت کے اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ اگر امت کے اعمال نیک ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم شکر ادا فرماتے ہیں۔ اور اگر اعمال بد ہوں تو خدا تعالیٰ سے اپنی گنہگار امت کی بخشش کی دعا فرماتے ہیں۔ (سید محمد عابد رحمۃ العالمین ص ۳۶۱)

پیر کے دن کی اہمیت کے ان دلائل کے پیش نظر کوشش کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پیر کے دن کے حوالے سے جو خاص واقعات ہوئے ان کے بارے میں تحقیق کی جائے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ حجر اسود کی تنصیب کے معاملے پر قبائل عرب میں متوقع لڑائی کو بھی پیر کے دن روکا گیا۔ اللہ کریم نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی۔ تو ان کے پسندیدہ دن پیر کو۔ نزول وحی کے تین ڈھائی سال بعد اعلان نبوت بھی اسی دن کیا گیا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے معراج پر بلایا تو پیر کو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خدا سے مانگنے کی دعا بھی پیر کے دن کی گئی۔ ہجرت مدینہ میں بھی پیر کے دن کو خاص اہمیت حاصل رہی۔ کفار سے جو جنگیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں لڑی گئیں۔ ان میں سے بیشتر غزوے یا تو پیر کے دن لڑے گئے۔ یا ان غزوات کیلئے سفر کا آغاز پیر کے دن کیا گیا۔ غزوہ احزاب (خندق) کیلئے فتح کی دعا حضور علیہ السلام نے اپنے خیمہ مبارک میں جہاں اب مسجد فتح ہے۔ پیر کے دن مانگی۔ مختلف سرایا بھی دوشنبہ سے متعلق دکھائی دیتے ہیں۔ صلح حدیبیہ عمرۃ القضاء فتح مکہ اور حجۃ الوداع میں بھی دوشنبہ نظر آتا ہے۔ جب حضور آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز ہوئی تو دوسری بیویوں سے اجازت لے کر آپ پیر کے دن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں منتقل ہو گئے۔ اس کے بعد دوسرے پیر ۱۲ ربیع الاول کو وصال ہوا۔

(مولانا عبدالرؤف دانا پوری اصح السیر ص ۵۱۱-۵۱۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے اللہ

محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو پیر کے دن دنیا میں بھیجا اور پیر ہی کے دن انہیں واپس بلا لیا۔
اللہ کریم نے پیر کے دن کو مختلف حیثیتوں سے اہمیت عطا کی۔ اور حضور ؐ
کی حیات طیبہ میں پیر کا دن بہت واضح دکھائی دیتا ہے۔ تو ہمارے لئے مزید یہ ٹھہرتا ہے۔
کہ ہم بھی اس دن کو بہت اہمیت دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کے حوالے
سے بھی اس دن کو یاد رکھیں۔ اور منائیں۔ روزہ رکھیں۔ درود و سلام کی کثرت کریں۔
محافل میلاد برپا کریں۔ اس دن ابولہب نے حضرت ثویبہ کو میلاد النبی ؐ کی خوشی
میں آزاد کیا تھا۔ تو پیر کا دن عورتوں کی آزادی کا روز اول ٹھہرا۔ ہمارے لئے مزید
ہے کہ قرآن مجید احادیث مقدسہ اور سیرت طیبہ میں جتنی آزادی عورتوں کو دی گئی ہے
اور جو اہمیت انہیں حاصل ہے۔ اس سے سر مو انحراف نہ کریں۔

والدین مصطفیٰ کی شادی پیر کے دن ہوئی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ
السلام کا نکاح پیر کو ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ام کلثوم رضی کی شادی بھی
اسی دن ہوئی۔ تو کیا یہ مناسب ہوگا۔ کہ آج کل بھی لوگ شادیاں پیر کے دن کیا کریں
حجر اسود کو کعبۃ اللہ کی دیوار میں رکھنے پر قبائل میں جو جھگڑا ہونے والا تھا۔ وہ بھی پیر
کے دن ٹلا۔ تو کیا پیر کو صلح صفائی اور لڑائی جھگڑے ختم کرنے کے دن کے طور پر منایا جانا
بہتر نہ ہوگا۔ اسی طرح ہمیں انفرادی اور اجتماعی کاموں کا آغاز اس مبارک دن سے کرنا زیادہ
اچھا ہوگا۔ اور جب پیر کو امت کے اعمال حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔ تو
کتنا اچھا ہو۔ کہ ہمارے اعمال اس کیفیت میں پیش ہوں۔ کہ ہم اس وقت اپنے آقا و مولا
صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہدیہ درود و سلام پیش کر رہے ہوں۔ خدا کرے ہم پیر کے
دن کے پیش نظر اپنے کاموں کی ابتداء اس دن کریں۔ اور اس دن زیادہ سے زیادہ
عبادت کریں۔ اور حضور سید کائنات کی بارگاہ بیکس پناہ میں زیادہ سے زیادہ درود و سلام
پیش کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہوں۔ آمین۔

(نور الحبیب ص ۱۱۳ - ۱۱۸ جلد ۴ ستمبر / اکتوبر ۱۹۹۴ شمارہ ۹ - ۱۰ میلاد النبی نمبر)

۲۰۰۴

۱۵
(مدیر اعلیٰ)

جشنِ میلاد کا پیغام

اسلام نے اپنے پرستاروں اور نام لیواؤں کیلئے خوشی اور مسرت کے دو دن مقرر کیئے ہیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ــــ اہل اسلام ان کے علاوہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے روز کو بھی عید قرار دیتے ہیں۔

حضور رحمۃ اللعالمین شارع دین متین صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ان امتی لا یجتمع علی الضلالۃ (۱) اور ما راہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن (۲) کے مصداق امت مسلمہ کا یہ عمل بلا شبہ حق و راستی پر مبنی ہے۔ جس روز سعید میں باعث تکوین کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس جہان کو سرفراز فرمایا۔ اس روز کا کوئی ثانی نہیں۔ یہ دن صرف اہل اسلام کیلئے نہیں۔ اقوام عالم اور جمیع انسانیت کیلئے روز عید ہے۔ آپ چونکہ کائنات کی سب سے بڑی نعمت ہیں۔ اس لیئے اس نعمت کے حصول پر اظہار مسرت عین فطرت انسانی اور دین کی سب سے بڑی ضرورت اور حقیقت ہے۔ مقام غور یہ ہے کہ آیا صرف اسی ایک عمل سے ہماری نجات ممکن ہے۔ یہ درست ہے کہ رب العالمین جل و علا نے اپنے نیک بندوں خصوصاً انبیاء کرام کے تذکرہ کو قرآن کریم میں جگہ جگہ (واذکر) (۳) کے الفاظ قرآنی کے ساتھ ہمارے لیئے تذکرہ رسول کی رغبت تمام فرمادی ہے یہ بھی تسلیم کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کے دن کا روزہ رکھ کر اس بات کا اشارہ دیا کہ میرا یوم ولادت خاص اہمیت کا حامل ہے۔ (۴)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں واقعاتِ ولادت سنائے جس پر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی شفاعت کے حلال ہونے کا مژدہ جانفزا سنایا (۵) غزوہ تبوک سے واپسی پر بھی حضرت عباس نے آپ کی ولادت کے تذکرے پر مشتمل اشعار آپ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیے۔ اور آپ سے کلماتِ تحسین وصول کیے (۶) ابولہب جیسے دشمن مصطفےٰ کا بعد از موت شہادت کی انگلی سے پانی کا پینا۔ اور عذاب میں تخ

تخفیف ولادت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر اظہار مسرت کی بنا پر تھی۔ (۷) لیکن کیا جس کی آمد کے دن کو عید قرار دینے کیلئے بے اور دیگر بے شمار قرآن و سنت کے دلائل موجود ہیں۔ وہ ہمارے لئے صرف اس عمل سے خوش ہو جائیں گے۔ خواہ ہم بد اعمالی نفس پرستی اور سرکشی کی دلدل میں سر تا پاؤں اترے ہوئے ہوں۔ اور خواہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں احکامات اور فرامین کو مسلسل نظر انداز کرنے کے مرتکب کیوں نہ ہو رہے ہوں؟۔

امت مسلمہ ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روز جو اعمال انجام دیتی ہے ان میں کی کوئی نہ کوئی اصل قرآن و سنت میں موجود ہے۔ حضور علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا۔ کی روایت کے مطابق وقت ولادت پوری دنیا نور سے جگمگا اٹھی تھی (۸) اس قسم کی روایات حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ہے (۹) لہٰذا ہمارا چراغاں کرنا۔ اور محبوب اکرم ﷺ کے لقصدق سے ملا ہوا۔ کثیر روپیہ خرچ کرنا۔ اس اظہار مسرت کے طور پر بجا ہے۔ حضرت آمنہ رضہ نے اس مبارک ساعت میں جبرائیل امین کو تین جھنڈے لے کر زمین پر اترتے اور ان میں سے ایک کو مشرق میں۔ ایک کو مغرب میں جبکہ تیسرے جھنڈے کو بیت اللہ کی چھت پر نصب کرتے ملاحظہ فرمایا تھا (۱۰) اس لئے عظمت مصطفیٰ ﷺ کے اظہار کیلئے کوچہ و بازار کا جھنڈیوں سے آراستہ کیا جانا باعث برکت۔ اور اظہار عظمت کے جذبہ تقاضوں کے عین مطابق ہے لیکن کیا جس کی آمد کے وقت دن اور مہینے کی تعظیم و توقیر کے لئے ہم بچھے چلے جاتے ہیں۔ اسی ہستی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو یکسر فراموش کرنا اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی اتباع سے اغماض برتنا کر لینے سے عرصہ محشر میں ہماری شفاعت کی کوئی امید ہے۔؟

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے۔ کہ آپ نے نسل انسانی کو باطل قوانین اور واہیات و خرافات سے نجات دلائی۔ اور ہزاروں خداؤں کے سامنے جھکنے والی جبینوں کو ایک خدا کے حضور میں جھکا دیا۔ ناحق زنجیروں کو کاٹا۔ اور جھوٹے خداؤں کی

کی حالت سے گراں بار گردنوں کو آزادی عطا کردی (11) پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ان کے امتی ہونے اور ان کی محبت کا دم بھرنے کے باوجود پھر سے واہیات و خرافات کو دعوت دے کر آپ سے آپ ہی جاہلیت کے طوق و سلاسل کو گردن میں ڈالے چلے جاتے ہیں بہت سے بڑی پریشانی تو اس بات کی ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کے موقع پر نکالے جانے والے جلوس بھی ان خلاف شرع حرکات کے سائے میں اپنی منزل تک پہنچتے ہیں۔ جن کے قلع قمع کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی تھی بے ادبی اور گستاخی کی انتہا ہے کہ عید میلاد کے جلوس رقص و موسیقی اخلاق باختہ گانوں کے شور و غل۔ اور عورتوں سے چھیڑ خانی جیسی غلیظ حرکات سے بھرے ہوئے ہوں۔ اس پر طرہ یہ کہ علمائے دین متین اور انتظامیہ نوٹس نہ لے۔ اور ان کا ختم کرنے کے لئے کوئی اقدامات نہ کئے جائیں۔ کیا محبت رسول۔ اتباع رسول۔ اظہار عظمت رسول کے یہی تقاضے ہیں؟۔ اس طرح کی بیہودگیوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس کو جس قدر اذیت ہوتی ہوگی۔ اس کی بھی کسی کو خبر ہے یا نہیں۔؟

انسانیت کی سب سے بڑی متاع تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ اس لئے حصول سعادت کے طور پر جس قدر بھی جلسوں اور جلوسوں کا اہتمام ہو۔ کم ہے۔ ان سے جس قدر اظہار محبت ہو۔ تھوڑا ہے۔ بلکہ انسانیت کی اصل معراج اور ایمان کی کاملیت کا نشان ہی یہ ہے۔ کہ ان سے عشق و محبت کا اچھے سے اچھا انداز اپنایا جائے۔ مدح و ثنا کا اعلیٰ سے اعلیٰ طریقہ منتخب کیا جائے۔ لیکن ہمارے ملک میں منعقد ہونے والی بہت سی محافل میلاد میں اظہار عشق کا انداز عامیانہ ہوتا ہے اور کائنات کی سب سے عظیم ہستی کے شایان شان نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ خداوند کریم ان سے تخاطب کے وقت محبت بھرے القاب سے پکارے اور خالی ان کا نام لینا خلاف ادب سمجھے۔ (12) ان کی عمر کی قسم کھائے (13) اس سرزمین کی قسم اٹھائے۔ جس میں وہ چلتے پھرتے ہوں۔ (14)۔ ان کی بارگاہ میں اونچا بولنے کو حبط اعمال کا سبب قرار دے (15)

ایسا کرنے والوں کو عقل و شعور سے عاری ہونے کا اعلان فرمائے (۱۶) اور واضح
طور پر۔ تفرقہ رو ہو کو ترک کرو (۱۷) ان کی عزت کرو۔ اور ان کی خواہش بجا لاؤ۔ کا حکم دیا
لیکن ان کے نام لیوا میلاد کے جلوسوں میں ایسی روش اختیار کریں۔ جس کا معمولی
افسر کے روبرو۔ انجام دینا بھی خلاف ادب ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارے دل
محبت رسول سے عاری ہو چکے ہیں۔ صرف مجلسیں اور محفلیں روشن کرنے کا
شوق غالب ہے۔ اور دلوں پر سیاہی چھائی ہوئی ہے۔ اگر یہ بات ہے۔ تو پھر ہماری
بدبختی اور شقاوت کی انتہا ہے۔

معتبر روایات کے مطابق حبیب البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں پہلا سانس
لیتے ہی اپنے سر انور کو بارگاہ ایزدی میں جھکا دیا تھا۔ (۱۸) تو کیا ولادت پاک کے
تذکرے میں ہمارے اندر بھی اس تحریک نے جنم لیا۔ کہ ہم بھی کم از کم پانچ وقت دن میں
تو پروردگار کے حضور میں اپنی پیشانیوں کو خم کر لیا کریں۔ جس عمل سے محبوب خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کو راحت ملا کرتی تھی۔ (۱۹) اور جس عمل سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوا کرتی
تھیں۔ (۲۰)۔ ہم اس سے کس قدر نفور ہیں۔ اور کھلی بغاوت کا اعلان کیے بیٹھے ہیں

حضرت حلیمہؓ کا بیان ہے۔ کہ جب میں نے مصطفیٰ اعلیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ
پلانا چاہا۔ تو آپ نے دائیں جانب سے دودھ پی کر منہ موڑ لیا تھا۔ (۲۱) اور دوسری جانب
سے شاید اس لیے دودھ نہ پیا کہ کہیں اپنے رضاعی بھائی کا۔ حق سلب نہ ہو۔ پھر کیا ہم نے بھی
عید میلاد کے بعد اس بات پر غور کیا کہ اپنے اعزاء و اقرباء۔ ہمسائیوں محلہ داروں
ہم وطنوں یا ہم مذہبوں کے حقوق کی پامالی سے خود کو کس حد تک محفوظ رکھتے ہیں

جشن میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگرام اصل میں حضور پاکؐ کی
سیرت طیبہ کی عظمت کا اعلان ہیں۔ لیکن ہمارے اکثر نوجوان ان کی سیرت سے بے خبر
ہیں۔ عمل کی نوبت تو اس وقت آئے گی۔ جب بے خبری اور بے عملی کے خول سے باہر نکلنے
کی کوئی سبیل پیدا ہو۔ ذرا سوچئے کہ ہم نے ان کی سیرت طیبہ کا کس قدر مطالعہ کیا ہے

جشن میلاد کا ایک مقصد یہ بھی ہے۔ کہ بارگاہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں زیادہ سے زیادہ درود وسلام پیش کرنے کا موقع ملے کہ اہل ایمان سے خداوند کریم اس کا تقاضا فرماتا ہے۔ (۲۲) مگر اس وظیفہ خداوندی سے ہم نے اپنی روح و جان کو کس قدر سرشار کیا۔ اور ماہ میلاد کی ساعتوں میں درود پڑھنے اور محافل درود میں شرکت کی کس قدر ہمیں سعادت وارجمندی میسر آئی ؟۔

محافل میلاد کی ایک غرض وغایت یہ بھی ہے۔ کہ ہم اقوام عالم پر یہ بات واضح کر دیں۔ کہ ہمارے رسول و محبوب صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے تمام قائدین اور رہنماؤں سے برتر اور افضل ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی ولادت طیبہ عالم شیر خوارگی اور بچپن بھی مثالی اور قابل رشک ہے۔ اس طرح اہل ایمان کو یہ تحریک ملنی چاہیئے۔ کہ وہ دین مصطفوی کو مذاہب عالم پر غالب کرنے کی مساعی عمل میں لائیں۔ مگر ہم میں سے کتنے ایسے لوگ ہیں۔ جو میلاد مناتے ہوئے اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اور بابرکت محافل میلاد کو وسیع تناظر میں با مقصد اور مفید۔ بنانے کی شعوری کوششیں بروئے کار لاتے ہیں۔

یہ اور اس قسم کے ہزاروں سوالات ہیں۔ جن کا جواب طلب کیا جائے تو سوائے ندامت اور شرمندگی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم نے کبھی یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ ۱۲ ربیع الاول کا اصل پیغام کیا ہے۔ ؟۔ ۱۲ ربیع الاول کا پیغام یہ ہے کہ
(۱) ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنا جزو ایمان بنالیں۔ بلکہ ایمان کی کاملیت اس کے بغیر ناممکن ہی نہیں۔ محال ہے۔ (۲۳) (۲) سید المرسلین ﷺ کی تشریف آوری پر اظہار تشکر کے طور پر درود وسلام کی کثرت کی جائے۔ (۳) تعظیم و توقیر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حرز جان بنالیا جائے۔ آپ کی گستاخی کفر صریح (۲۴) اور ارتداد ہے جس کی سزا قتل ہے۔ (۲۵) (۴) محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا یہ ہے۔ کہ آپ کی سیرت طیبہ پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کا تہیہ کریں اور زندگی کے تمام گوشوں کو آپ کی سیرت کے نور سے منور کریں۔ (۵) سرور کائنات

نے اپنی تشریف آوری کا ایک مقصد یہ بتایا ہے۔ بعثت لاتمم حسن الاخلاق (۲۴)
کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ لہٰذا ہم بھی جھوٹ، غیبت، لگائی
بجھائی، تکبر و انانیت، ہوس پرستی اور اس جیسی دیگر آلودگیوں سے اپنے من کو صاف
کریں اور اعلیٰ اخلاق سے متصف ہوں۔ (۲۶) ارکان اسلام پر مکمل طور پر عمل
پیرا ہوں۔ خصوصاً ترک نماز سے سرور ہر دو سرا اور اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم
کی ناراضی کا عذاب مول نہ لیں۔ (۲۷) عالم اسلام اس وقت زبوں حالی اور عظیم
ابتلاء کے دور سے گزر رہا ہے۔ وہ دین جس کو مذاہب عالم پر غالب کرنے کیلئے نبی آخر
صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی تھی۔ (۲۷) اس کو مٹانے کے لئے بین الاقوامی
سازشیں عروج پر ہیں۔ وہ ملت جس کے ساتھ علو مرتبت کا قرآنی وعدہ موجود
ہے۔ (۲۸) عصر حاضر میں اختلاف و انتشار اور پستی کا شکار ہے۔ اس لئے
جشن میلاد ہمارے دلوں پر دستک دے کر ہمیں جھنجھوڑتا ہے کہ مسلمانو! خواب
غفلت سے بیدار ہو جاؤ۔ فرقہ بندیوں سے بالاتر ہو کر نئے جذبوں اور نئے ولولوں
کے ساتھ دین متین کی اشاعت اور غلبہ حق کے لئے اپنی تمام توانائیاں صرف کر دو۔ ورنہ
وقت تمہارا انتظار نہیں کرے گا۔

(حواشی)

(۱) ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ ص ۲۹۲ - ابو عیسیٰ ترمذی نے اپنی
جامع میں یہ حدیث یوں نقل کی ہے۔ ان اللہ لا یجمع امتی علی الضلالۃ جامع ترمذی ص ۳۹/۲
(۲) امام احمد بن محمد بن حنبل مسند امام احمد ص ۳۷۹/۲ / نور الدین علی بن ابی بکر
ہیثمی، مجمع الزوائد ص ۱۷۲/۱ (۳) مریم = ۱۶ - ۴۱ - ۵۱ - ۵۴ -
۵۶ - ص ۱۷ - ۴۱ - ۴۵ - ۴۸ الاحقاف ۲۱ . (۴) مسلم بن
الحجاج القشیری جامع صحیح کتاب الصیام - (۵) شیخ الدلائل عبدالحق محدث
الہ آبادی الدر المنظم (ساتواں باب) عمر بن حسن الاندلسی - التنویر فی مولد

السراج المنیر / ابو محمد سید دیدار علی شاہ الوری، رسول الکلام۔
(۶) ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم صحیح مستدرک ص ۳۲۷/۳ ابن کثیر سیرت النبویہ ص ۱۹۸
(۷) ۔ حافظ شمس الدین ابن جزری عرف التعریف بالمولد الشریف بحوالہ حجۃ اللہ
علی العالمین للنبہانی ص ۲۳۷ (۸) امام محمد بن سعد، طبقات کبری ص ۱۰۲/۱
امام جلال الدین سیوطی، الخصائص الکبری ص ۴۶/۱ (۹) حافظ ابن عبدالبر قرطبی،
کتاب الاستیعاب ص ۱۶۱/۱ امام ابو الفدا حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ ص ۲۵۸/۲ /
سید احمد زینی وحلان السیرۃ النبویۃ والآثار المحمدیہ ص ۳۸/۱ (۱۰) محمد بن
عبدالباقی زرقانی، زرقانی ص ۱۱۲/۱ / یوسف بن اسماعیل النبہانی، الانوار المحمدیہ ۲۳
(۱۱) الاعراف ۱۵۷ (۱۲) کہیں ذیایا یاایھا النبی الممتحنہ ۱۲ ۔ الانفال
۶۴ ۔ ۶۵ ۔ ۷۰ = التوبہ ۷۳ الاحزاب ۱ ۔ ۲۸ ۔ ۴۵ ۔ ۵۰ ۔ ۵۹ ۔ الطلاق
۱ ۔ التحریم ۹ کہیں یاایھا الرسول کہہ کر خطاب فرمایا المائدہ ۴۱ ۔ ۶۷ (۱۳) الحجر ۷۲
(۱۴) البلد ۱ ۔ ۲ ۔ (۱۵) الحجرات = ۲ (۱۶) الحجرات = ۶ (۱۷) الفتح
۹ ۔ (۱۸) علی بن برھان الدین حلبی السیرۃ الحلبیہ ص ۵۴ / علامہ یوسف بن اسماعیل
نبہانی حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۲۴ (۱۹) ابو داؤد کتاب الادب ۔ (۲۰) ابو عبداللہ
احمد بن محمد بن حنبل مسند امام احمد جلد ۳ ص ۱۲۸ ۔ ۲۸۵ (۲۱) زرقانی
ص ۱۳۳/۱ / علامہ احمد بن محمد قسطلانی، المواہب اللدنیہ طبع مع الزرقانی جلد ۱ ص ۱۳۳
علامہ ابن جوزی، مولد العروس / علامہ سید احمد زینی وحلان، السیرۃ النبوۃ
ص ۳۸/۱ (۲۲) الاحزاب ۵۶ ۔ (۲۳) الجامع الصحیح البخاری الجامع الصحیح
للمسلم کتاب الایمان (۲۴) التوبہ ۱۳ ۔ ۱۴ ۔ ۶۱ ۔ ۶۳ ۔ ۶۵ ۔ ۶۶ ۔ ۷۴ النساء
۶۵ ۔ البقرہ ۱۰۴ ۔ (۲۵) علامہ طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری خلاصۃ الفتاوی
ص ۳۸۶/۴ ۔ (۲۶) ابو عبداللہ مالک بن انس مؤطا امام مالک ص ۷۰۵ (۲۷) التوبہ ۳۲
الفتح ۲۸ الصف = ۹ ۔ (۲۸) آل عمران ۔ ۔ ۰ ۔

Iqbal
۴-۰۷-۲۰۰۶

نور الحبیب ص ۱۱۹ تا ۱۲۶ = ستمبر اکتوبر ۱۹۹۴ جلد ۴ شمارہ ۹ ۔ ۱۰

تذکرہ ولادت اور قرآن

(خلیل احمد نوری)

قصص الانبیاء قرآن کریم کا ایک مستقل موضوع ہے۔ احقاق حق اور ابطال باطل کے لیئے قرآن حکیم نے جو سائنس اور منطقی استدلالات پیش کیئے ہیں۔ انبیاء اولول کے واقعات زندگی کا بیان بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ چونکہ نبی کا اسوہ اس کی زندگی کا ہر پہلو اور کتاب زندگی کا ایک ایک ورق اللہ تعالیٰ کی توحید کا واضح اعلان اور خیر وشر کے درمیان فرقان و امتیاز کا درجہ رکھتا ہے۔ اس لیئے نبی کی زندگی اس سلسلے کی سب سے بڑی حجت قرار پاتی ہے۔ قصص انبیاء پر طائرانہ سی نظر ڈالی جائے۔ تو جائے تو یہ حقیقت بڑی عیاں دکھائی دیتی ہے کہ قرآن کریم صرف ان ہی واقعات و حکایات کو زیر بحث نہیں لاتا۔ جو انبیائے کرام کی تبلیغی سرگرمیوں اور منصبی ذمہ داریوں سے متعلق ہیں۔ بلکہ ان افضل الخلق بندوں کی تخلیق ولادت کے متعلق بشارات ولادت بچپن اور لڑکپن کے واقعات کو بھی موضوع بحث بناتا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء کی حیات کا ہر زمانہ بلا استثناء اول تا آخر برہان و حجت اور آیت الہیہ ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ضمن میں بتایا گیا ہے۔ کہ کس طرح ملائکہ کے سامنے آپ کی تخلیق کا مسئلہ پیش کیا گیا اور سوال و جواب ہوئے۔ اس مٹی کا ذکر ہے۔ جس میں آپ کا خمیر تیار ہوا۔ نفخ روح تعلیم اسماء سجود ملائکہ اور ابلیس کے انکار اور آسمانوں سے اخراج کا ذکر ہے۔ قرآن نے بتایا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو روکنے کیلیے ہی بنی اسرائیل کے نومولود بیٹوں کو فرعون قتل کراتا تھا۔ مگر اس کی خواہش کے علی الرغم آپ کی ولادت ہوئی۔ وحی الہی کے مطابق والدہ نے نومولود کو سمندر میں بہا دیا۔ آپ فرعون کے پاس پہنچ گئے۔ بہن ساتھ ساتھ چلتی گئیں۔ اور رضاعت کیلیے کس اہتمام سے آپ کی والدہ کا انتخاب ہوا۔ اور آپ نے ایوان فرعون میں پرورش پاکر بچپن لڑکپن اور جوانی کی منازل کو طے کیا۔

اسی طرح قرآن مجید نے حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کے زمانہ حمل کا ذکر کرتے ہوئے
بتایا کہ انہوں نے پیدا ہونے والے بچے کو اللہ کی راہ میں پیش کرنے کی نذر مانی تھی۔ اور
جب مذکر کی بجائے مونث (مریم علیہا السلام) کی ولادت ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ کے حضور
میں عذر خواہی پیش کرتے ہوئے کہا (فتقبل منی) اسے ہی میری طرف سے مقبول فرمالے
پھر نومولود بچی کا نام رکھنے ان کی پرورش و کفالت کیلئے احبار بنی اسرائیل کے درمیان کی
قرعہ اندازی اور بچپن میں ہی حضرت مریم علیہا السلام کے پاس قدرتی میلوں کی آمد کا ذکر
بھی بڑے حسین پیرائے میں ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بیان میں
سورۃ الیس تو قرآن بتاتا ہے۔ کہ ان کی والدہ اپنے حجرۂ اعتکاف میں تھیں کہ جبرائیل تو جوان
انسان کی شکل میں آئے۔ وہ ڈریں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی، سوال و جواب ہوئے۔ اور جبرئیل
نے بچے کی بشارت دی۔ اور پھونک مارنے سے وہ حاملہ ہوگئیں۔ پھر جب وضع حمل کا وقت
ہوا۔ تو عجیب و غریب خوارق کا ظہور ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس آب و گیتی
میں قدم رکھا۔ اور پنگھوڑے میں ہی اپنی نبوت اور والدہ کی پاکبازی کا اعلان کیا۔ اس طرح
حضرت اسماعیل حضرت اسحاق و یعقوب اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کی ولادت کی
بشارتیں بھی قرآن نے پیش کی ہیں۔

قرآن مجید کے اس انداز بیان سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ
انبیاء و رسل علیہم السلام کی زندگی کے مذکرہ پہلوؤں کو ہدایت اور راہنمائی کی
اس آخری کتاب شامل نہ کیا جاتا۔ تو نصیحت و موعظت کا ایک اہم اور کثیر حصہ بیان
ہونے سے رہ جاتا ———— پھر یہ کیسے ممکن ہے۔ کہ امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ
علیہ وسلم جن کی حیات اس دنیا میں۔ سب سے بڑی برہان و حجت ہو۔ اور جس نے اپنی پہلی
دعوت عام میں بھی اپنی عمر گزشتہ کو توحید الٰہی کی سب سے بڑی دلیل قرار دے کر فرمایا۔
فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ (۱) اس صاحب لولاک کی تخلیق۔ بشارت۔ ولادت
تشریف آوری بچپن اور لڑکپن کے حالات سے لوگوں کو باخبر رکھنے کے لئے قرآن مجید نے کوئی

اہتمام نہ کیا ہو ۔۔۔۔ ؟ ۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل مبارکہ اور سیرت طیبہ کے ہر جزو کو قرآنی اوراق میں تلاش کیا جا سکتا ہے ۔۔۔۔ یہ الگ بات ہے کہ سیرت و سوانح کے بیان میں بھی آپ کی شان امتیازی کو قائم رکھا گیا ہے۔ یعنی جس طرح آپ سے تخاطب کے وقت قرآن حکیم کا انداز یکسر بدل جاتا ہے۔ اور ذاتی اسم پاک کے بجائے القاب و اوصاف کے ساتھ آپ کو خطاب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح آپ کی سیرت کے وقائع کو کبھی "گفتہ آید در حدیث دیگراں" کے مصداق کبھی ضمائر کے پردے میں اور کبھی استعارہ اور کنائے کی زبان میں قرآن نے اپنے سینے میں محفوظ کیا ہے۔ تاکہ فصاحت و بلاغت کے ذریعے تعظیم و تکریم کا پہلو بھی نمایاں ہو۔ اور محبوب محب کے درمیان گفتگو کا حسن اور تلذذ بھی قائم رہے۔ سچ ہے الکنایہ ابلغ من التصریح (قدرے طویل تمہید کے بعد آئیے دیکھتے ہیں۔ کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مضامین ولادت کو کس انداز میں قرآن کی زینت بنایا گیا۔

تخلیق نور = موضوعات میلاد مصطفی کے سلسلے میں سب سے پہلے جو مضمون افق خیال پر نمودار ہوتا ہے۔ وہ خلقت محمدی ہے۔ یعنی عالم اجسام میں تشریف آوری سے قبل آپ کی روح مقدس عالم ارواح میں تخلیق ہو چکی تھی۔ سورۃ بقرہ کی مشہور آیت میثاق (۲) سے ثابت ہے۔ کہ عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے اس بات کا عہد لیا۔ کہ وہ حضور خاتم النبین پر ایمان لائیں۔ اور ان کی نصرت و اعانت پر کمربستہ رہیں گے۔ اس آیت کا مقتضاء یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو روح الارواح اور اصل کائنات ہیں۔ کی روح پاک بطریق اولیٰ عالم ارواح میں تخلیق ہو چکی تھی۔ مزید برآں سورۃ الاعراف (۳۲) میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت انور سے نکال کر اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔ اور فرمایا الست بربکم، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے جواب دیا بلیٰ شہدنا۔ کیوں نہیں ہم اقرار کرتے ہیں۔ جب بنی آدم کی تمام ارواح سے سوال و جواب نص قرآنی سے ثابت ہے۔ تو بالعموم کون و مکاں کی

روح پاک کا تخلیق کیا جانا۔ اور بطن آمنہ میں تشریف آوری سے قبل آپ کے وجود مسعود کا مخلوق ہونا از خود واضح ہو گیا۔

۴۔ اول الخلق :- اہم یہ بات کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقت تمام مخلوق سے پہلے ہوئی اور باقی ارواح کی تخلیق آپ کے توسل والتصدق سے ہوئی تو اس کی طرف سمجھ کیلئے قرآنی آیات میں واضح طور پر اشارات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے۔ وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین (۴) اور ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کیلئے۔ یہ آیت کریمہ بلا ریب اس بات کی دلیل ہے۔ کہ جان کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا۔ کیونکہ آپ کائنات کے ہر فرد کے لئے رحمت کا سبب ہیں۔ جس طرح الحمد للہ رب العالمین۔ میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عالمین کے ہر فرد کو محیط ہے۔ اسی طرح اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت پاک کا دائرہ بھی بلا استثناء عالمین کے ہر فرد کے لئے ہے ـــــ اور یہ بھی بالکل واضح ہے۔ کہ جس طرح ہر فرد عالم اپنی بقا اور ارتقا کے لئے رحمت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا محتاج ہے۔ اسی طرح اپنی ایجاد میں بھی آپ کی رحمت کا محتاج ہے۔ اور محتاج الیہ کا وجود محتاج سے پہلے ہوا کرتا ہے۔ لہذا نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالمین کے ہر فرد سے پہلے پیدا کیا جا چکا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے اول الخلق ہونے پر مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ کہ آپ فرما دیں۔ انا اول المسلمین (۵) میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔ ایک اور آیت کی رو سے عالم کا ہر ذرہ طوعاً یا کرھاً اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے اس اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک کہ میں پہلا مسلم ہوں۔ تبھی صادق ہو سکتا ہے۔ جب آپ کو خلقت میں بھی تمام عالم پر اولیت اور تقدم حاصل ہو۔

سورۃ الحدید میں ارشاد ربانی ہے۔ ھو الاول والآخر والظاہر والباطن (۶) اول بھی وہی ہے

آخر بھی وہی ہے جو ظاہر بھی وہی ہے۔ باطن بھی وہی ہے۔ حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے مدارج النبوۃ کے خطبے میں لکھا ہے کہ یہ آیت حمد الہی بھی ہے۔ اور نعت مصطفےٰ بھی ہے۔ یعنی جس طرح ذات باری تعالیٰ بحیثیت واجب الوجود سب سے اول ہے اسی طرح حضور علیہ السلام کو اپنی خلقت میں دیگر مخلوق سے اولیت حاصل ہے۔

سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہوا ہے۔ واذ اخذنا من النبین ——— ربن مریم (الاحزاب) اس آیت میں حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے ذکر پر حضور علیہ السلام کے ذکر رفیع کو اولیت اور فوقیت دی گئی ہے۔ حالانکہ عالم اجسام میں آپ کی آمد مذکورہ انبیاء کرام کے بعد ہوئی۔ یہ ترتیب اس طرح اشارہ کرتی ہے۔ کہ اگرچہ جمیع انبیاء کی بعثت آپ سے قبل ہوئی۔ لیکن درحقیقت عالم ارواح میں آپ کا وجود دیگر مخلوق ہو چکا تھا۔

مفسر شہیر حضرت اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ سورۃ النساء کی آیت هو الذی خلقکم من نفس واحدۃ کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح آدم علیہ السلام کے نفس واحدہ سے تمام انسانوں کو پیدا کیا گیا۔ فکذا الارواح خلقت من روح واحد وهو روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم فکان هو ابا الارواح کما کان آدم ابا البشر (۸) اسی طرح تمام ارواح کو بھی ایک روح سے پیدا کیا گیا اور وہ روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس طرح حضرت آدم تمام انسانوں کے باپ ہیں۔ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک بھی تمام ارواح کے لئے مرتبۂ باپ میں ہیں۔

بشارات ولادت: صحف قرآن اس بات کو بھی عیاں کرتے ہیں۔ کہ حضور سید الاولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل چار دانگ عالم میں آپ کی تشریف آوری کے ڈنکے بجائے گئے تھے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ الہی آخر الزمان نبی کو میری ذریت میں پیدا فرما۔ ربنا وابعث فیھم رسولا (۹) اے پروردگار میری اولاد میں اس رسول کو مبعوث فرما۔ دعائے ابراہیمی میں جس رسول کی بعثت کا ذکر ہوا ہے۔ اس سے مراد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ حضرت امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔ اما ان الرسل وھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم فیدل علیہ وجوہ احدھما اجماع المفسرین وھو حجۃ (۱۰) یعنی اس مقام پر رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس پر کئی وجوہ دلالت کرتی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ کہ اس امر پر تمام مفسرین کا اتفاق موجود ہے۔ اور یہ بہت بڑی حجت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر فرمایا میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوں۔ جو میرے بعد تشریف لائیں گے۔ ان کا نام احمد ہے۔

طبری نے عرباض بن ساریہ السلمی سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا ابراہیمی کے بارے میں استفسار کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا سوف انبئکم بتاویل ذالک انا دعوۃ ابراہیم وبشارۃ عیسیٰ قومہ ورؤیا امی (۱۱) یعنی میں ابھی اس کی وضاحت کرتا ہوں۔ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم کو بشارت اور اپنی والدہ کے خواب کا نتیجہ ہوں۔ ——— انبیاء سابقین نے نہ صرف آپ کی آمد کے تذکرے کو اپنی تبلیغ کا مرکزی مضمون بنائے رکھا۔ بلکہ ان پر نازل ہونے والی کتب میں بھی اس عنوان کو جلی حروف سے نقش فرما دیا گیا۔ قرآن حکیم میں ہے،

الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل (۱۲) یہ نبی امی وہ ہیں۔ جنہیں وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے۔ ایک اور مقام پر (۱۳) صحابہ کرام کے اوصاف کے تذکرے کے بعد بیان ہوا ہے۔ کہ ان کے یہ اوصاف تورات اور انجیل میں بھی موجود ہیں۔ جب صحابہ کا تذکرہ زینت تورات و انجیل ہے۔ تو مرکز کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکار کو ان مقدس کتابوں کے اوراق میں کیوں نہ بیان کیا جاتا۔

طہارت حسب و نسب۔ محققین علماء کرام کے نزدیک یہ امر مسلم ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اجداد و آباء کرام کو کفر و شرک اور فعل حرام کی نجاستوں سے پاکیزہ رکھا۔

سورۃ البلد میں ارشاد ہوا ہے۔ ووالد وما ولد۔ (۱۴) یعنی قسم ہے جننے والے کی اور جس نے اس کو جنا ـــــ یہاں والد کا اطلاق حضرت عبداللہ سے لیکر حضرت آدم علیہ السلام تک ان تمام اشخاص پر کیا جاسکتا ہے۔ جن کی صلب میں آپ کا نور مبارک متمکن رہا۔ یہ قسم اجداد مصطفیٰ کی طہارت و پاکیزگی پر بہت بڑی شہادت ہے۔ اور آپ کے حسب و نسب کی عظمت کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

حوالہ قرآن سے اس سلسلے کی دوسری شہادت اس آیت مبارکہ کی ہے۔ الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین (۱۵) وہ اللہ ہے۔ جو آپ کو دیکھتا ہے۔ جب آپ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور سجدہ کرنے والوں میں گردش فرماتے ہیں۔ بقول مفسرین اس آیت میں ساجدین سے مراد آپ کے آباؤ اجداد ہیں (اور تقلب گردش کرنا) سے مراد آپ کا پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ ارحام کی طرف منتقل ہونا ہے۔ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ صاحب جمل۔ حضرت علامہ صاوی۔ رازی۔ علامہ آلوسی۔ عبدالرحمن جوزی۔ امام سیوطی۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی اور پیر کرم شاہ الازہری جیسے عظیم المرتبت مفسرین نے اس مفہوم کی تائید کی ہے۔ فتح القدیر میں قاضی شوکانی نے بھی لکھا ہے۔ یراک فی الموحدین من نبی الی نبی حتی اخرجک فی ھذہ الامۃ (۱۶) یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو توحید پرستوں میں ایک نبی سے دوسرے نبی کی طرف منتقل ہوتا دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ کو اس امت میں مبعوث فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاندانی عظمت پر ایک اور دلیل سورۃ التوبہ کی آخری آیات میں بھی موجود ہے۔ آپ کی آمد کا اعلان فرماتے ہوئے فرمایا لقد جاءکم رسول من انفسکم (۱۷) یقیناً تمہارے پاس تمہیں میں سے عظیم رسول تشریف لائے۔ ایک قراءت کے مطابق۔ انفسکم کی فاء کو فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوا۔ کہ تمہارے پاس نفیس ترین رسول تشریف لے آئے۔ تفسیر روح البیان میں ہے۔ وقری من انفسکم بفتح الفاء ای من اشرفکم افضلکم من النفاسۃ۔ (۱۸) انفسکم کی فاء کو فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی تمہارے

تم میں سے شرف و عزت میں اعلیٰ اور نفاست میں تم سے افضل تشریف لے آئے)

ایمان والدین کریمین = حضور رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا صاحب ایمان ہونے پر علماء امت کا اجماع ہے۔ اوپر کے عنوان میں بیان کی گئی آیات کا بھی یہی مقتضاء ہے۔ خصوصاً حضرت علامہ محمود احمد آلوسی علیہ الرحمۃ کا یہ قول بہت توجہ کے قابل ہے۔ انہوں نے وتقلبک فی الساجدین کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے

واستدل بالآیۃ علی ایمان ابویہ صلی اللہ علیہ وسلم کما ذھب الیہ کثیر من اجلۃ اھل السنۃ ——— وانا اخشی الکفر علی من یقول فیھما علی رغم انف علی القاری واضرابہ (۱۹)

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری = حضور رحمۃ العالمین ﷺ کی عالم ارواح سے عالم اجسام میں منتقلی یا بالفاظ دیگر ولادت باسعادت کو بھی قرآن نے رمز و اشارے کی زبان میں بھی بیان کیا ہے۔ دیگر مخلوق کی پیدائش اور ایجاد کے لئے قرآن میں خلق، بدع اور ولد کے کلمات استعمال ہوئے ہیں۔ مگر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے لئے عام طور پر تین الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔

جاء۔ ارسل۔ بعثت ——— سورۃ توبہ میں فرمایا لقد جاءکم رسول (۲۰) تمہارے پاس عظیم المرتبت رسول آگئے ہیں) ایک جگہ فرمایا قد جاءکم برھان من ربکم۔ (۲۱) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی دلیل آگئی۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا لقد من اللہ علی المومنین ——— (۲۲) یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا۔ کہ ان میں رسول بھیجا جن آیات میں مجیئ کے ساتھ آپ کی آمد کا اعلان ہوا ہے۔ وہاں مفہوم بالکل واضح ہے۔ کہ یہ لفظ تشریف آوری کے مفہوم کو ادا کر رہا ہے۔ جب کہ بعثت کا معنیٰ یہ ہے۔ اس لفظ کے بنیادی معنیٰ ہیں۔ جو چیز آزادانہ نقل و حرکت کی راہ میں حائل ہو، اسے راہ سے ہٹا دینا (۲۳) اس معنیٰ کے اعتبار سے بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مفہوم یہ متعین ہوگا۔ کہ آپ کی تشریف آوری میں نظم کائنات کی جو فطری رکاوٹیں حائل تھیں۔ (متعین) دور کر دی گئیں۔ اور اسباب خلق و ولادت کے جو مراحل درپیش تھے۔ مکمل فرما کر آپ کو دنیا میں

بھیج دیا۔ اور عالم ارواح کی قیود سے نکال کر عالم اجساد میں لا بسایا۔ جن آیات میں
ارسل سے آپ کی ولادت باسعادت مستفاد ہوتی ہے۔ ان کے درست مفہوم کو سمجھنے
کے لئے یہ کلیہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ کہ تمام انبیاء و رسل کو روز ولادت سے بھی
قبل عالم ارواح میں منصب نبوت سے بہرہ ور کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کی
آیت میثاق کے علاوہ کئی اور آیات اس مدعا کی حقانیت کو ثابت کر رہی ہیں۔ مثلاً حضرت
ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری دیتے ہوئے بتایا گیا ہے۔ وبشرناہ باسحق نبیا من الصالحین
(۲۴) اور ہم نے ان کو اسحق کی بشارت دی جو نبی نیکو کاروں سے ہیں۔ حضرت زکریا علیہ
السلام کو بھی بیٹے کی ولادت کی خوشخبری یوں کر دی گئی۔ ان اللہ یبشرک بیحیی نبیا من
الصالحین (۲۵) بیشک اللہ آپ کو یحیی کی خوشخبری دیتا ہے۔ جو نبی نیکو کاروں سے ہوں
گے۔ حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنی ولادت کے دن ہی اعلان فرما دیا تھا۔ اتانی الکتب
وجعلنی نبیا (۲۶) اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔

ان آیات سے یہ بات روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہو گئی۔ کہ انبیاء و رسل
کے ارسال کو اعلان نبوت سے مقید کرنا تعلیم قرآن کے خلاف ہے۔ لہذا جہاں بھی ارسل
کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے جانے کا ذکر ہوا ہے۔ اس سے آپ کی دنیا میں تشریف
آوری یا ولادت باسعادت مراد لینا ہی زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔ ہاں اگر یہی
اصرار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا تذکرہ خلق یا ولد جیسے مروج کلمات
سے ہی ثابت کیا جائے۔ تو اس کی شہادتیں بھی موجود ہیں۔ ولد۔ کے الفاظ سے دیکھیے
اور سورۃ البلد کی آیت ووالد وما ولد پر غور کریں۔ کہ مفسرین کے مطابق وما ولد سے مراد
ذات نبوی ہے۔ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح سورۃ الرحمن
فرمایا گیا۔ الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان (۲۷) = رحمن نے اپنے محبوب کو قرآن
سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا، یہ ترجمہ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی کا ہے۔ جو
مفسرین کے اقوال کے موافق ہے۔ خازن۔ بغوی۔ آلوسی۔ صاوی۔ اور رازی علیہم الرحمۃ۔

نے اس جگہ الانسان سے مراد سید الانس والجن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
والا صفات ہے۔ شوکانی بھی لکھا ہے۔ قال ابن کیسان المراد بالانسان ھھنا محمد
صلی اللہ علیہ وسلم (۲۸) کیسان نے کہا ہے۔ کہ یہاں انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
(وقت ولادت باسعادت) قرآن مجید کی بعض آیات کے صنائع و بدائع پر غور کیا جائے
تو پتہ چلتا ہے۔ کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت کو بھی اس آخری کتاب
میں بیان کر دیا گیا ہے۔ فرمایا والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ (۲۹) سیرۃ الحلبیہ میں ہے۔
وقد اقسم اللہ بلیلۃ مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ۔ (۳۰)
اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر حضور کی شب ولادت کی قسم اٹھائی ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے
ہیں۔ کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے تذکرہ کو مختلف مضامین و
عنوانات کے ساتھ قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ اور میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے
کسی موضوع کو بھی آخری الہامی کتاب میں نظر انداز نہیں کیا گیا۔

(حواشی)

(۱) یونس ۱۶ (۲) البقرہ ۸۱ (۳) الاعراف ۱۷۲
(۴) الانبیاء ۱۸۹ (۵) الانعام ۱۶۳ (۶) الحدید ۳ (۷) الاحزاب ۷ (۸)
محمد اسماعیل حقی روح البیان ج ۳ ص ۲۹۴ (۹) البقرہ ۱۲۹ (۱۰) فخر الدین تفسیر کبیر ص ۳/۳
(۱۱) محمد بن جریر الطبری جامع البیان ص ۳۱۴/۱ (۱۲) الاعراف ۱۵۷ (۱۳) الفتح ۲۹ (۱۴)
البلد ۳ (۱۵) الشعراء ۲۱۸ - ۲۱۹ - (۱۶) محمد بن علی بن محمد الشوکانی فتح القدیر ص ۴/۱۲
(۱۷) التوبہ ۱۲۸ (۱۸) محمد اسماعیل حقی روح البیان ص ۵۴۳/۳ (۱۹) محمود احمد آلوسی روح المعانی بحوالہ
ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ ص ۳۲۱/۳ (۲۰) التوبہ ۱۲۸ (۲۱) النساء ۱۷۴ (۲۲) آل عمران ۱۶۴
(۲۳) مطالب القرآن ص ۲۸۱ (۲۴) ۱۱۲ (۲۵) آل عمران ۳۰ (۲۶) مریم ۳۰ —
(۲۷) الرحمٰن - ۱-۲-۳-۴ - (۲۸) محمد بن علی بن محمد الشوکانی فتح القدیر ص ۱۳۱/۵ (۲۹) الضحیٰ ۱-۲
(۳۰) علامہ علی بن برہان حلبی سیرت حلبیہ ص ۵۸ - ۵ - نور الحبیب ص ۲۷ - ۳۷ جلوہ

ستمبر اکتوبر ۱۹۹۲ء شمارہ ۹-۱۰۔

Dabbas

۶-۲-۰۷-۵

شانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

(اخبار الاخیار)

(۱۲ ربیع الاول شریف)

جب بھی یہ دن آتا ہے۔ اندر کی دنیا میں دور تک روشنی رعنائی۔

دلربائی اور زیبائی کی ایک لمبی سی نورانی لکیر چھوڑ جاتا ہے۔ یہ دن کہ صبح و شام کے تصور سے کہیں آگے وقت کے پیمانوں سے بے نیاز اور زمان و مکان کی حدود سے ماورا ہے۔ یہ دن کہ ازل سے ابد تک نوعِ انسانی کے ہر گوشہ حیات پر محیط ہے۔ یہ دن کہ طلوع نہ ہوتا تو تقویم کے سارے پیمانے جامد ہو جاتے۔ سورج ہمیشہ اپنی کال کوٹھڑی میں مقید رہتا۔ چاند کسی اندھے کنوئیں کی اتھاہ گہرائیوں میں پڑا ہوتا۔ اور ستارے رہگزاروں کی دھول بن کر بگولوں کا رزق ہو جاتے۔ یہ دن کہ جس نے کائنات کو زندگی، زندگی کو ایک منشور کا اعتبار اور منشور کو دائمی صداقتوں کا وقار بخشا۔ یہ دن کہ جس نے آدمی کو انسان اور انسان کو نیابتِ الٰہی کا افتخار بخشا۔ جس نے مشتِ خاک کو عشق و جنون کا جوہرِ تاباں عطا کیا۔ یہ دن کہ جس نے انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلائی۔ یہ دن کہ جس نے اکرام و احترامِ آدمیت کا سلیقہ عطا کیا۔ یہ دن کہ جس نے صرف ایک دہلیز پر سر جھکانے کو انسانیت کی معراج ٹھہرایا یہ دن کہ جس نے ظلم و ستم کی ہر قوت سے ٹکرا جانے کا حوصلہ دیا۔ یہ دن کہ جس نے زندگی اور موت کو نئے معنی و اسلوب بخشے۔ یہ دن کہ جس نے کجکلاہوں کی پگڑیوں سے کھیلنے اور قیصر و کسریٰ کے تخت اچھالنے کا عزم عطا کیا۔ یہ دن کہ جس نے مصنوعی خداؤں کی جھوٹی خدائی پر ضرب کاری لگانے کا بانکپن بخشا اور یہ دن کہ جس نے مال و دولت دنیا کو مٹی کے حقیر ذروں سے بھی فروتر جانا۔ اور جس نے فقر و درویشی کو تاجِ سرداری پہنایا۔

جب بھی یہ دن آتا ہے۔ میرے اندر کی دنیا میں دور تک روشنی رعنائی۔ دلربائی اور زیبائی کی ایک لمبی سی لکیر چھوڑ جاتا ہے۔ اور پھر کچھ ایسا غبار سا اٹھتا ہے۔ کہ ہر لکیر غم و اندوہ کے دھوئیں میں تحلیل ہونے لگتی ہے۔ تب میرا دل چاہتا ہے کہ میں اڑ کر مدینہ پہنچ جاؤں۔ اور روضۂ رسول کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو کر اس ازلی و ابدی نور کو سلام پیش کروں۔ اور عرض کروں اے خاصۂ

خاصان رسلؐ۔ لطف و کرم کی اک نگاہ فرمائیے۔ کہ ہم خستہ جانوں کے شب و روز بہت تلخ ہو گئے ہیں۔ بوسنیا سے چیچنیا۔ کشمیر سے فلسطین اور ملوچ و نجف سے کابل و قندھار تک آپ کے امتیوں کا خون پانی سے زیادہ ارزاں ہو چکا ہے۔ ؟ ——— عرفان صدیقی

(نوائے وقت۔ پیر ۱۲ ربیع الاول ۱۴۴۵ھ ۳ مئی ۲۰۲۳ء لاہور)

(اسوۂ حسنہ : اطاعت کا متقاضی ہے)

ربیع الاول اسلامی کیلنڈر کا تیسرا مہینہ ہے۔ ربیع عربی میں بہار کو کہتے ہیں۔ گویا یہ مہینہ ایسی خزاں نا آشنا بہار کی آمد کا پیغام لیکر آتا ہے۔ جس کے قدموں کی آہٹ نے تخلیق کے ان گنت گلشن آباد کیے۔ ایجاد کیے۔ اس مبارک مہینے میں وہ عظیم ہستی اس کائنات ہست و بود میں رونق افروز ہوئی۔ جس کے وجود نے خالق کے ہونٹوں سے ادا ہونے والے لفظ کن کی معنویت اجاگر کی۔ یہ مہینہ آئین ساز مجلس عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے۔ ایک حدیث قدسی کا مفہوم ہے کہ اے محبوب۔ اگر آپ کے وجود کو ہستی کی خلعت نہ پہنائی جاتی ہوتی۔ تو بزم انفس و آفاق کا دامن زندگی۔ اور تخلیق کے نگینوں سے محروم رہتا۔ سچ کہا تھا۔ گریباں چاک درویش اور گلیم پوش شاعر نے۔ ؎ بزم کونین سجانے کے لئے آپ آئے۔

حضور ختمی مرتبت آیۂ رحمت کی ولادت باسعادت جو بہار پرور۔ گلاب آفرین آفتاب خیز۔ ماہتاب ریز۔ ستارہ بیز۔ عجب انگیز۔ نورانی۔ پاکیزہ اجلی۔ دودھیا۔ محترم محتشم۔ مکرم۔ مجلی۔ مزکی۔ مصفا۔ منزہ۔ مصلی۔ منور۔ معنبر۔ مطہر اور مقدس ساعتوں میں ہوئی۔ یہ سب عشق سرمایۂ کائنات اور حاصل کائنات و موجودات ہیں۔ عقیدے۔ عرفان ایقان اور محسوسات سے سرشار خوش بخت اور خوش عقیدہ ہر صاحب ایمان۔ کا اس امر پر حق الیقین ہے کہ اگر خالق کائنات نے آپ کو اس کائنات کی برات کا دولہا نہ بنانا ہوتا۔ تو یہ کائنات جلال و جمال کی تمام تر دلآویزیاں دلربائیوں۔ دلبریوں رعنائیوں اور رعنائیوں سے یکسر محروم رہتی۔ آپ ہی کے نعلین پا کی گرد سے پھوٹنے اور جھڑنے والے ذروں کے

صدقے رب کائنات نے آبشاروں کو ترنم۔ لالہ زاروں کو تبسم۔ پہاڑوں کو جلال۔ ستاروں کو جمال
پھولوں کو رعنائی۔ بگولوں کو برنائی۔ شفق کو لالی۔ کھیتوں کو ہریالی۔ آندھیوں کو جولانی۔ سمندروں
کو طغیانی۔ قوس قزح کو رنگینی۔ چٹانوں کو سنگینی۔ وادیوں کو خندہ پیدگی۔ چوٹیوں کو
سنجیدگی۔ دھوپ کو وقار۔ چاندنی کو نکھار۔ بیابانوں کو بیکرانی۔ آسمانوں کو درخشانی۔
بادلوں کو للکار۔ بوندوں کو جھنکار۔ بجلیوں کی بے باکی۔ شمشیروں کی براقی۔ کندن ڈلکے
موتی کو جھلک۔ بلبلوں کو زمزمے۔ ریشم کو سرسراہٹ۔ شبنم کو نرماہٹ۔ کلیوں کو مسکراہٹ
کرنوں کو جگمگاہٹ۔ ولولوں کو ساز۔ دھڑکنوں کو گداز۔ حسن کو سادگی۔ اور عشق کو نازکی عطا کی

؎ داستانِ حسن جب پھیلی تو لا محدود تھی۔
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی۔

ربیع الاوّل کی یہ مبارک ساعتیں۔ ہمیں سیرت پر عمل پیرا ہونے کا پیغام دیتی ہیں۔ برقی
قمقموں سے دیواریں روشن کرنے والوں کو۔ آفتابِ فاران کی کرنوں سے اپنے دلوں کی بستیوں کو
اجالنے کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ محبوبِ کائنات کی زندگی کو خالقِ کائنات نے اسوۂ حسنہ سے
تعبیر کیا ہے۔ سیرت کا موضوع محض سماعت کیلئے نہیں۔ بلکہ سراسر اطاعت کے لئے ہے۔ سیرت ایک
ایک ایسا قلزم ذخار ہے۔ جو بے حدود بے کنار ہے۔ اگر آسمان کی ہر کہکشاں۔ کہکشاں کے
ہر ستارے۔ ستاروں کی ہر لو۔ سمندر کی ہر موج۔ دریا کی ہر لہر۔ طوفانوں کے ہر دھارے۔ بادل کی ہر کڑک
بارش کے ہر قطرے۔ جنگل کے ہر درخت۔ درختوں کی ہر ٹہنی۔ ٹہنیوں کے ہر پتے۔ پتوں کے ہر ریشے۔
پھولوں کی ہر پنکھڑی۔ صحرا کے ہر ذرّے۔ اور ہوا کے ہر جھونکے کے منہ میں۔ زبان لگا کر اسے
مدحتِ آقائے کائنات پر مامور کر دیا جائے۔ اور ـــــ وہ صبحِ ازل سے شامِ ابد تک یہ
وظیفہ ادا کرتے رہیں۔ تو بھی آپ کی حیاتِ پاک کے کسی ایک پہلو کا۔ اجمالی سا احاطہ بھی نہ کر پائیں
وہ یہ مقام ہے۔ جہاں ہر کوئی اعلانِ عجز اور اظہارِ بے بسی کرتا ہو کے۔ بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔

؎ لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ ، بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

سچ تو یہ ہے۔ کہ ہم ایسے گنہگاروں نے خدا کی وحدانیت کو محض اس لیے تسلیم کیا ہے۔ کہ اس کی

تقدیس زبان رسالت مآب ﷺ نے کی ہے۔ اگر پیغام توحید آپ کی زبان صداقت ترجمان سے ادا نہ
ہوتا تو کون وحدانیت ربانی کا قائل ہوتا۔ جس خدا کی وحدانیت کا اعلان کر کے آپ نے انسانیت
کو اس کی بندگی کا پیغام دیا۔ وہ خدا اپنی ذات و صفات میں لاشریک ہے۔ میں یہاں برملا یہ
کہوں گا کہ ہمارے خدا کی طرح ہمارا رسول بھی لاشریک ہے۔ شرک فی التوحید کے جرم کی طرح
شرک بالرسالت کا جرم بھی ناقابل معافی ہے۔ یہ محبتوں کے معاملے ہیں۔ یہ ارادتوں کے سلسلے
ہیں۔ یہ عقیدتوں کے مرحلے ہیں۔ یہاں اقبال ایسا لفظ ہائے حجاز و فارس کی اقلیم کا فرمانروا بھی
سخن کا اظہار یوں کرتا ہے۔ ؎ خدا مجھے نفس جبریل دے تو کہوں — عشق کے
~~قرینوں~~ قرینوں میں پہلا قرینہ احترام رسالت مآب ہے۔

جس دل میں یہ احترام نہیں۔ وہ دل نہیں پتھر کی سل ہے۔ بلکہ اس سے بھی
بدتر ہے۔ سیرت کا بیان انتہائی احتیاط کا متقاضی ہے۔ ایک حقیقت شناس عارف نے کہا
تھا۔ باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار — یہ وہ ذکر لذیذ ہے۔ جیسے ہونٹوں پر لانے سے پہلے
عشق و محبت کی سرمستیوں و سرشاریوں میں ڈوبے مجذوب شاعر کو کہنا پڑا ؎

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

گداز کے عنبر میں گندھے اور کیفیتوں کے عطر میں بسے شیخ سعدی کے یہ الفاظ صدیوں
سے گنبد افلاک میں گونج رہے ہیں۔ اور قرنوں گونجتے رہیں گے۔ (بلغ العلیٰ بکمالہٖ)
یہ وہ نازک اور حساس موڑ ہے۔ جہاں گولڑہ شریف کے سید زادے پیر مہر علی شاہ ایسی بلند
پایہ ہستی بھی ششدر و مبہوت رہ جاتی ہے۔ (سبحان اللہ ما اجملک +
کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا — یہ تو خیر بڑی ہستیاں تھیں۔ یہاں تو غالب ایسے رند بادہ نوش
شاعر کو بھی اس امر کا کامل ادراک ہے۔ کہ بارگاہ رسالت مآب میں کہاں تک تحسین پیش
کرنا۔ ہم ایسے بے ہنر بناوٹوں کا لپیٹ کہاں۔ وہ جانتا ہے۔ کہ عشق کی بارگاہ وہاں جس نے بھی
سپاسنامہ تحسین پیش کرنا ہے۔ اپنی آواز کی پلکوں کو جھکا کر آگے ؎

؎ غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم ۔
کہ آں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالمِ ناپائیدار میں ۲۲ ہزار ۳۳۰ دن اور ۶ گھنٹے قیام فرمایا۔ ان میں ایامِ تبلیغ ۸ ہزار ۱۵۶ دن ہیں۔ آپ کی حیاتِ طیبہ از ابتدا تا انتہا اعجاز ہے۔ آپ کا ظہور ظہورِ قدسی ہے۔ وہ ذاتِ ستودہ صفات جو سرتاپا اعجاز ہی اعجاز ہے۔ کون ہے جو یہ دعویٰ کر سکے۔ کہ وہ اس کی صورت شناس ہو۔ یا ذات و صفات کے بیان کی قدرت رکھتا ہے۔ بس ایک خواہش ہے۔ کہ بروزِ حشر شافع روزِ جزا ہم معصیت کاروں کو اپنے دامنِ تلطف و ترحم کی چھاؤں میں کھڑا ہونے کا اذن مرحمت فرما دیں۔

(حافظ شفیق الرحمان)

خوشبودار سانپ:۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔ کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت حج کیلئے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئی۔ جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ راستہ میں انہوں نے ایک نہایت ہی خوبصورت سفید رنگ کا سانپ دیکھا۔ ینفح منہ ریح المسک فقلت لاصحابی) امضوا فلست ببارح حتی انظر الی ما یصیر امر ھذہ الحیۃ فما لبثت ان ماتت فعمدت الی خرقۃ بیضاء فلففتھا فیھا ثم نحیتھا عن الطریق فدفنتھا (ای للاخر جس سے کستوری کی خوشبو آرہی تھی۔ میں نے اپنے رفقاء سے کہا کہ آپ جائیے۔ اور میں اس وقت تک یہاں سے آگے نہیں بڑھوں گا۔ جب تک اس کے انجام کو نہیں دیکھ پاتا۔ وہ سانپ کوئی چیز کھا رہا تھا۔ اس کے کھاتے ہی وہ مر گیا۔ میں نے سانپ کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر راستے کی ایک جانب دفن کر دیا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔ اور ابھی میں ساتھیوں کے پاس بیٹھا ہی تھا۔ کہ مغرب کی طرف سے چار عورتیں آگئیں۔ ان میں سے ایک نے پوچھا۔ تم میں سے عمرو کو کس نے دفن کیا ہے۔ ہم نے دریافت کیا عمرو کون ہے۔ اس نے کہا۔ وہ سانپ ہی تھا۔ میں دفن کر کے آیا ہوں۔ وہ عورت بولی بخدا تو نے دن کو روزہ رکھنے والے۔ رات کو عبادت

کرنے شب و روز نیکی کی تبلیغ کرنے والے کو دفن کر دیا۔ جو تمہارے رسول کی بعثت سے چار سو سال
قبل تعریف سن کر آسمان پر ایمان لایا تھا۔ یہ سن کر ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر حج کعبہ کی
سعادت عظمیٰ حاصل کر کے مدینہ طیبہ واپسی پر حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروق کی خدمت
میں حاضر ہوئے۔ اور خوشبودار سانپ کا قصہ سنایا۔ فقال صدقت سمعت رسول اللہ ﷺ
یقول لقد آمن بی قبل ان ابعث باربع مائۃ سنۃ تو حضرت عمر نے فرمایا تم سچ کہتے
ہو۔ کیونکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرما رہے تھے۔ کہ وہ میرے مبعوث
ہونے سے چار سو سال قبل آسمان پر ایمان لایا تھا۔

سبحان اللہ صدیوں پہلے مصطفےٰ کریم اور میلاد حبیب کی انتظار رہی جب دنیا میں
جلوہ افروز ہوئے۔ تو تشنۂ عشاق کی تمنائیں بر آئیں۔ اور حضور کی محبت کے باعث انسان
تو انسان جنات اور حیوانات کو آپ سے پیار رہا۔ ان میں قدرتی طور پر خوشبو پیدا
کر کے اللہ تعالیٰ نے عظمت محبوب کا سکہ بٹھا دیا۔

نور الحبیب ص ۸۳ ۸۴ جلد ۴ ستمبر اکتوبر ۱۹۹۲ء شمارہ ۹-۱۰

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ ہمیں جینے کا درس دیتی ہے۔ تمام
مسائل کا حل آپ کی اتباع میں ہے۔ آپ کی ولادت کے وقت زمین چمک اٹھی اور
آفاق روشن ہو گئے۔ ظہور قدسی کائنات کا اہم ترین واقعہ ہے۔ (حوالہ تاریخ)
اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا
رحمۃ للعالمین ﷺ کی آمد سے قبل پوری دنیا شرک و بدعت، ضلالت و گمراہی اور معصیت
و نافرمانی کے عمیق گڑھے میں گری ہوئی تھی۔ انسانیت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ خانہ کعبہ میں
۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔ شراب نوشی اور قمار بازی ان کا پسندیدہ و محبوب مشغلہ
تھا۔ حسب و نسب پر تفاخر کیا جاتا۔ انتقام و کینہ بہادری کو وصف و خوبی سمجھا جاتا
تھا۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کو کمتر اور ذلیل سمجھتا سودی لین دین عام تھا۔ معمولی معمولی باتوں

پر لڑائی جھگڑے صدیوں چلتے ان حالات میں جبکہ ہر طرف انسانیت سسکتی ۔ اور دم توڑتی
دکھائی دے رہی تھی ۔ حضور اقدس ص دنیا میں رحمت للعالمین بن کر تشریف لائے ۔ آپ ابر
رحمت بن کر انسانیت پر برسے ۔ اور ان کو کفر و شرک اور گمراہی کے اندھیروں سے نکال
کر توحید و رسالت کی روشنی سے منور کیا ۔ (مولانا حبیب الرحمٰن انقلابی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی پیروی کریں اسی میں ہماری فلاح اور آخرت کی
نجات ہے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہی دراصل قرآن کی تفسیر ہے ۔ قرآن
انسانیت اور اخلاقیات کا پیغام دیتا ہے ۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق ہی
اخلاق عظیم ہے ۔ (قیوم نظامی)

سب سے پہلے جمعے کو خطاب کیا ۔ كعب بن لؤى اول من جمع يوم العروبة
وقيل هو اول من سماها الجمعة فكانت قريش تجتمع اليه في هذا
اليوم فيخطبهم ويذكرهم بمبعث النبي صلى الله عليه وسلم ويعلمهم انه من
ولده ويامرهم باتباعه والايمان به وينشدهم في هذا ابياتا منها قوله
يا ليتني شاهدا فحواء دعوته اذا قريش تبغي الحق خذلانا = یعنی کعب
بن لؤی نے سب سے پہلے یوم جمعہ کو اجتماع کیا ۔ اور اس کا نام جمعہ رکھا ۔ افراد قریش
اس دن کعب کے پاس اکٹھے ہوتے تو وہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے
خطاب کرتے ۔ اور یہ فرماتے ۔ کہ وہ میری اولاد سے مبعوث ہوں گے ۔ نیز حضور
کے ساتھ ایمان لانے اور اتباع کرنے کا حکم کرتے ۔ نیز حاضری بارگاہ کے شوق سے
یہ شعر پڑھتے ۔ جس کا مطلب یہ ہے ۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دعوت حق
دیں ۔ اور قریش حق کی مخالفت میں کوشش کریں ۔ تو آرزو ہے ۔ کہ میں اس
وقت موجود ہوتا ۔ ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اسے ذکر کیا ہے ۔

نور الحبیب ص ۱۵ جلد ۲ ۔ اکتوبر ۱۹۹۰ ۔ شمارہ ۸ ۔ جلد 8

حضور علیہ السلام مختون پیدا ہوئے۔ حضرت عباس رضؓ فرماتے ہیں۔ کہ حضور جب پیدا ہوئے تو آپ مختون تھے۔ اور ناف کٹی ہوئی تھی۔ یہ معلوم کر کے آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کو بڑا تعجب ہوا۔ اور فرمایا کہ میرا اس لخت جگر کی بہت بڑی شان ہوگی۔

ستارے کی حرکت = چنانچہ کعب احبار کہتے ہیں۔ کہ میں نے تورات شریف میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت سے آگاہ کیا تھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو وہ نشانی بتا دی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ وہ ستارہ جو تمہارے نزدیک فلاں نام سے مشہور ہے۔ جب اپنی جگہ سے حرکت کریگا تو وہ وقت محمدؐ کی ولادت کا ہوگا۔ اور یہ بات بنی اسرائیل میں عام تھی۔ کہ علماء ایک دوسرے کو بتاتے تھے۔ اور اپنے آنے والی نسلوں کو اس سے خبردار کرتے تھے۔

السیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان ص ۳۸

مکہ میں یہودی کا اعلان = حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ آپ ان لوگوں سے روایت کرتی ہیں۔ جو ولادت باسعادت کے وقت موجود تھے۔ آپ نے کہا۔ مکہ میں ایک یہودی عالم رہتا سکونت پذیر تھا۔ جب وہ رات آئی۔ جس میں اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول کی ولادت باسعادت ہوئی۔ تو اس یہودی نے قریش کی ایک محفل میں جا کر پوچھا۔ کہ اے قریش کیا آج رات تمہارے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے۔ لوگوں نے اپنی بے خبری کا اظہار کیا۔ اس عالم نے کہا کہ میری بات خوب یاد کر لو۔ اس رات اس آخری امت کا نبی پیدا ہوا ہے۔ اور اے اہل قریش وہ تمہارے قبیلہ میں سے ہوگا۔ اور اس کے کندھے پر ایک جگہ بالوں کا گچھا ہوگا۔ لوگ یہ بات سن کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ہر شخص نے اپنے گھر والوں سے پوچھا۔ انہیں بتایا گیا۔ کہ آج رات عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا ہے۔ اس کو محمد کے بابرکت نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ لوگوں نے یہودی عالم کو آکر بتایا۔ اس نے کہا۔ مجھے لے چلو۔ اور وہ نومولود دکھاؤ۔ چنانچہ وہ اسے لے کر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے۔ انہوں نے حضرت آمنہ رض کو کہا۔ کہ ہمیں اپنا فرزند دکھائیں۔ وہ بچے کو اٹھا کر ان کے پاس لے آئیں۔ انہوں نے اس بچے کی پشت سے کپڑا ہٹایا۔ وہ

یہودی بالوں سے اس گچھے کو دیکھ کر غش کھا کر گر پڑا۔ جیسا اسے ہوش آیا۔ تو لوگوں نے پوچھا تمہیں کیا ہو گیا تھا۔ تو اس نے بے حد حسرت کہا۔ کہ آج بنی اسرائیل سے نبوت ختم ہو گئی اے قبیلہ قریش تم خوشیاں مناؤ۔ اس نومولود مسعود کی برکت سے مشرق و مغرب میں تمہاری عظمت کا ڈنکا بجے گا۔ (السیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان ص ۴۸ جلد ۱)

آپ کی آمد سے کعبہ شریف بول پڑا اور بت گر پڑے۔ ے

ے بت شکن آیا یہ کہہ کر سر کے بل بت گر پڑے۔

جھوم کر کہتا تھا۔ کعبہ الصلوٰۃ والسلام۔

بے شمار معجزات ۔ ولادت مصطفیٰ کائنات کیلئے باعث رحمت ہے۔ آپ نے خدا کی کبریائی اور عظمت کو لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار معجزات پیش کیے۔ چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا۔ سورج کو پلٹایا۔ درخت آپ کے اشارے پر چل کر آتے اور پھر اپنی جگہ واپس چلے جاتے۔ درختوں پتھروں اور مختلف جانوروں نے آپ کا کلمہ پڑھا۔ کھانے پینے کی چیزوں کی کم مقدار آپ کی برکت سے بہت زیادہ ہو جاتی تھی۔ آپ نے علوم و معارف کے دریا بہائے غیب کی خبریں بیان کیں۔ آپ چاہتے تو خدائی کا دعویٰ کر دیتے۔ اور یہ وہ دنیا جو چند کمالات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ اور حضرت عزیر علیہ السلام۔ کو خدا مان چکی تھی۔ جس نے ذہنوں کو بغیر کسی کمال کے خدا مان لیا تھا۔ جو لوگ بلاوجہ اور بے سبب عناصر اور پتھروں کی پرستش کر رہے تھے۔ آپ نے کہا۔ میں تمہاری مثل ایک بشر ہوں۔ جس طرح تم خدا نہیں ہو۔ میں بھی خدا نہیں ہوں۔ مجھ پر صرف اس کی وحی آتی ہے۔ یہ کلام جس کی فصاحت و بلاغت غیب کی خبروں اور عالم گیر ہدایتوں کے اعتبار سے میں نے اس کی نظیر لانے کا چیلنج کیا ہے۔

سرکار دوعالم نے پوری کائنات کو انسانیت اخوت اور مساوات کا درس دیا۔ اس پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔ کیونکہ اس میں ہماری نجات سرخروئی اور سرفرازی ہے۔ ۔۔

۷-۰۷-۲۰۰۶

کتابِ ہدایت ابدی

رمضان المبارک وہ بابرکت مہینہ ہے۔ جو مسلمانوں کے لئے قرآن کا تحفہ لایا۔ اللہ تعالیٰ کو نبی اکرم ؐ کا غارِ حرا میں انسانوں کو گمراہی اور باطل پرستی سے نکالنے کیلئے سر بسجود رہنا۔ اور راتوں کو جاگنا۔ بہت پسند آیا۔ تب اس غار میں قرآن کا نور طلوع ہوا۔ یہ کلام الہیٰ ہے۔ ایک بے عیب اور لاثانی کلام جس کی نصیحت تمام نصیحتوں سے زیادہ اچھی۔ جس کے معنی تمام معانی سے زیادہ بسیط۔ جس کے احکام تمام احکام سے زیادہ لطیف۔ جس کے وعدے تمام وعدوں سے زیادہ محکم۔ اور صادق ہیں۔ جس کی وعید تمام وعیدوں سے زیادہ جان گداز ہے۔ اس کے قصے تمام قصوں سے زیادہ سبق آموز ہیں۔ یہ اول تا آخر حکمت و دانائی اور عدل و انصاف کی تعلیم دیتا ہے۔ بہترین احکام اور قوانین سے عبارت ہے۔ یہی وہ خصوصیات ہیں۔ جو قرآن کی بڑائی اور عظمت کی دلیل ہیں۔ اس کتاب حق کے آجانے سے کسی اور کتاب کی ضرورت یا حاجت باقی نہیں۔ قرآن کریم لوگوں کو اندھیرے سے نور کی طرف لاتا ہے۔ ارشادِ ربّ العزت ہے۔ یہ کتاب جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی۔ تاکہ تم لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آؤ۔ (سورۃ ابراہیم)

قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کو دلوں میں اس طرح قائم کیا۔ کہ اس کا عشر عشیر کوئی دوسری کتاب پیش نہ کر سکی۔ نہ اس کی ادبی خوبیوں کے بارے میں ایک فقرہ بھی تحریر کیا جا سکا۔ ہر چند کفار اس کو غلط ثابت کرنے کی سر توڑ کوشش کرتے رہے مگر کتاب حق جن الفاظ میں اتری تھی۔ اس کے ایک شوشے میں بھی تغیر نہیں ہوا۔ اس کی بے شمار تاریخی شہادتیں موجود ہیں۔ زبانِ الہیٰ ہے۔ کہ اگر تم اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد ؐ) پر نازل فرمائی ہے۔ کچھ شک ہے تو اس طرح کی ایک سورۃ تم بھی بنا لاؤ۔ اور اللہ کے سوا جو تمہارے مددگار ہیں۔ ان کو بھی بلا لو۔ اگر تم سچے ہو۔ (سورۃ البقرہ)

قرآن کریم نہ صرف خود ایک سچی اور پُر حکمت کتاب ہے۔ بلکہ نازل بھی ایک سچے نبی پر ہوئی۔ جس

نے قرآن مجید کی تعلیم سے عربوں جیسی غیر مہذب اور جاہل ترین قوم کی عیب و عادات کی کایا پلٹ دی۔ قرآن انسان کیلئے سرچشمہ ہدایت ہے اور مسلمانوں کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے اور دستورِ کائنات ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ ہم نے قرآن میں ایسی چیزیں نازل کی ہیں۔ جو ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں۔ (سورۃ یونس)

قرآن کریم جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت اور دولت ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ دلوں کو زنگ لگ جاتا ہے جس طرح لوہے کو پانی لگ جانے سے زنگ لگ جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ پھر اسے کس طرح صاف کیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ موت کو زیادہ یاد کیا کرو۔ اور قرآن مجید کو کثرت سے پڑھا کرو۔ (بیہقی)۔

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا۔ قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لئے شفیع بن کر آئے گا۔ (مسلم)

قرآن برہان ہے۔ قرآن مجید وہ صحیفہ ہدایت ہے۔ جس سے نہ صرف تاریخ انسانی کا دھارا موڑا۔ بلکہ اس نے فکر و عمل کے زاویے اور معیار بھی یکسر تبدیل کر دیئے۔ قرآن مجید کی صورت میں الہامی تعلیمات نے نہ صرف حیاتِ انسانی کو متاثر کیا۔ بلکہ اس کائنات کے حیرت انگیز اسرار کی پردہ کشائی کے ساتھ ہر نوع کے افکار و نظریات کے علی الرغم حیات کی ابدی اور سچی حقیقتوں پر مضبوط، موثر اور مستحکم دلائل پیش کیے۔ قرآن مجید روئے زمین پر کائنات اور شاندار دلیل ہے۔ اسی لئے سورۃ النساء میں اسے برہان قرار دیا گیا۔ برہان کے لغوی معنیٰ دلیل قاطع اور حجت کے ہیں۔ دلیل راہنما کو بھی کہتے ہیں۔ اور اس سے مراد وہ نظریہ، عقیدہ، فکر اور اصول بھی ہے۔ جو کسی بھی معاملے میں واضح اور منطقی رہنمائی عطا کرے۔

قرآن مجید کی ہر آیت اور ہر حرف تا قیامت دلیل و حجت ہے۔ اور کامل رہنمائی ہے۔ وہ لوگ جو حق و راستی کے طالب ہیں۔ ان کے قلوب و اذہان ہر نوع کی کجی اور شبہ سے پاک ہوں۔ قرآن حکیم انہیں ہر پہلو دلائل و براہین سے حق کا شعور و آگہی۔ عمل کی توفیق اور استقامت عطا کرتا ہے۔

قرآن حکیم نے اپنے دلائل و براہین پر جن لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دی ان میں اہل عقل و دانش
اہل ایمان اور اہل علم کے ساتھ اللہ کا خوف رکھنے آیات کو سننے اور انہیں سمجھنے کی صلاحیت رکھنے
ان سے نصیحت پکڑنے اور اس نعمت عظمیٰ پر شکر بجا لاتے ہوئے اس کی عطا کردہ راہ ہدایت
پر استقامت دکھانے والے شامل ہیں۔ ——— قرآن مجید کے دلائل و براہین کا اولین
موضوع خود اس کا اپنا وجود ہے۔ اس کی پہلی دلیل پہلی آیت ذلک الکتب لا ریب فیہ ہے یعنی
یہ قرآن مقدس ہر نوع کے شک و شبہ سے بالا ہر آمیزش سے مبرا ہر کجی سے پاک اور
دونوں جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ قرآن نے خود کو ہدایت موعظت شفا
رحمت حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا قرار دیتے ہوئے نہایت قوی دلیل دی کہ میرا بیان
کردہ راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔ لہٰذا اس کی پیروی میں نجات اور اس سے انحراف سراسر
گمراہی ہے۔ قرآن نے اپنے وجود مسعود محمود کے ساتھ اپنے محفوظ ہونے پر بھی دلائل دیئے
کہ یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں۔ اس کا نازل کرنے والا اللہ بزرگ و برتر ہے۔ اور وہی اس
کا محافظ بھی۔ قرآن نے اپنے وجود کی عظمت اور حقانیت پر دلیل دیتے ہوئے تمام جن و انس کو چیلنج
دیا۔ کہ وہ اکٹھے ہو کر اس کے افکار و نظریات تو دور کی بات اس کی ایک سورۃ آیت بالفظ
جیسا کلام بنا کر پیش کر دکھائیں۔ قرآن نے اپنے براہین کا دوسرا موضوع صاحب قرآن ﷺ کو
بنایا۔ اور صاحب قرآن کے اُمّی ہونے کو اپنے رب ہونے پر دلیل بنایا۔ کہ وہ ذات اقدس کا
جو امیوں کے معاشرے سے اٹھی اور الہامی تعلیم و تربیت اور رہنمائی کے سانچے میں اس اخلاق
و کردار سے متصف ہوئی جو خود قرآن کا پرتو۔ اس کی عملی تصویر اور مجسم دلیل قرار پائی۔ اور
یہی وجود اقدس تا بہ ابد انسانیت کے لئے نمونہ عمل اور اسوۂ حسنہ معیار ہدایت ضامن نجات
قرار پایا۔ قرآن نے نہ صرف وجود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل فراہم کیے۔ بلکہ منصب رسالت
اور عظمت رسالت پر دلائل پیش کیے۔ ——— قرآن حکیم نے اپنے دلائل کا تیسرا موضوع
بارگاہ الٰہی سے بارگاہ رسالت میں اپنے لانے والے کو بنایا۔ کہ وہ نہایت محترم، معتبر اور مستند
واسطہ ہے۔ یہ پیغام رساں جبرائیل امین نہایت عظیم المرتبت بارگاہ الٰہی کا نہایت قوی مقرب

زمانِ الٰہی کا پابند اور صاحبِ امانت ہے۔ —— براہینِ قرآنی کا چوتھا اور کلیدی موضوع
وجودِ باری تعالیٰ اور اس کی توحید، عظمت و جلال، اختیار و اقتدار۔ وسعت و قوت کا اعلان
و اظہار ہے۔ اور نہ صرف نزولِ قرآن اور بعثتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ہے۔ بلکہ تخلیقِ کائنات
کی غرض و غایت بھی یہی ہے۔ —— قرآن نے اپنے دلائل سے تخلیقِ کائنات کا یہ مقصد واضح
کیا۔ کہ نہ تو یہ کھیل تماشے کیلئے ہے۔ اور نہ بے مقصد۔ اللہ کی مکمل اور مسلسل اطاعت یعنی بندگی
ہے۔ —— قرآن حکیم اس حقیقت پر بھی برہان ہے۔ کہ یہ کائنات ابدی نہیں فانی ہے۔ بقاء
دوام تو فقط ذاتِ باری تعالیٰ کو ہی ہے۔ اس کائنات کا عظیم انجام آخرت ہے۔ جو بہر صورت
اور بہت جلد برپا ہوگی۔ عدلِ الٰہی کا تقاضا ہے۔ کہ حیاتِ دنیوی میں آزمائش کیلئے بھیجے جانے
والوں کو مہلتِ عمل مکمل امتحان کا اختتام ہو۔ اور فیصلے کا دن برپا کرکے جزا و سزا کے
ذریعے اہلِ کفر اور اہلِ ایمان میں وعدہ کے مطابق فرق و امتیاز کیا جائے۔ قرآنی دلائل کی روشنی میں
دنیا تو دارالعمل۔ متاعِ قلیل۔ اور بے وقعت ہے۔ جبکہ آخرت بہتر دائمی اور دارالجزا ہے۔

براہینِ قرآن کا چھٹا موضوع تسخیرِ کائنات ہے۔ کہ یہ بحر و بر، شمس و قمر، لیل و نہار
سب بندۂ مومن کے لیے۔ اور اس کی میراث ہیں۔ مومن کی ذمہ داری یہ ہے۔ کہ وہ انہیں امانت تصور
کرتے ہوئے۔ آقا و مولا کی مرضی و منشاء کے مطابق استعمال کرے۔ ان میں گم اور غرق ہو کر نہ رہ جائے
۔ ساتواں موضوع جسے قرآن حکیم نے اپنے دلائل و براہین کا مرکز بنایا۔ وہ قوموں کا عروج
و زوال ہے۔ امم سابقہ کے تذکرے۔ انبیاء اور ان کے اصحاب کے قصے۔ قوموں کے انفرادی و
اجتماعی کردار معاشرتی رویے۔ آیاتِ الٰہی کی تکذیب۔ عناد اور مخالفت کے انجام۔ اہلِ کفر
اور اہلِ ایمان کے معرکہ ہائے حق و باطل، ظلم و جبر کی داستانیں۔ صبر و استقلال اور عزیمت
کے واقعات۔ انسانوں پر انسانوں کے خدائی کے جھوٹے دعوے۔ اور ان کے عبرتناک انجام۔ ان سب
کو قرآن نے اس امر پر دلیل بنایا۔ کہ حق و باطل ہمیشہ سے برسرِ پیکار رہے ہیں۔ لیکن غلبہ بالآخر اہلِ حق
کو ہی حاصل ہوا۔ دوسرا یہ کہ اہلِ حق خواہ تھوڑے ہی ہوں۔ مگر صبر و استقامت کریں تو فتح و نصرت
انہیں کا مقدر ہے۔ تیسرا یہ کہ وہ قومیں جو اپنے اجتماعی و انفرادی کردار کی طرف توجہ اور اصلاحِ احوال

کی کوشش سے غفلت برتیں۔ اللہ ان کا ساتھ نہیں دیتا۔ جو تعا ہو کہ جس قوم کے اصحاب اثر و دولت عیش و عشرت میں مبتلا ہوں۔ کبھی سربلند اور معزز نہیں رہ سکتیں۔ ان کا انجام دنیا میں بھی رسوا کن۔ اور عبرت ناک ہوا۔ ان کی زندگیاں تلخ سے تلخ تر اور مصائب شدید سے شدید تر ہوئے اور آخرت کی ابدی اور دائمی عذاب بھی۔ ان کا مقدر ٹھہرا۔ قرآن نے اہل حق کو یہ دعوت دی کہ زمین میں عبرت کی نگاہ لئے چلو پھرو۔ اور دیکھو کہ مفسدین و مکذبین کا انجام کیا ہوا۔

قرآن حکیم نے ان چند بنیادی موضوعات پر بار بار تفصیلی اور مستحکم دلائل دینے کے علاوہ بعض دیگر۔ امور اور حقائق کے بارے میں بھی مدلل رہنمائی کی ہے۔ بلاشبہ قرآن حکیم اس امر پر بھی برہان ہے۔ کہ اللہ کا دین اس کی نعمت بن کر مکمل ہو چکا ہے۔ اس میں نہ کمی کا اختیار ہے۔ نہ اضافہ کی گنجائش ہے۔ دین اسلام ہی اللہ کا پسندیدہ اور اس کی بارگاہ میں مقبول دین ہے اس کے علاوہ کوئی اور نظریہ حیات، فلسفہ تہذیب و تمدن، اصول اخلاق و سیاست نظام معیشت و معاشرت اللہ کے نزدیک غیر مقبول ہیں۔ دلائل قرآن میں ایک اور قوی دلیل معیار تقویٰ و فضیلت کے بارے میں ہے۔ اس کے براہین کی روشنی میں رنگ، قوم زبان وطن دولت و قوت شان و شوکت ہرگز معیار فضیلت نہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں معیار شرف و عزت فقط تقویٰ یعنی خوفِ خدا ہے۔ تقویٰ سب سے بہتر زادِ راہ توشہ حیات اہل دانش کی میراث ہے۔ تقویٰ مسجد کی دیواروں ماتھے کی محرابوں اور تسبیح کے دانوں میں نہیں۔ اس کا مرکز تو دل ہے۔

قرآن اس حقیقت پر بھی برہان ہے۔ کہ اللہ کے طے کردہ ضابطوں کے مطابق کوئی اچھا یا برا عمل خواہ چھوٹا ہو یا بڑا نظر انداز ہرگز نہیں کیا جائے گا۔ اللہ جو انسان کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے۔ انہیں حکم دیتا ہے۔ کہ تمہارا کام تو فقط خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ عمل کرنا ہے۔ قرآن حکیم کی ہر آیت کسی نہ کسی انسانی رویہ کے حسن و قبح پر دلیل اور کسی نہ کسی ابدی اور سچی حقیقت کی غماز ہے۔ یہ سب دلائل و براہین انسان کی ہدایت کا سامان اور قلب و نظر کے اطمینان کا باعث ہے۔ قرآن دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہ انسان کو بیش بہا خوشی بخشتی

ہے۔ کہ وہ حامل قرآن ہے۔ مگر بحیثیت مجموعی اس کی سب سے بڑی بدبختی بھی یہی ہے کہ وہ تارکِ قرآن ہے۔ اس کا عامل ہی نہیں۔ بلکہ اس سے اعراض برتتا ہوئے ہے۔ اسی کا نتیجہ اس کی ذلت و رسوائی بے سکونی اور بے اطمینانی ہے۔ قرآن کے تمام ہمہ پہلو دلائل و براہین ساری انسانیت اور بالخصوص اہل ایمان کو دعوت دے رہے ہیں۔ کہ اگر ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے نہیں تو وہ ان پر غور کریں۔ ان سے نصیحت اور رہنمائی حاصل کر کے انہیں اپنی زندگیوں کا مرکز و محور بنائیں۔

اے اہل ایمان اگر تم مسلمان کی حیثیت آن بان اور شان کے ساتھ زندہ رہنا چاہتے ہو تو قرآن کے بغیر باعزت زندہ رہنے کا تصور ممکن ہی نہیں۔ اور ڈرو میدان حشر کے اس لمحے سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں فریاد کناں ہوں گے۔ کہ اے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ اور تب یہ قرآن بھی ہمارے خلاف حجت بن کر اٹھ کھڑا ہوگا۔ 9

(پروفیسر ڈاکٹر اعجاز فاروق) روزنامہ جنگ لاہور۔ 16 جنوری 2004ء

کتاب مبین رشد و ہدایت کا اہم ذریعہ = قرآن کریم وہ عظیم کتاب ہدایت ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں۔ یہ ہدایت ہے پرہیزگاروں کیلئے۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے عظیم معجزہ اور رشد و ہدایت کا ذریعہ ہے۔ یہ اللہ کی آخری الہامی کتاب اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ فاران کی چوٹیوں سے قرآن مجید کا چشمہ فیض کیا پھوٹا کہ اس سے علوم و فنون کے دریا بہہ نکلے۔ اس کتاب مبین نے جہاں پہلے علوم کو حیات نو بخشی۔ وہاں اس نے بے شمار علوم کی تشکیل کا سامان فراہم کیا۔ سرکار دو عالم نے صحابہ کی ایک جماعت کو قرآن مجید کی کتابت کیلئے مشغول فرما یا تھا۔ حفاظت قرآن مجید کا سب سے اہم ذریعہ حفظ قرآن مجید تھا۔ سرکار دو عالم نے صحابہ کو اسے حفظ کرنے کا شوق دلایا۔ نماز میں قرآن کی تلاوت کو فرض قرار دے دیا گیا۔ اس لئے ہر مسلمان کیلئے قرآن مجید کا کچھ نہ کچھ حصہ حفظ کرنا ضروری ہوگیا۔ قرآن حکیم کتاب ہدایت ہے۔ اس کی تلاوت کا مقصد تعمیر انسانیت اور تشکیل سیرت ہے۔ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے۔ جو مسلمان کیلئے چراغ راہ ہے۔ قرآن مجید سے انسانی

عقل و فکر کو اپنا مخاطب بنایا ہے۔ اور کسی شئے کو ماننے کا مطالبہ کرنے سے پہلے اس شئے میں تدبّر اور غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ قرآن مجید نے طبیعیاتِ الٰہی کے قوانین کے اساتذہ سے حیات کائنات کے پوشیدہ رازوں کو بے نقاب بھی کیا ہے۔ قرآن مجید اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ ہے۔ اور اسی پر دین اسلام کی بنیاد ہے۔ اس میں ہر مشکل کا حل اور ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ یہ دنیا میں کامیابی اور آخرت میں نجات پانے کا وسیلہ ہے۔ قرآن مجید کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے۔ کہ قیامت تک اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لی ہے۔ اس حوالے سے ارشاد ہوا۔ "ہم نے قرآن مجید نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ (سورۃ الحجر) ← سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زبانِ اقدس کے مطابق سب سے افضل عبادت قرآن مجید کی تلاوت ہے۔ زیادہ سے زیادہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے اور اس کے معنی و مطالب میں غور و فکر اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے والے خاص اہل اللہ ہیں۔ ہادیٔ برحق سرکار دو عالم ؐ نے فرمایا۔ تم میں بہتر وہ ہے۔ جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کی طرف سب سے زیادہ توجہ دیتا ہے۔ جس نے قرآن مجید کی تلاوت کی اسے ہر حرف پر اتنا ثواب ملے گا۔ جو دوسرے اعمال کے ثواب سے دس گنا زائد ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔ کہ قرآن مجید کی آیت جنت میں ایک درجہ رکھتی ہے۔ اور وہ دنیا کے گھر کا چراغ ہے۔ جس گھر میں قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے۔ وہ گھر نیکیوں سے لبریز ہوتا ہے۔ سرکار دو عالم ؐ کا فرمان اقدس ہے۔ کہ تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ جب تک ان دونوں کو تم مضبوطی سے پکڑے رہو گے ہرگز گمراہی میں نہ پڑو گے۔ قرآن کریم اور میری سنت کیلئے فرمایا کہ رشک کی اجازت نہیں۔ مگر دو شخصوں پر ایک وہ جو قرآن مجید پڑھتا ہو اور وہ اس کی تلاوت میں رات دن مشغول رہتا ہو۔ دوسرا وہ جسے اللہ نے مال دیا ہو۔ اور وہ مال کو رات دن اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

یہ کتاب مبین رشد و ہدایت کا خزینہ اور انسانیت کے لئے ایک مکمل اسلامی ضابطہ حیات ہے۔ اس میں

ہر دور کے مسائل کا حل ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آج قرآن سے اپنے تعلق اور رشتے کو مضبوط کیا جائے۔ اس کی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔ اس کے پیغام کو عام کیا جائے۔ یہی بخشش اور کامیابی کی راہ اور آخرت میں فلاح کی ضمانت ہے۔

قرآن مجید اللہ کا ایسا گھر ہے۔ جس کے ستون کبھی منہدم نہ ہوں گے۔ یہ خدا کی مضبوط و مستحکم رسی ہے۔ قرآن مجید میں مندرجہ ذیل انبیاء کا ذکر ہے۔ حضرت آدم، حضرت نوح۔ حضرت ادریس۔ حضرت ہود۔ حضرت صالح۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت اسماعیل حضرت اسحاق۔ حضرت یعقوب۔ حضرت لوط۔ حضرت یوسف۔ حضرت سلیمان۔ حضرت شعیب۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت ہارون۔ حضرت یوشع بن نون۔ حضرت داؤد۔ حضرت عزیر۔ حضرت یحییٰ حضرت زکریا۔ حضرت عیسیٰ۔ حضرت محمد مصطفیٰ علیہم السلام۔ قرآن مجید ایمان کی کان اور ایمان کی جان ہے۔ یہ علوم کا سمندر ہے۔ یہ ایمان کی بنیاد ہے۔ یہ ایسا مینارۂ ہدایت ہے جس سے انسان کو راستہ ملتا ہے۔ نیک انسانوں کیلئے یہ روشن ستارہ ہے۔ قرآن مجید اس کے لئے عزت و رفعت ہے۔ جو اسے اپنا والی بنائے۔ قرآن مجید میدان مناظرہ کیلئے بے نظیر دلیل ہے۔ مخالف کیلئے منہ توڑ جواب ہے۔ یہ ایسی لاجواب ہدایت ہے جو قیامت تک انسانیت کی ہدایت و راہنمائی کرتی رہے گی۔ ع

ہے صدر عالم کی خبر قرآن میں۔ غور کر لے خود نگر قرآن میں۔
سر بسر قرآن ہے۔ دار العلوم علم کے کھلتے ہیں در قرآن میں۔
ہے نہاں اقلیم سے سر عرش علی۔ دیکھو انسان کا سفر قرآن میں
ہر جہت سے ہو گئی ہے آئینہ سیرت خیر البشر قرآن میں
جاری و ساری رہے گا حشر تک نطق احمد کا اثر قرآن میں۔
معجزہ ہے دور ہے تحریف سے اک اک زیر و زبر قرآن میں۔

قرآن مجید ذیشان مجید (سید اقبال حیدر کاظمی)

روزنامہ جنگ لاہور سے

9/9/06

قرآن مجید اور رمضان المبارک :- یہ ماہ رمضان المبارک کا مقدس و بابرکت مہینہ ہی تھا کہ
جس کی مقدس ساعتوں میں اللہ کا آخری پیغام ہدایت قرآن مجید آپ کے قلب اطہر پر نازل
کیا گیا۔ حالانکہ رمضان پہلے بھی آتا تھا۔ لیکن نزول قرآن کی برکت سے ماہ رمضان کو جو تقدس حاصل
ہوا۔ وہ عظمت رمضان کو اس سے قبل حاصل نہ تھی۔ چنانچہ خود قرآن کا بیان ہے۔ ماہ رمضان
وہ ہے جس میں قرآن (اول اول) اتارا گیا۔ جو لوگوں کا رہنما ہے۔ اور جس میں ہدایت کی کھلی
نشانیاں ہیں۔ اور جو حق و باطل کو الگ الگ کرنے والا ہے۔ تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں
موجود ہو۔ اسے چاہیے۔ کہ پورے مہینے کے روزے رکھے (سورۃ البقرہ) گویا رمضان اور قرآن کا تعلق
اس قدر گہرا اور پختہ ہو گیا۔ کہ دونوں ایک دوسرے کا جزو لاینفک ہو گئے۔

رمضان نزول قرآن کا مہینہ ہے۔ اس ماہ مقدس کی تمام ساعتیں جو بالیقین برکت و رحمت
اور مغفرت ہیں۔ قرآن مجید کی بنیاد پر ہیں۔ نزول قرآن مجید ماہ رمضان سے بالکل جڑا ہوا ہے۔ کہ
رمضان آتا ہے۔ تو قرآن بھی جا بجا گلی گلی بستی بستی محلے محلے کثرت سے تلاوت کیا جانے
لگتا ہے۔ یہ اتنا عظیم کلام ہے۔ کہ اس کے نزول کی رات کو جس میں یہ نازل کیا گیا اسے بھی
اسے رب العالمین نے عظمتیں اور رفعتیں عطا فرمادیں۔ ارشاد فرمایا، بے شک ہم نے
اس قرآن مجید کو قدر و منزلت والی رات میں نازل کیا۔ اور آپ کو کیا خبر کہ شب قدر کیا ہے
(سنو) شب قدر خیر و برکت میں ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ (سورۃ القدر) غور فرمائیے
کہ یہ کتاب ہے۔ جو اس قدر اہمیت و فضیلت کی حامل ہے۔ کہ اس کے نزول کی برکت سے وہ
رات بھی عظمتوں اور برکتوں والی ہو گئی۔ اس ایک رات کی خیر و برکت اس قدر وسیع ہو گئی کہ جس
قدر ایک ہزار مہینوں کی عبادت و ریاضت کوئی بندہ حاصل کر سکتا ہے، اللہ نے قرآن کی برکت سے
امت مسلمہ کو محض ایک رات کی عبادت کا اجر گویا ایک ہزار مہینوں کی عبادت کے برابر عطا
فرمانے کا اعلان کر دیا۔ اندازہ کریں ہماری زندگی میں۔ یہ رات کتنی بار آتی ہے۔ اور ہم اس کے
فیوض و برکات سے کس قدر فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ یہ قرآن مجید کی برکات کا نتیجہ ہے۔ کہ ہمیں
روزے جیسی عظیم عبادت میسر آئی ہے جس کے متعلق حدیث قدسی ہے۔ کہ اللہ فرماتا ہے۔ روزہ میرے

لیے ہے۔ اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ (بخاری و مسلم) قرآن مجید انسانی فوز و فلاح کا دائمی چارٹر ہے۔ جس میں ایک طرف حقوق اللہ کی پاسداری ہے۔ تو دوسری طرف حقوق العباد کا التزام ہے۔ گویا یہ قرآن ہماری روحانی جسمانی تسکین و شفا کا باعث ہے۔ اس میں پورا نظام حیات عطا کیا گیا ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر انسانیت اپنا کھویا ہوا وقار اور گم شدہ متاع عزیز حاصل کر سکتی ہے۔ قرآن راہ نجات ہے۔ اور ہمارے تمام دکھوں کا مداوا بھی ہے چنانچہ ارشادِ رب العزت ہے۔ اور ہم قرآن کے ذریعے وہ چیز نازل کرتے ہیں۔ جو مومنوں کیلئے شفا اور رحمت ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ وہی تو ہے۔ جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے حضرت محمد ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے۔ اور ان کو پاک کرتے۔ اور اللہ کی کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔ اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے دوسرے مقام پر یوں فرمایا۔ وہ اللہ تعالیٰ بہت برکت والا ہے۔ جس نے قرآن مجید کو اپنے بندے محمد پر نازل فرمایا۔ تاکہ وہ سب لوگوں کیلئے آگاہ کرنے والا ہو جائے۔ اللہ یکتا۔ کی حکومت و سلطنت ہے۔ آسمانوں اور زمین کی اور اس نے کوئی اولاد نہیں بنائی۔ اور نہ کوئی اسکی سلطنت میں شریک ہے۔ اس اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور مناسب انداز سے ٹھہرا رکھا۔ (سورۃ الفرقان)

مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن کا مقصد انسانیت کے عقائد و اعمال اور اخلاق کی تطہیر کر کے رب کے پسندیدہ بندے بنا کر اس کے اصل مقام جنت اور رضائے الٰہی کی شاہراہ مستقیم پر گامزن کرانا ہے۔ تاکہ انسانیت اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر لے جو اس کی شامت اعمال کی بناء پر اس کے ہاتھوں سے جاتا رہا ہے۔ یہ قرآن مجید اتنی عظمتوں اور رفعتوں کا حامل ہے کہ اگر ایمان کے جذبے کے ساتھ محض اس کی تلاوت کی جائے۔ تو وہ بھی مومن کے لئے۔ انتہائی اجر و ثواب کا باعث ہوتی ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ جس نے قرآن مجید کا ایک حرف پڑھا اس کو ایک نیکی ملے گی۔ اور ایک نیکی کا ثواب دس

(حروفِ قرآن) ابرارِ خطابت جلد ۲ ص ۳۰۵

نیکیوں کے برابر ہے۔ ——— (پورے قرآن مجید میں تین لاکھ بائیس ہزار چھ سو ستر)
حروف ہیں۔ تو پورے قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب بتیس لاکھ چھبیس ہزار ساٹھ سو نیکیاں
ملیں گی۔ اندازہ کریں۔ کہ محض تلاوت کرنے پر اس قدر اجر و ثواب ہے۔ تو پھر سمجھ کر
سیکھنے اور اس کے علوم کے حصول اور عمل پر کیا اجر و ثواب ہوگا۔ اس کا احاطہ کرنا
ناممکن ہے۔ ہم اپنے ناقص حساب سے صرف اتنا کہہ سکتے ہیں۔ کہ قرآن سیکھنے سکھانے
اور اس پر عمل کرنے سے اللہ کا قرب حاصل ہو سکتا ہے۔ اور انشاءاللہ تعالیٰ اس کی برکت
سے جنت کے حصول اور جہنم کی ہولناکیوں سے محفوظ رہنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ جو اگر
حاصل ہوگئی تو یقیناً بڑی کامیابی ہے۔ یاد رکھیں دنیا کی مختصر زندگی بہر صورت گزر رہی ہے
لیکن اگر یہ زندگی۔ رب کی رضا کے مطابق گزری تو دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی ہے۔ ورنہ زندگی
اللہ کی بغاوت و نافرمانی اور قرآن کی تکفیر و تکذیب میں گزری تو ایسی زندگی۔ دنیوی لحاظ سے
شاید کامیاب ہو جائے۔ لیکن ابدی زندگی جہنم کی نذر ہو کر خسارے کا باعث ثابت ہوگی۔ اللہ
تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ و مامون رکھے (آمین) قرآن مجید سے تعلق استوار اور مضبوط
تر رکھنا مومن کا شعار ہے۔ یہ نازل ہی اس لئے ہوا ہے۔ کہ ہم اپنا تزکیہ کریں۔ اور اپنے مربی و
آقا اللہ رب العالمین کے پسندیدہ بندے بن جائیں۔

حافظ عبدالرحمان روزنامہ جنگ لاہور ص ۸ ۳۱ اکتوبر ۲۰۰۵ء

رمضان المبارک ایسا بابرکت مہینہ ہے۔ جس میں نزول قرآن ہوا۔ یہ ایک نبی امی کا معجزہ ہے کہ
قرآن مجید آپ پر نازل ہوا۔ اس میں اہل فکر و دانش کے لئے غور و فکر کی دعوت ہے۔ قرآن کا اعجاز
اس کی فصاحت اور اس کا اسلوب ہے۔ ۲۳ سال تک قرآن مجید آنحضرتؐ پر وحی کے ذریعے نازل
ہوتا رہا۔ قرآن کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے۔ کہ وہ اللہ کی طرف سے جس طرح نازل ہوا۔ آج تک اسی طرح
موجود ہے۔ اس میں کوئی تحریف اور تبدیلی نہیں ہوئی۔ جیسا کہ دوسری آسمانی کتابوں۔ تورات
و انجیل میں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا۔
ہم نے اس کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ قرآن مجید ہدایت و حکمت کا سرچشمہ

ہے ۔ رسالت محمدیؐ کی دلیل اور نشانی ہے ۔ اس کی آیات محکم ہیں ۔ قرآن مجید رشد و ہدایت کا آفتاب ہے ۔ ہمیں پریشانیوں سے روکتی ہے ۔ اور نیکی کا حکم کرتی ہے ۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ صحف سماوی آسمانی کتابیں ۔ یعنی توریت و انجیل تغیر و تبدل کے بعد اپنی اصلی زبان اور اپنے الفاظ کھو چکی ہیں ۔ اس کے برخلاف قرآن مجید کا حرف حرف اور لفظ لفظ وحی ہے ۔ اور یہ وہ قرآن ہے ۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہوا ۔ اور ہر قسم کی تحریف و تغیر سے پاک ہے ۔ اس لیے قرآن مجید کا معجزہ یہ بھی ہے ۔ کہ یہ اب تک اپنی اصلی حالت میں موجود ہے ۔ اور اس وصف میں کوئی آسمانی کتاب اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی ۔

صاحب قرآن آنحضرتؐ کا ایک اور امتیازی وصف یہ ہے ۔ کہ حضرات انبیاء ایک خاص وقت کیلئے ایک مخصوص قوم کے لیے ہدایت لیکر مبعوث ہوئے ۔ لیکن آنحضرتؐ کو تمام بنی نوع انسان کیلئے ہادی اور رہبر بنا کر بھیجا گیا ہے ۔ اس طرح قرآن مجید ایک مکمل ضابطہ حیات اور تمام عالم انسانیت کے لیے ۔ ہدایت کا مینارہ ہے ۔ قرآن مجید قانون دستور لغت بھی ہے ۔ اس میں خطابت بھی ہے ۔ قرآن اپنی حیات جاوید کے لیے ۔ کاغذ اور روشنائی کا محتاج نہیں ۔ کیونکہ لاکھوں انسانوں کے سینوں میں برابر لکھا محفوظ ہے ۔ صاحب قرآن کا سب سے بڑا معجزہ یہی ہے ۔ کہ قرآن ان پر نازل ہوا ۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات وقتی اور عارضی تھے ۔ جو امتداد زمانہ کے ساتھ مٹ گئے ۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن مجید تا ابد باقی رہے گا ۔ کفار و مشرکین نے اسلام کی صداقت کو جھٹلانے کیلئے اپنی جان و مال قربان کر دیے ۔ اپنے عزیزوں اور فرزندوں کو نثار کیا ۔ خونریز جنگیں لڑیں ۔ لیکن قرآن کے اس چیلنج کا مقابلہ نہ کر سکے ۔ یہ ہے نزول قرآن ایک دائمی اور ابدی معجزہ

ڈاکٹر سید قمر احمد رضوی روزنامہ جنگ لاہور صفحہ ۸ ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۵ء

۔۵۰۔ (کتاب انقلاب کا پیغام)

قرآن مجید وہ کتاب انقلاب ہے ۔ جس نے ۲۲ سال ۲ ماہ ۲۲ دن کی مختصر مدت میں صدیوں سے بھٹکے ہوئے لوگوں کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کی ۔ یہ وہ لوگ تھے ۔ جو طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا تھے ۔ ان کو ہر قسم کے لالچ خوف و طمع گناہوں کی بیماریوں سے نجات دی

صرف خدا کا خوف اور اس کے رسول کی پیروی کو ان کے دلوں میں بسایا کلام الٰہی نے ایسے مؤثر طریقے سے اسلامی عقائد کو دعوت دی کہ صدیوں سے بگڑے ہوؤں کو اللہ کی طرف بلایا اور دنیا میں کامیاب و کامران بنا دیا قرآن مجید ہر دور میں دلوں کی تسکین اور باعث شفاء ہے۔ لفظ قرآن (ق-ر-ء) کا مصدر ہے۔ جس کے معنی ہیں پڑھنا اور جمع کرنا۔ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب۔ اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا نام اس قدر سچا ہے۔ کہ دشمنان توحید ورسالت اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ کہ واقعی یہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

مسرولم مشہور انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں لکھتا ہے۔ کہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب۔ قرآن حکیم ہے۔ مسلمانوں کے ہر گھر میں یہ کتاب دن میں ایک مرتبہ ضرور پڑھی جاتی ہے۔ لاکھوں حفاظ نے اس کو اپنے سینوں میں محفوظ کیا ہوا ہے۔ کروڑوں انسان اسے اپنی نمازوں میں دن میں پانچ بار پڑھتے ہیں۔ اس کتاب میں یہ عظیم خصوصیت ہے۔ کہ قرآن مجید آسانی سے حفظ ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید کی شان وعظمت بیان کرتے ہوئے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جس نے کتاب اللہ کا ایک لفظ بھی پڑھا۔ اس کے لئے اس کے عوض ایک نیکی ہے۔ اور ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے۔ میں نہیں کہتا (الٓمٓ) ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف۔ لام ایک حرف، میم ایک حرف ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

ایک دوسری جگہ فضیلت بیان فرماتے ہوئے پاکستہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا۔ جس نے قرآن پڑھا۔ اور اس کو یاد کر لیا۔ اس کے حلال کو حلال سمجھا۔ اور حرام کو حرام سمجھا۔ اس کے گھر والوں میں ان دس شخصوں کے بارے میں اللہ اس کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی (ترمذی شریف)

مشہور مفسر قرآن شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے قرآن پاک کے علاوہ قرآن مجید کے پچپن نام بتائے ہیں۔ اس کتاب کو قرآن میں بعد ناموں سے بھی یاد کیا گیا ہے مثلاً صفاتی نام

رہے ہیں۔ الکتاب - الذکر - الفرقان - الشفا - الحق - الھدیٰ - الکلام - برھان الحمید المجید - وغیرہ -

قرآن وہ کتاب انقلاب ہے - جس کے پیغامات ہر دور اور عہد کے مسلمانوں کیلئے اتارے گئے - تاکہ انسان اپنے رب کے فضل سے سیراب ہو - اور اپنی روح کی پیاس کو اس کے مقدس پانی سے بجھائے - ہم دیکھتے ہیں - اور تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے قرآن کو سینے سے لگایا، تو انہوں نے سرفرازی اور عزت حاصل کی - اور جب بھی اس کے پیغامات کو چھوڑ دیا - تو رسوائی و ذلالت ان کا مقدر بن گئی -

یہ کتاب جگہ جگہ آثار ارض و سما کو عقل سے جانچنے اور پرکھنے کی دعوت دیتی ہے اور ہر کائنات جس خالق کی صناعی ہے - اس کی اعلیٰ درجہ کی کاریگری سے آشنائی کرتے ہوئے اس کو سمجھنے کا راستہ بتاتی ہے - آپ نے فرمایا: آدمی کا دارومدار اس کی عقل پر ہے - اور جس کی عقل نہیں - اس کا دین بھی نہیں - (سیرت المختار)

محمد ارشد تبسم القادری جنگ لاہور ۱۰ جنوری ۲۰۰۳ء ص ۵

جمعۃ المبارک 6 ذلقعد 1423

خلیل اللہ جس کیلئے حق سے دعائیں کیں - ذبیح اللہ نے وقت ذبح جس کی التجائیں کی -

Mabbas

۱۴ - ۷ - ۲۰۰۶

بروز جمعۃ المبارک (جمادی الاخری) ۱۴۲۷ھ

Moulana Qari Muhammad Abbas Nizami Distt. Teh. Pakpattan

(نور الحبیب مصنفہ بصیرپوری)

محمد مصطفیٰ محشر میں طٰہٰ بن کے نکلیں گے - اٹھا کر میم کا پردہ تجلی بن کے نکلیں گے -

وہ ایسے ہیں - کہ جن کے دیکھنے کو حضرت یوسف بشکل پیر کنعان زلیخا بن کے نکلیں گے -

انسان کی ابتداء سے اب تک ...... اگر کسی انسان کی بے انتہا مدح و ستائش ہو سکتی ہے۔ تو وہ سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ نعت گوئی شاعری کی ایک عظیم صنف ہے جو شاعر کو ہی نصیب ہو سکتی ہے۔ لیکن ہر مسلمان ہی اپنی سوچ اور فکر کے مطابق آپ کی تعریف کرتا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ ---- آپ کی تعریف میں نعت گو ہے۔ اقبال فرماتے ہیں۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ۔

یہ جاننا کم از کم کسی انسان کے بس میں نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عظمت کی کس حد پر ہیں یہ بات صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ایک مسلمان یا ایک مومن ہی نہیں۔ بلکہ ہر وہ انسان جو اچھائی کو پالیتا ہے۔ یا اچھائی کا ذرہ برابر بھی ایمان رکھتا ہے۔ تو وہ یقیناً اس بات پر سورج کی روشنی سے کہیں زیادہ یقین رکھتا ہے۔ کہ آپ کی شان میں گستاخی کائنات کا سب سے بڑا اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔ تاریخ شاہد ہے۔ کہ آپ کا کردار اتنا عظیم ہے کہ آپ کی مثل ملنا ناممکن ہے۔ آپ انبیاء کے سردار ہیں۔ لیکن آپ نے بارہا مقام پر اپنے سے پہلے انبیاء کی تعریف فرمائی۔ آپ نے حضرت موسیٰ کی اور حضرت ہارون کی تعریف فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریمؑ سے محبت کا اظہار کیا۔ الغرض کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار سورج کی روشنی سے زیادہ روشن گلاب کی مہک سے کہیں زیادہ معطر اور کسی بھی چیز کے تقدس سے کہیں بڑھ کر پاکیزہ ہے۔ اگر آپ کی [illegible] حاصل نہیں۔ تو پھر انسان کی عظمت اور تقدس کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ آپ دنیا کے محسنِ عظیم ہیں آپ علیہ السلام ہی نے دنیا کو مہذب کیا۔ بلکہ آپ نے تو دنیا میں تہذیب کا اہتمام اس کے حقیقی معنوں میں کیا۔ اگر دنیا کی تہذیبوں پر آپ ﷺ کے احسانات کا شمار کیا جائے۔ تو کتابوں کے صفحات کم پڑ جائیں۔ اور انسانوں کا فکر تخیل آپ کی عظمت کا احاطہ

عظمتِ رسول ﷺ

نہ کر پائے ۔ کوئی تو ہو۔ جو جانے اس حقیقت کو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی حقوق اور عظمت کے سب سے بڑے علمبردار ہیں ۔ عمل و فکر کی ہر کاوش بلاشبہ آپ کی خاکِ پا سے پھوٹتی ہے .

ان تمام حقیقتوں کے باوجود افسوس کا مقام ہے کہ آج کے اس دور میں جبکہ انسان کی عظمت کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے وہیں تہذیب کے علمبردار انسان کی تاریخ کے سب سے عظیم انسان کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں ۔ درحقیقت تہذیب بذاتِ خود پکار رہی ہے اور اپنے ہی علمبرداروں کے حال پر ماتم زدہ ہے۔ کہ دنیا کے سب سے عظیم انسان کی شان میں گستاخی ـــــ ان سوالات کا جوابات آج کے انسان اور خاص طور پر بین الاقوامی میڈیا کیلئے سوالیہ نشان ہی نہیں قابلِ شرم بھی ہیں ـــــ مسلمان قوم کی چودہ سو سال پرانی تاریخ میں ایک بھی واقعہ ایسا نہیں کہ کسی مسلمان نے نعوذباللہ حضرت یسوع مسیح ۔ حضرت موسیٰ، حضرت ہارون ۔ حضرت داؤد حضرت سلیمان یا کسی اور نبی کی شان میں رائی کے دانے کے برابر بھی گستاخی کی ہو۔ خاکوں کے واقعے نے ایک بار پھر سے اسلام کی عظمت اور رواداری اور محبت کا تقاضا پھر ۔ سے زندہ کر دیا ہے۔ اسلام کی بالادستی ہی فلاح اور عافیت ہے ۔

افسوس کا مقام ہے کہ آج کا مسلمان ہی سو گیا ہے ۔ اور تو اور وہ خود کو بھی بھول گیا ہے بس سیاسی جلسے جلوس اور اپنے ہی گھر کو آگ لگانا کوئی احتجاج ہے۔ اور نہ ہی مسئلہ کا راستہ ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہوں ۔ اور عالمی طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کسی بھی قسم کی گستاخی ناقابل معافی جرم قرار دی جائے ۔ عالمی طور پر یہ قانون اقوام متحدہ میں رائج ہو۔ جس ملک کا کوئی بھی فرد اس جرم کا مرتکب ہو اس کا ہر طرح کا بائیکاٹ کیا جائے ۔ ے

ع آبروئے مصطفیٰ پر جان بھی قربان ہے۔ جان تو کم ہے یہ ایمان بھی قربان ہے .

آبروئے مصطفیٰ سے آبروئے دین ہے ۔ اس گلِ تر کی بدولت سب چمن کی رنگینی ہے .

آبروئے مصطفیٰ ۲۱ قرآن کی تنویر ہے۔ علم کی تفسیر ہے۔ وجدان کی تطہیر ہے۔

آبروئے مصطفیٰ اکمل جمال حسن ہے۔ انتہائے نور و نکہت ہے کمال حسن ہے۔

آبروئے مصطفیٰ پر جو فدا ہو جائے گا۔ وہ حقیقت میں حقیقت آشنا ہو جائیگا۔

روزنامہ جنگ لاہور۔ ۲۴ مارچ ۲۰۰۶ء (ثانی بابا) صہ

قرآن اور صاحبِ قرآن = آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ قرآن پاک اور احکامِ الٰہی کی عملی تفسیر بھی ہیں۔ اس لیے رمضان المبارک میں ان کا ہر عمل مسلمانوں کے لیے عملی نمونہ ہوتا۔ زیادہ وقت مسجدِ نبوی میں تشریف رکھتے۔ صحابہ کرام چاند کے گرد ستاروں کی طرح جمع رہتے۔ سوال و جواب ہوتے۔ اور وہ پوری توجہ سے ایک ایک لفظ سنتے۔ اور اسے ذہن نشین کر لیتے۔ روزے کے فوائد کے بارے میں پوچھے سوال کرتے۔ انہیں بتایا جاتا۔ کہ جس شخص نے ایمانی کیفیت کے ساتھ اور اجرِ آخرت کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ جو پہلے ہو چکے ہیں۔ جس نے رمضان کی راتوں میں ایمانی کیفیت اور اجرِ آخرت کی نیت سے نمازِ تراویح پڑھی۔ تو اس کے ان گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا جو پہلے ہو چکے ہیں۔ ——— یہ باتیں سننے کے بعد صحابہ کرام کی عبادت میں خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کے دوران طوفان بھی گزر جاتا تو انہیں اس کی خبر نہ ہوتی۔ جب آنحضور نے یہ فرمایا کہ روزہ اور قرآن پاک مومن کیلئے سفارش کریں گے۔ تو صحابہ کرام سارا سارا دن تلاوت کلام پاک میں مشغول رہتے۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں رمضان المبارک کے دوران ہر شخص خوش نظر آتا۔ ہر ایک کا رُخ مسجد نبوی کی طرف ہوتا۔ کسی کے منہ سے فالتو بات نہ نکلتی آتے جاتے بڑی تعظیم کے ساتھ ایک دوسرے کو سلام کرتے اور معانقہ کرتے۔ ایک دوسرے سے گلے شکوے دور کرتے۔ افطاری کے وقت مسجد نبوی میں رش ہوتا جو باہر ہوتے وہ بھی مل جل کر اپنے بھائی کو افطاری کراتے۔ اور سحری کے وقت ایک دوسرے کو جگاتے ایسا محسوس ہوتا کہ پورا مدینہ ہی جاگ رہا ہے۔ برکات کی بارش ہوتی۔ روایات میں آتا ہے۔ کہ رمضان المبارک کے دوران مدینہ پاک میں رونق بڑھ جاتی۔ اور ہر مسلم بھی اعمالِ بد سے ہاتھ کھینچ لیتے۔ اور اس کی

بار بار مسلمانوں کے ذہن نشین کرائی جاتی اور بتایا جاتا۔ کہ روزہ رکھوانے سے اللہ تعالیٰ کا مقصد انسان کو نیک بنانا اور اس کے ہر عمل کو قانونِ الٰہی کے تابع کرنا ہے اگر وہ نیک ہی نہ بنا۔ اور سچائی پر اس نے اپنی زندگی کی عمارت نہیں اٹھائی۔ رمضان میں بھی باطل اور ناحق بات کہتا اور کرتا رہا۔ اور رمضان سے بعد بھی اس کی زندگی میں سچائی دکھائی نہیں تو ایسے شخص کو سوچنا چاہیئے کہ وہ آخر کیوں صبح سے شام تک کھانے پینے سے رکا رہا۔ رمضان المبارک کے دوران آج کل کی طرح کہیں بھی مہنگائی نہیں ہوتی تھی۔ اشیاء کی ذخیرہ اندوزی نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ کھانے پینے کی اشیاء وافر مقدار میں منڈیوں میں لائی جاتی تھیں۔ اور قیمتیں پہلے سے کم ہو جاتی تھیں۔ کیونکہ ہر شخص سچا صاف ستھرا اور کھرا انسان بننا اور اپنے خالق اور رسول اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کسی کی مجال نہیں تھی۔ کہ وہ کسی کے لیے تکلیف کا باعث بنتا۔

رمضان المبارک سے پہلے ہی صحابہ کرام اپنے معمولات دوسرے دنوں کے مقابلے میں یکسر تبدیل کر لیتے۔ زیادہ وقت تلاوت قرآن پاک، نماز اور دینی مسئلے میں گزارتے اٹھتے بیٹھتے خالی اوقات میں ذکر و اذکار میں مصروف رہتے۔ جب بھی بات کرتے نیکی کی بات کرتے۔ ان کی خاموشی فکر و تدبر میں تبدیل ہوتی۔ اپنے رب سے دعائیں کرتے۔ توبہ استغفار کرتے گناہوں کی معافی مانگتے گریہ زاری کرتے۔ اور مغفرت طلب کرتے۔ ہر شخص کو بارگاہ رب العزت سے حاضری کا قرینہ آجاتا۔

(اسمیٰ قاضی پوریزئی) روزنامہ خبریں۔ ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۵ سنڈے میگزین ص ۴

حکمتِ مصائب = اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی نہ پیشن گوہ ہے۔ اور نہ ہی ماتم زار بلکہ امتحان ہے۔ یہ ابتلاء کبھی نعمت سے ہوتا ہے۔ تو کبھی مصیبت سے۔ نعمت نمائندہ ہے جو نفع، عزت، صحت، اولاد، دولت، حکومت، فتح اور زندگی وغیرہ۔ اور مصیبت ترجمان ہے۔ عمنی نقصان، ہلاکت، ذلت، بیماری، اولاد نہ ہونا، غربت، شکست، طوفان اور زلزلہ وغیرہ۔

اس امتحان و ابتلاء میں سے ہر ایک شخص اور قوم کو گزرنا ہوتا ہے۔ انبیاء جو خدا کے پیارے

اور محبوب ہوتے ہیں۔ انہیں بھی اس آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حال
میں پیدا ہوتے ہیں کہ باپ کا سایہ سر پر نہ تھا۔ لڑکپن میں مکہ والوں کی بھیڑ بکریاں چرائیں
نبوت کا زمانہ تو نہایت مشقت و ابتلاء کا دور تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کو چند باتوں
میں آزمایا گیا۔ (۲-۱۲۴) آگ میں ڈالا گیا۔ وطن سے نکالا گیا۔ بیوی اور بچے کو جنگل
میں چھوڑنے کا حکم ملا۔ اور اپنے پیارے بیٹے کو ذبح کرنے کا اشارہ۔ (۳۷-۱۰۲) حضرت یوسف
کنوئیں میں ڈالے جاتے ہیں۔ پھر بیچ دیئے جاتے ہیں۔ اور بعد میں نو دس سال تک جیل
میں رہتے ہیں۔ (سورۃ یوسف) ——— نعمت و مصیبت میں صحیح رویہ یہ ہے
کہ نعمت پر شکر ادا کیا جائے۔ اور مصیبت پر صبر۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مومنین کے
ہر معاملہ میں کہ اللہ جو فیصلہ کرتا ہے۔ ان کے لئے اس میں خیر ہی ہوتی ہے۔ اگر مصیبت آئے تو
وہ صبر کرتے ہیں۔ تو ان کو ثواب ملتا ہے۔ اور اگر ان کو خوشی ملے تو شکر کرتے ہیں۔ تو بھی ان
کے لئے خیر ہوتی ہے۔ اور یہ صرف مومنین کے لئے ہے۔ (بخاری و مسلم)

مومن نعمت پاکر آپے سے باہر نہیں ہوتا۔ اور مصیبت کو بھی وہ بڑے حوصلے سے برداشت
کرتا ہے کہ دکھ آیا۔ ہلاکت و بربادی ہوگئی۔ اور زبان پر ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ———
بے شک ہم اللہ کے ہیں۔ اور ہمیں اسی کے پاس جانا ہے۔ ان الفاظ میں جادو ہے۔ یہ انسان کو
سمجھاتے اور تسلی دیتے ہیں کہ دنیا فانی ہے۔ صرف باپ یا بیٹا مگر اور وہ [illegible] نہ گیا۔ ہم
سب نے ادھر ہی جانا ہے۔ اور وہاں جاکر اللہ تعالیٰ ان تمام نقصانات کی تلافی فرما دیں گے
اور اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ اس دعا کے علاوہ ہم اپنی زبان میں بھی فوری رد عمل یوں ظاہر کرتے
ہیں۔ (ھذا مکتوب) قسمت میں ایسا ہی لکھا ہے۔ مولا کی مرضی ہم سب اس کے آگے ہر راضی ہیں۔ ان
الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ ہی غم غلط دکھ دور اور اپنوں کی جدائی پر صبر کا حوصلہ ملتا ہے۔

یہ خیال رہے کہ عقیدہ تقدیر انسان کو بے عمل نہیں بنا دیتا۔ بلکہ اس کو غم و نقصان کو
کو حوصلے سے برداشت کرنے کی قوت دیتا ہے۔ اور آئندہ کیلئے اسی سعی و جہد پر ابھارتا ہے
اس کا ایمان ہوتا ہے کہ اس کا رب بھی قادر ہے۔ اور رحمان و رحیم بھی جو ماں سے ستر گنا زیادہ
(ماں سے ستر گنا زیادہ پیار)

رحیم ہے۔ اس کی رحمت تو خیر ہے ہی رحمت لیکن زحمت میں بھی خیر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اگرچہ تمہیں ناپسند ہوں۔ تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔ (۴ - ۱۹) جیسے حضرت یوسفؑ کی مثال کہ کنویں میں جانا۔ مصر جانے کا سبب بنا۔ مصر کے بازار میں بکنا۔ عزیز مصر کے گھر پہنچنے کا سبب تھا۔ اور وہاں سے جیل میں ڈالا۔ مصر کی حکومت ملنے کا وسیلہ۔

یہ صرف ایک مثال نہیں۔ بلکہ ہر آدمی کی زندگی میں کئی ایسے لمحات آتے ہیں۔ جنہیں وہ شر سمجھتا ہے۔ لیکن بعد میں۔ وہ بڑی خیر کا باعث ہوتے ہیں۔ مصیبت کے چند خیر کے پہلو یہ ہیں۔

(۱) توجہ و رجوع الی اللہ۔ مصیبت نہ آئے تو ہر انسان فرعون بن جائے۔ فرعون ایک غوطہ کھاتے ہی مسلم بن گیا۔ (۱۰ - ۹۰) وہ تو وقت ضائع کر بیٹھا تھا۔ لیکن عام آدمی کے پاس ابھی وقت ہوتا ہے۔ اور وہ مشکلات و مصائب کے بعد اللہ کی طرف رجوع کر سکتا ہے اور توبہ بھی ہمیشہ سے دل نرم ہوتا ہے۔ اسباب سے نظر اٹھتی ہے۔ اور مسبب الاسباب کے حضور ہاتھ اٹھ جاتے ہیں۔ (۶ : ۴۲) اس طرح اپنے رب سے دوبارہ رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ اگر مصیبت کا اور کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ تو یہی فائدہ ہی بڑا نفع آور تھا (۷ : ۱۶۸)

(۲) گناہ کا کفارہ = مصائب مومن کی غلطیوں اور گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمان کو جو رنج اور درد اور فکر اور غم اور تکلیف اور پریشانی بھی آتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک کانٹا بھی اگر اس کو لگتا ہے۔ تو اللہ اس کی کسی نہ کسی خطا کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۳) امتحان = مصائب و ابتلا سے آدمی کو پرکھا جاتا ہے۔ کھرا ہے یا کھوٹا۔ سچا ہے یا جھوٹا۔ وفادار ہے یا بے وفا۔ مطیع ہے یا نافرمان۔ پھر تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائیگا۔ حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے۔ جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے۔ ان پر سختیاں گزریں۔ مصیبتیں آئیں۔ ہلا مارے گئے۔ حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے۔ کہ اللہ کی مدد کب آئیگی۔ اس وقت ان کو تسلی دی گئی

کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔ (۲ : ۲۱۴) اور (۲ : ۱۵۵ ـ ۱۵۷)

(۴) (تربیت) تربیت کیلئے مصائب کی بھٹی سے گزارا جاتا ہے۔ اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر فاقہ کشی جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ انہیں خوشخبری دے دو۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہونگی۔ اس کی رحمت اُن پر سایہ کریگی۔ اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔

(۲ = ۱۵۵ ـ ۱۵۷) تربیت کیلئے انسان کو مصائب کی بھٹی سے گزارا جاتا ہے۔ خوف و خطر میں مبتلا کر کے جان و مال کا نقصان دے کر مصائب اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے اللہ طالب صادق کے عزم صمیم کا امتحان کرتے ہیں۔

(۵) ترقی درجات۔ وہ مصائب جو اللہ کی راہ میں اس کا کلمہ بلند کرنے کے لئے کوئی مومن برداشت کرتا ہے۔ تو محض کوتاہیوں کا کفارہ ہی نہیں ہوتے بلکہ اللہ کے ہاں ترقی درجات کا ذریعہ بھی بنتے ہیں یاد کرو۔ کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا۔ اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا۔ تو اس نے کہا۔ میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا۔ اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے۔ اس نے جواب دیا۔ میرا وعدہ ظالموں کے متعلق نہیں ہے۔ (۲ = ۱۲۴)

(۶) گناہوں کی سزا = جرائم اور گناہ کی اصل سزا تو آخرت میں ملے گی۔ لیکن بعض دفعہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو اس دنیا میں اسی سزا کا کچھ مزہ چکھاتے ہیں۔ اے انسان تجھے جو بھلائی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کی عنایت سے ہوتی ہے۔ اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے۔ وہ تیرے اپنے کسب و عمل کی بدولت ہے۔ (۴ = ۷۹) اور (۳۹ ۵۱) (۴۲ = ۳۰)

(7) تنبیہات و سرزنش = اس بڑے عذاب سے پہلے ہم اسی دنیا میں کسی نہ کسی چھوٹے عذاب کا مزا انہیں چکھاتے رہیں گے۔ شاید کہ یہ (اپنی باغیانہ روش سے باز آ جائیں (۳۲ : ۲۱) مولانا مودودی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔ عذاب اکبر سے مراد آخرت کا عذاب ہے جو کفر و

فسق کی پاداش میں دیا جائیگا۔ اس کے مقابلے میں۔ عذاب ادنیٰ - کا لفظ استعمال کیا گیا
ہے۔ جس سے مراد وہ تکلیفیں ہیں۔ جو اسی دنیا میں انسان کو پہنچتی ہیں۔ مثلاً افراد کی زندگی
میں - سخت بیماریاں۔ اپنے عزیز ترین لوگوں کی موت۔ المناک حادثے۔ نقصانات۔ ناکامیاں
وغیرہ۔ اور اجتماعی زندگی میں۔ طوفان زلزلے۔ سیلاب۔ وبائیں۔ قحط۔ فسادات۔ لڑائیاں۔
اور دوسری بہت سی بلائیں۔ جو ہزاروں لاکھوں کروڑوں انسانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ ان
آفات کے نازل کرنے کی مصلحت یہ بیان کی گئی ہے کہ عذاب اکبر میں مبتلا ہونے سے پہلے
ہی لوگ ہوش میں آ جائیں۔ اور اس طرز فکر و عمل کو چھوڑ دیں۔ جس کی پاداش میں آخر کار انہیں
وہ بڑا عذاب بھگتنا پڑے گا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ ان تنبیہات کی۔ بعض لوگ غلط تاویلات کر کے ان کے اسباق کو
ضائع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو لوگ جہالت میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے نہ پہلے کبھی ان
واقعات سے سبق لیا۔ نہ آئندہ کبھی لیں گے۔ وہ دنیا میں رونما ہونے والے حوادث کے معنی ہی
نہیں سمجھتے۔ اس لئے ان کی ہر وہ تاویل کرتے ہیں۔ جو حقیقت کے سمجھنے سے ان کو اور زیادہ دور
لے جانے والی ہو۔ اور کسی ایسی تاویل کی طرف ان کا ذہن کبھی مائل نہیں ہوتا۔ جس سے اپنی دہریت
یا اپنے شرک کی غلطی ان پر واضح ہو جائے۔ (تفہیم ۵ صفحہ ۱۸۴)

یہی بات جو ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔ منافق جب بیمار
پڑتا ہے۔ اور پھر اچھا ہو جاتا ہے۔ تو اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہوتی ہے۔ جسے اس کے
مالکوں نے باندھا تو اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ کہ کیوں باندھا ہے۔ اور جب کھول دیا۔ تو وہ کچھ
نہ سمجھا۔ کیوں کھول دیا۔ (ابو داؤد)

الحمدللہ ہم نے 8 اکتوبر کے زلزلے کو تنبیہ ہی کے طور پر لیا ہے۔ پوری قوم اللہ کے
حضور دعا کیلئے نکل آئی ہے۔ جہاں وہ اپنے گناہوں کی مغفرت کی خواستگار ہی تھی۔ وہاں زلزلے کے
متاثرین کیلئے اپنے رب کے حضور دعا کر رہی تھی۔ بے شک یہ زلزلہ۔ پاکستان کی تاریخ کا عظیم
سانحہ تھا۔ ہمارے لئے تو قیامت سے پہلے ایک قیامت صغریٰ تھی۔ اس کا سب سے بڑا سبق یہ ہے۔

کہ ہم نے اپنے آپ کو پالیا۔ ہم سب کا درد ایک ہے۔ غم ایک ہے۔ نفع و نقصان بھی ایک سا ہے
ہم سب ایک اللہ کے بندے۔ اور ایک رسول کی امت ہیں۔ لیکن یہ اسی صورت میں مفید ہوگا
جب ہم اس کو تسلسل دے سکیں۔ ورنہ پہلے کے بے شمار اس طرح کے لمحات کی طرح یہ بھی
گزر جائیگا۔ اور ہم ویسے کے ویسے ہی رہ جائیں گے۔ ہمیں اس گھڑی سے پورا پورا فائدہ
اٹھانا چاہیے۔ اور وہ ہے توبۃ النصوحا (۴۹-۸)
خدا کرے یہ حادثہ ہمارے لئے حرکت محبت۔ اخوت بھائی چارہ مساوات ہمدردی ایثار امانت
و دیانت صداقت محنت اور بندگی رب کا ذریعہ بن جائے۔ اور وفائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ۔
آمین یا رب العالمین ہو۔

ملک محمد طاہر روزنامہ جنگ لاہور ۳۱ اکتوبر ۲۰۰۵ ص ۹

(مسجد نبوی)

مسجد نبوی میں پانچ لاکھ 35 ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔ مسجد کی کار پارکنگ
میں 4 ہزار 4 سو 44 گاڑیاں کھڑی کرنے کی گنجائش ہے۔ چھت کیلئے عام سیڑھیوں
کی تعداد 18 ہے۔ اور الیکٹرک سیڑھیوں کی تعداد 6 ہے۔ ہر یونٹ چار سیڑھیوں
پر مشتمل ہے۔ چھت کے ستون 550 ہیں۔ میناروں کی کل تعداد دس ہے۔
دروازوں کی کل تعداد 85 ہے۔ ہر دروازہ کی چوڑائی تین میٹر ہے۔ اور بلندی چھ
میٹر ہے۔ متحرک گنبدوں کی تعداد 27 ہے۔ نگران کیمروں کی تعداد 543 ہے ایمپلی
فائر 206 ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کی طاقت 600 واٹ ہے۔ بیرونی پلازہ کو
ملا کر کل رقبہ 300500 مربع میٹر ہے۔ جہاں 6 لاکھ 50 ہزار نمازی
نماز ادا کر سکتے ہیں۔ گراؤنڈ فلور پر 2175 ستون ہیں۔ مسجد میں
3500 سپیکرز ہیں۔ 68 سنہری چادر والے فانوس ہیں۔ اور 110
فانوس ان کے علاوہ ہیں

محمد عظیم محمد ——— منڈی کنگن پور

(47) 10 تا 24 جمادی الثانی 1427ھ تا 7 20 2006ء

نقش مجاہد لاہور پاکستان 17-07-2006

عاشقِ رسول

غازی علم الدین شہید

۱۸۹۹ء میں شہر بمبئی آریہ پرتی ندھی سبھا نے ایک رسوائے زمانہ کتاب شائع کی جس کا عنوان تھا "ستیارتھ پرکاش" اس کتاب میں مسلمانوں کی دل آزاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا گیا۔ اور جی بھر کر مسلمانوں اور اسلام پر کیچڑ اچھالا گیا۔ اس کتاب کے آٹھ ایڈیشن شائع ہوئے۔ اور اگلا ایڈیشن پہلے سے کم قیمت پر فروخت کیا گیا۔ آخری ایڈیشن لاہور کے ایک ہندو پبلشر راجپال پبلشرز نے شائع کیا۔ اور اس آٹھ سو صفحے کی کتاب کے دیباچے میں لکھا کہ پہلے ایڈیشن کی قیمت دو روپے کے مقابلے میں اس ایڈیشن کی قیمت صرف دس آنہ رکھی گئی ہے باوجود اس کے کہ محنت اور لاگت میں اضافہ ہوا ہے۔ لیکن اس واسطے لاگت سے بھی کم قیمت پر فروخت کی جا رہی ہے۔ کہ آریہ پرش اس سے مستفید ہو سکے۔ ان ہندو گماشتوں نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ کچھ عرصہ بعد راجپال پبلشرز نے ایک اور دل آزار کتاب چھاپی۔ ——— مصنف کا نام اوپر نہیں لکھا گیا۔ لیکن یہ بات عام طور پر سمجھی جا رہی تھی۔ کہ اس کتاب کا مصنف، اخبار پرتاب کا ایڈیٹر مہاشہ کرشن ہے۔ اس کتاب کی اشاعت اور دیگر ہندو مصنفین کی طرف سے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کی مہم چلائی گئی۔ جس کی سرپرستی ہندوؤں کا ایک مخصوص فرقہ آریہ سماج کر رہا تھا۔ انہوں نے اتنی شدت اور تواتر کے ساتھ آپؐ کی ذات مبارک کو نشانہ بنایا کہ مسلمانوں کے جذبات جو برسوں سے انگریزوں اور ہندوؤں کی طرف سے تکالیف کے باوجود ٹھنڈے تھے ان میں جیسے آگ لگ گئی ہو۔ اسلام دشمنی اور گستاخیٔ رسولؐ کی اس تحریک کو دہلی میں شردھانند اور لاہور میں راجپال کی سرپرستی حاصل تھی۔ جب ان کے خبث باطن کی خبریں

عام ہوئیں۔ تو راجپال پر حملے ہونا شروع ہو گئے۔ مسلمانوں نے اس کتاب کی مزید
اشاعت کو رکوانے اور پبلشر کے خلاف کارروائی کروانے کیلئے ہائی کورٹ کا سہارا لیا۔
کورٹ میں سر محمد شفیع نے مسلمانوں کی ترجمانی کی۔ ہائی کورٹ کے انگریز
ججوں نے جرم سنگینی سے صرف نظر کرتے ہوئے راجپال کو چند ماہ کی سزا سنائی۔
جو مسلمانوں کی اس آتشِ انتقام کو ٹھنڈا نہ کر سکی۔ جو ان کے جذبہ ایمان کی
روشنی لیئے ہوئے تھی۔ لہذا انجام کار ایک مسلمان غازی علم دین کے ہاتھوں واصل
جہنم ہوا۔

علم دین 4 دسمبر 1908ء کو لاہور کے سریاں او جڑیاں والے بازار میں
بڑھئی (ترکھان) کا کام کرنے والے ایک شخص طالع مند کے گھر پیدا ہوا۔ علم دین
کے دوسرے بھائی کا نام محمد دین تھا۔ محنت اور شرافت کے باعث یہ گھرانا اپنے حلقے
میں بہت باعزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ طالع مند اور اس کا گھرانہ لاہور
کے ایک محلہ کوچہ چابک سواراں میں رہائش پذیر تھا۔ یہ وہ دور تھا۔ جب دولت
سے زیادہ عزت کی قدر کی جاتی تھی۔ علم دین نے محلے کی ایک مسجد سے قرآن پاک
پڑھنا شروع کیا۔ تاہم وہ والدین کے خواہش کے مطابق اپنی تعلیم کو جاری نہ رکھ سکے
اور باقاعدہ درس گاہ کے طالب علم تو نہ بن سکے۔ لیکن علم تو ان کے نام کا حصہ تھا۔
آپ نے کتابی علم تو حاصل نہ کیا۔ لیکن علم کی روح آپ میں فطری طور پر شامل تھی۔ شاید
قدرت نے ان سے کوئی اور اہم کام لینا تھا۔ علم دین کچھ عرصہ اپنے والد کے ساتھ کام کاج کے
سلسلہ میں سیالکوٹ میں مقیم رہے۔ لیکن بڑے بھائی محمد دین کے اصرار پر والد صاحب
کے ہمراہ دوبارہ لاہور منتقل ہو گئے۔ اور لاہور ہی میں اپنے والد کے ساتھ کام کاج
میں مشغول ہو گئے۔ زندگی امن اور چین سے گزر رہی تھی۔ ان کے بڑے بھائی محمد دین کی
شادی ہو گئی۔ اور علم دین کی شادی ان کی ماموں زاد سے طے پائی۔ علم الدین کو صرف اپنے کام
سے غرض تھی۔ باہر کی دنیا سے اس کو کچھ خاص سروکار نہ تھا۔ اس سیدھے سادھے

مسلمانوں کو ان نعروں سے کوئی غرض نہ تھی۔ جو ان دنوں ہندو مسلم اتحاد کو
مستحکم کرنے کیلئے لگا رہے تھے۔ ہندو مسلم اتحاد زندہ باد اور فرنگی مردہ باد کے
نعروں میں راجپال کی کتاب نے مسلمانوں کے جذبات کو تہہ و بالا کر دیا۔ اس کتاب
میں آپ کی ذات پر اتنے رکیک حملے کیئے گئے۔ اور قرآنی آیات اور احادیث کے ترجمے
کرنے کے لیئے ایسی تاویلات گھڑی گئیں کہ ہر مسلمان پبلشر کے مرنے کی دعا کرنے لگا
(۲۱) اکیس سالہ علم الدین کو جب راجپال کے کرتوت کا پتہ چلا تو ایک ثانیئے میں
اس کی سوچ کے زاویے تبدیل ہو جاتے ہیں۔ شاید قدرت نے یہ اہم کام ان سے ہی
لینا تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے احتجاج احتجاج کے نعرے بلند ہونے لگے۔ لاہور کا
دلی دروازہ ان احتجاجی تحریکوں کا گڑھ بن گیا۔ اور راجپال کا معاملہ اس قدر اہمیت
اختیار کر گیا۔ کہ ہر روز جلسہ جلوس کا پروگرام بننے لگا۔

علم دین 4 جولائی 1927ء کو کسی کام سے گھر سے نکلے تو دلی دروازہ میں
ہونے والے جلسہ کو دیکھنے کے لیئے رک گئے۔ کسی سے پوچھا۔ تو اس نے بتایا۔ کہ راج پال
نے ایسا کیا ہے۔ اور اس کے خلاف احتجاج ہو رہا ہے۔ انہوں نے وہاں ہونے والی
تقاریر سنیں۔ اور یہ سمجھ لیا۔ کہ راج پال ملعون نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان
میں گستاخی کی ہے۔ اور وہ واجب القتل ہے۔ لہٰذا اس کو سزا ملنی چاہیئے۔

24 ستمبر 1927ء کی صبح راجپال پر ایک غیرت مند مسلمان غازی خدا بخش کوچہ
نے چاقو سے حملہ کیا۔ لیکن وہ بد بخت بچ نکلا۔ اور غازی خدا بخش کو اس حملے کی وجہ سے
سزا ہوئی۔ 19 اکتوبر 1927ء کو کوہاٹ کا ایک نوجوان غازی عبدالعزیز خان اس بدذات
ناشر کو جہنم واصل کرنے کے مشن پر اس کی دوکان پر پہنچا۔ راجپال اس وقت دوکان
پر موجود نہ تھا۔ غازی عبدالعزیز نے راجپال کے دوست سوامی ستیانند کو راجپال
سمجھ کر تلوار کے ایک ہی وار سے ختم کر دیا۔ اس مقدمہ کا دو دن بعد فیصلہ کر دیا گیا۔
اور غازی کو شہادت کے اعزاز سے محروم کر کے چودہ سال کی سزا سنائی گئی۔

غازی علم الدین نے 16 اپریل 1929ء کی صبح گمٹی بازار سے آتما رام نامی کباڑیئے سے چھرا خریدا۔ اور ملعون کی دوکان کی طرف چل پڑے انار کلی میں ہسپتال روڈ پر عشرت پبلشنگ ہاؤس کے سامنے اور مزار قطب الدین ایبک کے قریب راجپال پبلشرز کا دفتر تھا۔ دوپہر تقریباً ایک بجے غازی علم الدین شہید چوہٹہ مفتی باقر سے ہسپتال روڈ پر اس موذی کی دوکان پر پہنچے۔ تو وہ کچھ لمحے قبل ہی ہردوار سے واپس آیا تھا۔ دوکان کے باہر کھوکھے والے کی نشاندہی پر غازی نے راجپال کو پہچانا۔ اور دفتر کے اندر داخل ہو گئے۔ اس وقت دو اور ملازم کیدار ناتھ اور بھگت رام بھی دفتر میں موجود تھے۔ غازی علم الدین شہید نے اندر داخل ہو کر اس کو للکارا۔ اور کہا کر اپنے جرم کی معافی مانگ اور اس کے بعد کوئی جواب نہ ملنے پر ایک ہی وار جو سیدھا ملعون کے جگر میں اترا اور اتنا کارگر ثابت ہوا۔ کہ راجپال کے منہ سے حرف ہائے کی آواز نکل سکی۔ اور وہ گر پڑا۔ ملازم کچھ دیر خوف اور دہشت سے خاموش رہا۔ لیکن بعد میں چلانے لگے۔ اس وقت تک غازی علم الدین شہید وہاں سے جا چکے تھے۔ اور وہاں سے ودیا رتن کے ٹال پر پہنچے۔ اور وہاں کے نلکے پر راجپال کے لہو کے ناپاک چھینٹوں کو صاف کیا۔ جب قتل کا شور بلند ہوا۔ تو آپ نے با آواز بلند تسلیم کیا۔ کہ اس نے ملعون کو قتل کیا ہے۔

انار کلی پولیس اسٹیشن میں کیدار ناتھ کی طرف سے ایف آئی آر۔ درج ہوئی اور اس کے مطابق۔ موقع کا گواہ کیدار ناتھ کے علاوہ بھگت رام تھا۔ جبکہ غازی علم الدین کو قتل کا اعلان کرتے ہوئے پر مانند۔ اور نانک چند نے پکڑا تھا۔ آتما رام کباڑیئے نے گواہی دی۔ کہ چھری غازی علم الدین شہید نے اس سے خریدی تھی۔ ملازم نے علاقہ مجسٹریٹ کو اقبالی بیان دیا تھا۔ اور شہر میں خوف وہراس پھیل گیا۔ راجپال کی ارتھی پر جلوس نکالا گیا۔ اور مجسٹریٹ کی طرف سے دفعہ 144 نافذ کر دی گئی۔ سیشن کورٹ نے 22 مئی 1929ء کو پھانسی کا حکم سنایا۔ اور اس فیصلے کے خلاف کورٹ میں

اپیل داخل کر دی گئی۔ غازی علم الدین کی طرف سے محمد علی جناح اور فرخ حسین پیش ہوئے
جبکہ راجپال کی طرف سے جے لال کپور اور سرکار کی طرف سے دیوان رام لال پیش ہوا۔
قائد اعظم نے کہا اپنے دلائل میں کہا۔ کہ مسلمان اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کا بدلہ
لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ملزم کا قتل اشتعال انگیزی کے باعث ہے۔ اس لیے ملزم غازی
علم الدین کے خلاف زیر دفعہ 302 قتل عمد کی بجائے۔ زیر دفعہ 308 قتل بوجہ
اشتعال کارروائی کی جانی چاہیے۔ اور ملزم کو سزائے موت کی بجائے سات سال قید کا
مستوجب سمجھنا چاہیے۔ 15 جولائی 1929ء کو انگریز جج نے وہی فیصلہ دیا۔ جو
متوقع تھا۔ اور زیریں عدالت کی سزائے موت کو بحال رکھا گیا۔ اس فیصلے پر غازی
علم الدین شہید نے شکر کا کلمہ پڑھا۔ اور اپنی قربانی کی قبولیت کی دعا کی —
مسلمانوں نے اتمام حجت کیلئے ایک دفعہ پھر چندہ جمع کر کے لندن میں اپیل کر دی۔
کونسل نے اپیل نامنظور کرتے ہوئے سزا کو بحال رکھا۔ اور غازی علم الدین شہید کو
عدالت کے احکام پر عملدرآمد کرنے کیلئے میانوالی جیل منتقل کر دیا گیا۔ کاتب تقدیر نے
غازی کی قسمت میں شہادت کا درجہ پانا لکھا تھا۔ جمعرات (26 جمادی الثانی
1348ھ) 31 اکتوبر 1929 کو جب غازی علم الدین شہید سے آخری خواہش پوچھی
گئی۔ تو آپ نے دو رکعت نماز نفل پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ نوافل کی ادائیگی کے بعد کلمہ
شہادت پڑھتے ہوئے۔ تختہ دار پر چڑھ گئے۔ حسب معمول ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے۔ اور
چہرے پر ٹوپی اور پٹی باندھ دی گئی۔ اس طرح شمع رسالت ﷺ کے پروانے کو واصل باللہ کر دیا
گیا۔ عاقبت نا اندیش گورنر کے حکم پر قیدیوں کے قبرستان میں ایک گڑھا کھود کر شہید
کو دفن کر دیا گیا۔ مسلمانوں کیلئے یہ خبر بہت اندوہناک تھی۔ کہ ان کے ہیرو کی میت ان
کی نگاہوں سے اوجھل رہے۔ غازی شہید کی لاش کے حصول کیلئے پنجاب میں غم و غصہ کی
لہر دوڑ گئی۔ اور باقاعدہ ایک تحریک چل پڑی۔ علامہ اقبال۔ سر محمد شفیع۔ ظفر علی
اس تحریک کے روح رواں تھے۔ 4 نومبر 1929 کو گورنر سے بھی اس مقصد کیلئے ملاقات

کی گئی ۔ اور بالآخر 13 نومبر کو مسلمانوں کا ایک وفد میانی والی نعش وصول کرنے کیلئے پہنچا ۔ شہید کی نعش کو پہلے ڈپٹی کمشنر ہاؤس لایا گیا ۔ اور وہاں سے ایک تابوت میں ڈالا گیا ۔ جس کو سید مراتب علی شاہ نے اس مقصد کیلئے بنوایا تھا ۔ تقریباً دو ہفتے گزر جانے کے باوجود شہید کی نعش بالکل تر و تازہ تھی ۔ اور چہرے پر وہ جمال اور مسکراہٹ تھی جو مقصد میں کامیابی حاصل ہونے کے بعد ان کے چہرے پر دیکھی جاتی رہی تھی ۔ شہید کی میت ایک خصوصی ریل گاڑی کے ذریعے لاہور پہنچائی گئی ۔ جس کو علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اور سر محمد شفیع نے وصول کیا ۔ نماز جنازہ کیلئے چاندی ماڑی کا میدان منتخب ہوا ۔ (چوبرجی کا علاقہ جو راوی تک پھیلا ہوا تھا ۔ اور اس میں تاحد نظر سبزیوں کے کھیت تھے) شہید کی نماز جنازہ قاری محمد شمس الدین خطیب جامع مسجد وزیر خان نے پڑھائی ۔ اس موقع پر مولانا ظفر علی خان نے بڑی جذباتی تقریر کی ۔ اس دوران ہی غازی علم الدین شہید کا جسد خاکی سسکیاں درود کی گونج میں لحد میں اتارا گیا ۔ اور لاہور کا یہ نجار زادہ (بڑھئی کا بیٹا) عالمگیر شہرت پاکر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے امر ہو گیا ۔ لاہور کو غازی علم الدین شہید کا شرف حاصل ہے ۔ جس پہ ایسے ہمیشہ ناز رہے گا ۔ اللہ کا فیصلہ ہے ۔ کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے انہیں مردہ مت کہو وہ تو زندہ ہیں ۔ لیکن تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے (القرآن)

مسز مصباح شاہد خواجہ نوائے وقت سنڈے میگزین صفحہ 9

2 نومبر 2003ء

Mabbas

١٢-٠٢-٢٠٠٩

Maulana Qari Muhammad Abbas Nizami
Distt. Teh. Pakpattan

(۱) قد جاءکم من اللہ نور وکتٰب مبین ۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور آیا۔ اور ایک روشن کتاب ۔ اس نور سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب سے مراد قرآن مجید۔ ملا علی قاری نے شرح شفاء صفحہ ۵۰۵ میں فرمایا کہ نور اور کتاب مبین دونوں حضور ہی ہیں ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات، مظہر صفات مظہر احکام ۔ و اخبار ہیں ۔ لہذا یہ عطف تفسیری بھی ہو سکتا ہے ۔ حضور اللہ کا نور اس طرح ہیں ۔ کہ آپ ذات باری سے سب سے پہلے فیض پانے والے ہیں ۔ اور آپکے ذریعے تمام فیض پانے والے ہیں ۔ (نور العرفان)۔

(۲) وانا اول المسلمین اور میں سب سے پہلے مسلمان ہوں۔ حضور اکرم ﷺ ساری مخلوق سے پہلے مومن ہیں ۔ (۳) واذ اخذ اللہ میثاق النبین —— یاد کرو ۔ جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا ۔ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں ۔ پھر تشریف لائے ۔ تمہارے پاس وہ رسول ۔ کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا ۔ اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا فضل و رحمت

(۴) الذی یرٰک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین ۔ جو تمہیں دیکھتا ہے ۔ جب تم کھڑے ہوتے ہو ۔ اور نمازیوں میں تمہارے دورے کو ۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ۔ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں ۔ اس کا ایک معنیٰ یہ بیان کیا گیا ہے ۔ کہ آپ کا نور مبارک ایک ساجد نمازی سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا تھا ۔ یعنی جب آپکا نور مبارک حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عبداللہ تک پاک پشتوں سے پاک پشتوں تک گردش کر رہا تھا ہم دیکھتے تھے ۔ ان آیتوں میں شہنشاہ کائنات ۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کی آمد آمد کا ذکر بیان ہے ۔ پہلی دو آیتوں میں آپ کا اول المومنین و نور ہونا ۔ اور انسانوں کی طرف تشریف لانا مذکور ہے ۔ تیسری آیت میں آپ کے متعلق انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اقرار

میثاق کا بیان ہے۔ چوتھی آیت میں آپ کے نور مبارک کے ساجدین میں منتقل ہونے کا ذکر
ہے۔ قرآن پاک جو اپنے مضامین کو متفرق و علیحدہ علیحدہ مکانوں میں اللہ کے انداز سے انداز
میں بیان فرمایا کرتا ہے۔ محبوب خدا علیہ السلام کے میلاد پاک کو بھی میٹھے میٹھے اور پیارے
انداز سے بیان فرما رہا ہے۔ جس کا بیان کرنا اور نقصان سے بچنا از حد ضروری ہے۔ ارشاد
ہوتا ہے۔ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون۔ تم فرماؤ
اللہ ہی کے فضل اور اسکی رحمت سے اسی پر چاہیئے کہ خوشی کریں۔ وہ ان کی سب دھن
دولت سے بہتر ہے۔ اور نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا یقیناً فضل و رحمت ہیں۔ کہ
آپ ہی کے دم قدم سے عالم میں بہار ہے۔ آپ نے ہی دنیا کو برکتوں سے بھر دیا۔ جس جس چیز
کا آپ سے تعلق ہوتا گیا۔ اس میں برکات و انوار آتے گئے۔

تبرکات = آیات و احادیث کی روشنی میں شمس و امس سے کہیں ظاہر و واضح ہے کہ
جس چیز کو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک اور قدم مبارک یا چہرہ مبارک یا کسی اور
حصۂ جسم اقدس سے تعلق ہوگیا وہی متبرک و ممتاز ہو گیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
ایسے تبرکات کو بڑی کوششوں سے حاصل کیا کرتے تھے۔ جب کبھی کچھ متبرک مل جاتا تو اسے
باعثِ شفا و فلاح سمجھتے۔

بخاری شریف باب استعمال فضل طہور الناس میں ہے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے
ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن منگوایا جس میں پانی تھا۔ تو اپنے دونوں ہاتھوں اور چہرہ مبارک
اس میں دھویا۔ اور پانی اسی برتن میں ڈالا۔ پھر انہیں فرمایا پیو۔ اور اپنے سینوں پر ملو۔

اسی بخاری شریف مصری صفحہ ۳۲/ج۱ میں ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں
مریض ہوا تو میری عیادت کو حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ مجھے بے ہوش
بیمار پایا۔ تو جناب حضور رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وضو فرمایا۔ اور اس پانی کو مجھ
پر پلٹا۔ تو میں نے فوراً افاقہ پایا۔

مشکوٰۃ باب السترہ فصل اول میں بخاری و مسلم سے ہے۔ کہ حضرت ابو جحیفہ رضی

فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ حالانکہ آپ ابطح (نام وادی) میں تھے چمڑے کے سرخ خیمے میں میں نے حضرت بلال کو دیکھا۔ کہ حضور علیہ السلام کے وضو والے پانی کو پکڑا ہے۔ اور لوگوں کو دیکھا۔ کہ اس متبرک پانی کی طرف جلدی کر رہے ہیں۔ تو جو اس تبرک سے کچھ حصہ پا لیتا ہے۔ اس سے مسح کرتا ہے۔ اپنے چہرے اور چشم پر لگاتا ہے اور جو نہیں پا سکتا۔ اپنے دوست کے ہاتھ سے تری لیتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف باب المساجد فصل دوسری میں ہے۔ کہ حضرت طلق بن علی فرماتے ہیں۔ ہم وفد کی صورت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے آپ کے ساتھ بیعت کی۔ اور نماز گذاری۔ اور ہم نے عرض کی کہ ہماری زمین میں ایک ہمارا گرجا ہے۔ (یہ قوم نصاریٰ کی تھی۔ ایمان لانے کے بعد اسے توڑنا چاہتے تھے۔) تو ہم نے حضور علیہ السلام سے آپ کے وضو کے پانی کی بخشش طلب کی۔ تو آپ نے پانی منگوایا۔ وضو کیا اور کلی کی۔ پھر اس (متبرک و مستعمل) پانی کو ہمارے ایک چمڑے کے چھوٹے برتن میں ڈالا۔ بعد ہمیں رخصت عطا کی۔ اور فرمایا۔ جب اپنی زمین میں پہنچو تو اپنے گرجا کو توڑ دو۔ اور اس جگہ اس پانی کو چھڑکو۔ کہ اس کے انوار و برکات اس جگہ کو شامل ہوں۔ اور وہاں مسجد بنا دو۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہمارا شہر دور اور گرمی بڑی سخت پڑ رہی ہے۔ پانی برتن میں خشک ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا۔ اس میں اور پانی ملا لو۔ کہ اس کی برکت بہتری کو ہی زیادہ کریگا۔

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور آپ کے وارث علماء و صلحاء کے تبرکات حاصل کرنا۔ اور لے جانا مستحب ہے۔ نیز فرماتے ہیں۔ کہ اگر وہ خاموش رہتے تو وہ پانی ہرگز خشک نہ ہوتا۔ مگر انہوں نے سوال کیا۔ تو آپ نے مناسب حال جواب دیا۔ —— صحیح مسلم شریف میں ہے۔ کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر کے پاس ایک جبہ مبارک تھا۔ جس کے متعلق فرماتی ہیں۔ یہ جبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ جب وہ پردہ پوش ہو گئیں۔ تو میں نے اسے قبضہ میں لے لیا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہنا کرتے تھے۔ تو ہم اسے مریضوں کیلئے دھویا کرتے تھے اور
اس کے پانی سے سبب شفا حاصل کیا کرتے ہیں۔ مشکوٰۃ کتاب اللباس فصل نمبر ۱ ص ۳۷۴

صحیح مسلم ص ۲۵۶ جلد ۲ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
جب نماز صبح سے فارغ ہوتے تو (خدام المدینہ) مدینہ کے لوگ اپنے اپنے برتنوں میں پانی
ڈال کر لے آتے۔ جو برتن آتا حضور اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈبو دیتے۔

اسید بن ابی الناس رضی اللہ عنہ کے چہرہ اور سینے کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے مس فرمایا۔
حضرت اسید اندھیرا مکان میں داخل ہوتے تو وہ روشن ہو جاتا تھا۔ الخصائص ص ۸۵ جلد ۲۔

امام احمد و بخاری و طبرانی اور بیہقی نے اخراج کیا۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
حنظلہ بن حذیم کے سر کو اپنے ہاتھ مبارک سے مس فرمایا۔ اور فرمایا تم میں برکت ہو۔ حضرت
ذیال فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت حنظلہ کو دیکھا۔ آپ کے پاس بکریاں لائی جاتی تھیں۔
جن کے تھنوں میں ورم ہوتا۔ اور اونٹ اور انسان جنہیں ورم ہوتا تھا۔ تو آپ ہاتھ پر تھوکتے
اور اپنے سر پر پھیرتے۔ اور کہتے۔ بسم اللہ علی اثر ید رسول اللہ۔ اپنے سر پر ہاتھ پھیر
کر ثم یمسح موضع الورم فیذھب الورم۔ پھر مقام ورم پر ہاتھ پھیرتے تو
ورم چلا جاتا (الخصائص ص ۸۳ جلد ۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بشر کے سر اور چہرے پر مس فرمایا۔ اور دعا فرمائی۔
فکانت فی وجھہ مسحۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کالغرۃ فکان لا یمسح شیئا الا برا
تو آپ کا مسح بشر کا چہرے پر سفیدہ کی طرح تھا۔ اور جس چیز کو مس کرتے ہیں تندرست
ہو جاتی تھی۔ (الخصائص) —— حضرت خالد بن ولید رضی اللہ فرماتے ہیں
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا۔ تو اپنا سر مبارک منڈوایا۔ لوگوں نے آپ کے مبارک
بالوں کی طرف جلدی کی۔ تو میں نے آپ کی پیشانی کے بال سب سے پہلے حاصل لئے میں نے
ان مبارک بالوں کو اپنی ٹوپی میں رکھ لیا تو میں یہ ٹوپی لے کر جس جنگ میں گیا ہوں فتح ہوگی
ہے۔ (الخصائص) ص ۶۸ جلد نمبر ۱

صحیح مسلم ص ۲۵۶ جلد ۲۔ میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حلاق (نائی) آپ کی حجامت بنا رہا تھا۔ اور آپ کے اردگرد صحابہ کرام پھرتے تھے۔ تو وہ ارادہ کرتے تھے۔ اس بات کا کہ جو بال مبارک گرے۔ کسی شخص کے ہاتھ پر گرے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذبائح منیٰ میں نحر فرمائے۔ پھر حلاق (نائی) کو بلا کر حجامت بنوائی اور اپنے سر مبارک کے بال حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو دئیے۔ فقال اقسمہ بین الناس تو فرمایا اسے لوگوں میں تقسیم کر دے۔ ——— الخصائص الکبریٰ ص ۲۸۳ جلد ۲ میں ہے کہ ابن سیرین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور کے بالوں میں سے ایک بال ہو تو وہ مجھے ساری دنیا و ما فیہا سے بہت پیارا ہے ——— روح البیان میں ہے۔ کہ علماء فرماتے ہیں کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا مبارک یا چھڑی یا بال مبارک کسی عاصی کی قبر پر رکھ دیا جائے تو اس کی برکت سے وہ عاصی عذاب سے بری ہو جائیگا۔

صحیح بخاری شریف مصری ص ۴۶ جلد ۳ میں ایک لمبی حدیث میں ہے۔ کہ نبی اکرم علیہ السلام نے ایک پیالہ منگوایا جس میں پانی تھا۔ اور اپنے دونوں ہاتھ مبارک اور چہرہ پاک اس میں دھویا۔ اور اس میں کلی کی۔ پھر حضرت ابو موسیٰ و بلال رضی اللہ عنہما کو فرمایا۔ اس سے پیو۔ اور اپنے چہروں اور سینوں پر ملو اور خوش ہو جاؤ۔ تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کے پیچھے سے ندا کی کہ اپنی ماں کیلئے بھی چھوڑ دو تو انہوں نے اس متبرک پانی سے کچھ حصہ بچایا۔

شفا شریف صحیح مسلم ص ۲۵۷ جلد ۲ میں ہے۔ کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کی دار میں آرام فرمایا۔ تو آپ کو پسینہ آیا۔ حضرت انس کی والدہ ایک برتن لے آئی جس میں آپ کا مبارک پسینہ جمع کر رہی ہے۔ تو اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ پوچھی تو عرض کی کہ ہم اسے اپنی خوشبو میں ملاتی ہیں۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے۔ اس نے عرض کی کہ ہم اپنے لڑکوں کے لئے اس کی برکت چاہتے ہیں۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے ٹھیک کیا ہے۔ ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم برکات مبارکہ برابر کی کوشش

سے حاصل کرتے اور ان سے برکتیں حاصل کیا کرتے تھے۔ اپنی آنکھوں اور سینوں پر لگا کر خوش ہوا
کرتے تھے۔ ان تبرکات سے مصیبتیں مشکلیں دکھ درد سب دور ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ
تبرک کسی واسطے سے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشی سے تبرکات تقسیم فرمایا کرتے
تھے۔ صحابہ کرام کی محبت و عقیدت کا یہ عالم تھا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب مبارک اپنے
ہاتھوں پر لے کر اپنی آنکھوں اور چہروں پر لگایا کرتے تھے۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہے۔ کہ آپ کے خون مبارک
اور پیشاب مبارک کو پی لیا کرتے تھے۔

الخصائص الکبریٰ صـ ۲۵۲ جلد ۲ میں ہے۔ بزاز و طبرانی و حاکم و بیہقی نے سنن میں
عبداللہ بن زبیر رض سے بسند حسن اخراج کیا ہے۔ فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگی لگوائی
تو مجھے خون مبارک دیا۔ فرمایا اسے لے جاؤ۔ اور پوشیدہ کر دو۔ تو میں گیا۔ اور اس خون مبارک کو
پی لیا۔ پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو مجھے فرمایا کہ تو نے خون کے ساتھ
کیا کیا ہے۔ میں نے عرض کی کہ اسے پوشیدہ کیا ہے۔ فرمایا شاید تو نے اسے پی لیا ہے۔ عرض کی
ہاں میں نے پی لیا ہے۔ اسی طرح کئی صحابہ نے خون مبارک پیا ہے۔ پوچھنے سے کسی نے کہا۔ میں نے
پیارا سمجھا ہے۔ کہ آپ کے خون مبارک کا کچھ حصہ میرے پیٹ میں ہو۔ بعض نے کہا۔ میں نے زمین
پر پھینکنے کو پسند نہیں کیا۔ بعض نے کہا کہ میں نے لائق نہیں سمجھا۔ کہ مبارک خون کو زمین پر پھینکا جائے
جس سے ان کی عقیدت و محبت ظاہر واضح ہے۔

ملا علی قاری شرح شفا میں شیعہ سے ناقل ہیں۔ کہ عبداللہ بن زبیر سے کہا گیا۔ کہ تو نے
خون مبارک کی لذت کس طرح پائی تو فرمایا بولے لذت شہد کی تھی۔ اور خوشبو کستوری کی سی
مطالع المسرات و زرقانی میں ہے۔ کہ عبداللہ بن زبیر رض نے خون مبارک نوش کیا۔ تو آپ کے منہ
سے بہت زیادہ خوشبو آنے لگی۔ اور ہمیشہ رہی یہاں تک کہ آپ سولی دیئے گئے۔ اسی طرح ام ایمن رض نے
حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب مبارک پیا۔ تو حضور نے فرمایا۔ آج کے بعد تیرا پیٹ میں درد
نہ ہوگا۔ الخصائص کبریٰ میں ہے۔ کہ ابو یعلیٰ، حاکم و دار قطنی طبرانی میں ابو نعیم نے اس حدیث کو
اخراج کیا ہے۔ شفا شریف میں ہے۔ کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ مواہب اللدنیہ میں ہے۔ کہ یہ حدیث

صحیح ہے۔ اسی میں ہے۔ کہ دار قطنی فرماتے ہیں۔ کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسی میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ آپ کے سب فضلات مبارک پاک و طاہر ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں۔ (مواہب اللدنیہ و زرقانی ص ۲۳۳ جلد ۴) جب حضور کا یہ حال ہے۔ کہ جو چیز آپ کے جسم مبارک کے کسی حصے یا کسی حصے سے متبرک یا اس کے متبرک سے متبرک ہو گئی۔ وہی عزت و برکت سے پر ہو گئی۔ تو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت بھری خصوصی نظروں اور آپ کی خصوصی صحبت مبارکہ سے مشرف و منور ہیں۔ ان کا کیا شان ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ واصبر نفسک ——— الغرض نبی کریم رؤف الرحیم سراپا نعمت و رحمت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل ہیں۔ جس کے سبب خوشیاں منانا قرآن مجید سے ثابت ہے۔

نور الحبیب ربیع الاول ۱۴۰۵ھ ص ۱۴

عشق مصطفیٰ ﷺ اور صحابہ کرام رض

(عطا محمد گولڑوی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت مومن نہ ہوگا۔ جب تک کہ میں اس کے باپ اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔ ایک اور حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین باتیں جس میں ہوں گی۔ وہ حلاوت ایمان پائے گا۔ پہلی بات تو یہ کہ اس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسری بات یہ کہ کفر سے نجات پالینے کے بعد اس کی طرف پلٹنے کو ایسے ہی ناپسند کرے۔ جیسے آگ میں ڈالے جانے کو۔ تیسری بات یہ کہ وہ کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ کیلئے کرے۔ ایک روز حضرت عمر فاروق نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ کہ بلاشک آپ سوائے میری جان کے جو میرے دو پہلوؤں میں ہے۔ میرے نزدیک ہر شے سے زیادہ محبوب ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی ہرگز مومن کامل نہیں بن سکتا۔ جب تک کہ
میں اس کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ یہ سن کر حضرت عمر نے عرض کیا
کہ قسم ہے۔ اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ آپ میرے نزدیک میری جان سے
جو میرے دو پہلوؤں کے درمیان ہے۔ زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
الآن یا عمر۔ یعنی اے عمر اب تمہارا ایمان مکمل ہو گیا۔

جنگِ احد میں ایک عفیفہ کے باپ بھائی۔ اور شوہر شہید ہو گئے۔ انہیں یہ خبر ملی
تو کچھ پرواہ نہ کی اور پوچھا۔ یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ جب اسے بتا دیا
گیا۔ کہ حضور بحمد اللہ خیریت سے ہیں۔ تو بولی کہ مجھے دکھا دو۔ حضور کو دیکھ کر کہنے لگی۔ کُلُّ
مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ آپ کے ہوتے ہر مصیبت ہیچ ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام)

حضرت عمرو بن العاص کی وفات کا وقت آیا۔ تو آپ نے اپنے صاحبزادے سے تین حالتیں
اپنی بیان کیں۔ دوسری حالت بیان کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ کوئی شخص میرے نزدیک رسول اکرم
سے زیادہ محبوب اور میری آنکھوں میں آپ سے زیادہ جلالت وہیبت والا نہ تھا۔ میں آپ کی ہیبت
کے سبب سے آپ کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھ سکتا تھا۔ (بخاری) ——— حضرت بلال
کی وفات کا وقت قریب آیا۔ تو ان کی بیوی نے کہا۔ واحزناہ کہ ہائے غم۔ یہ سن کر حضرت بلال
نے کہا۔ نہیں۔ واہ خوشی میں کل دوستوں یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ملوں گا
(الشفاء) + حضور علیہ السلام کی وفات کی خبر سن کر
عبداللہ بن زید انصاری رضی اس قدر غمزدہ ہوئے۔ کہ نابینا ہونے کی دعا مانگی۔ لوگوں نے وجہ
دریافت کی۔ تو فرمایا۔ لذت نگاہ تو آنکھوں میں ہے۔ مگر سرکار کے بعد اب میری آنکھیں کسی
کے دیدار کا ذوق نہیں رکھتیں (شواہد النبوۃ) ایک روز حضرت ثوبان
حاضر ہوئے تو ان کا چہرہ اترا ہوا اور رنگ اڑا ہوا دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ
پوچھی۔ تو درد مند عاشق نے جواب دیا۔ کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کوئی جسمانی تکلیف
ہے۔ اور نہ کوئی اور درد۔ بات یہ ہے۔ کہ جب رخ انور آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ تو دل بے تاب

ہو جاتا ہے۔ فوراً زیارت سے اس کو تسلی دیتا ہوں۔ اب رہ رہ کر مجھے یہ خیال ستاتا ہے کہ جنت میں آپ کا مقام بلند ہوگا۔ اور یہ مسکین پتہ نہیں کس گوشہ میں پڑا ہوگا۔ اگر زیارت جمال کی زیادتی نہ ہوئی۔ تو میرے لئے جنت کی ہر لذت تکلیف دہ بن جائیگی۔ فراق ہجر کا یہ جانکاہ صدمہ اس دلِ ناتواں سے برداشت نہ ہو سکے گا۔ آنحضرتؐ یہ سن کر خاموش رہے۔ کہ جبریل امین یہ مژدہ لے کر حاضر ہوئے۔ کہ ہم الطاف گذار عشاق کو جنت میں جدائی کا صدمہ نہیں دیں گے۔ بلکہ ان کو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میسر رہے گی۔

حضرت زید بن حارثہ کا ایک عظیم واقعہ درج ہے (تاریخ خمیس)

قریش مکہ نے حضرت خبیبؓ کو چند روز محبوس رکھنے کے بعد صلیب کے نیچے لے جا کر کھڑا کیا۔ اور کہا کہ اب بھی اسلام سے دستبردار ہو جاؤ تو جان بچ سکتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا اگر اسلام کی دولت پاس نہ رہی تو جان بچا کیا کروں گا۔ ایک شقی العقب نے ان کے جگر کو چھیدا اور پوچھا کہ۔ اب تو تم پسند کرو گے کہ محمد پھنس جائے۔ اور میں چھوٹ جاؤں۔ آپ نے بڑے پرجوش لہجے میں فرمایا۔ کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان کے عوض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ آپ کی مہمانی کا شرف اسے حاصل ہو۔ بالآخر یہ شرف حضرت ابو ایوب انصاری کے حصے میں آیا۔ حضور نے ان کے مکان کے نچلے حصے میں رہنا پسند فرمایا۔ ایک دن اتفاقاً چھت پر پانی سے بھرا ہوا گھڑا ٹوٹ گیا۔ چھت چونکہ پختہ نہ تھی۔ حضرت ابوایوب کو خیال آیا۔ کہیں چھت ٹپکنے نہ پڑے۔ اور حضور کو تکلیف ہو۔ ان میاں بیوی کے پاس ایک لحاف تھا۔ اسے بچھاتے ہوئے پانی میں ڈال دیا۔ تاکہ پانی اس میں جذب ہو جائے۔ اور میاں بیوی نے کونوں میں دبک کر رات بسر کی۔

حضرت سعدؓ بڑے سیاہ فام تھے۔ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ سعد تم شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ۔ مجھ ایسے کالے کلوٹے اور بدصورت کو لڑکی دیتا کون

پسند کر لیا۔ آپ نے فرمایا جاؤ۔ قبیلہ ثقیف کے سردار سے جا کر کہو کہ مجھے رسول اللہ نے
بھیجا ہے۔ کہ مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دو۔ حضرت سعدؓ نے جا کر پیغام پہنچایا۔
سردار ان کی صورت دیکھ کر بہت برہم ہوا۔ کہ اپنی خوبصورت بیٹی کا نکاح ان سے کر دوں
سعد مایوس ہو کر واپس جانے لگے۔ تو پردے کی اوٹ سے آواز آئی جانے والے ذرا ٹھہر
جاؤ۔ پھر آواز آئی۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے میرے ساتھ نکاح کرنے کو بھیجا ہے
اگر یہ واقعی حضور کا ارشاد ہے۔ تو یہ سر و چشم قبول ہے۔ اس کے بعد اس سعادت مند
بیٹی نے باپ کو سمجھایا۔ کہ آپ نے بہت برا کیا۔ جو رسول اللہ کے حکم پر ناک بھوں چڑھائی
اسلام تو اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کا نام ہے۔ بہتر ہے۔ کہ آپ بارگاہ نبوی میں
حاضر ہو کر معافی مانگیں۔ بالآخر یہ سردار حاضر بارگاہ نبوی ہوئے۔ معافی طلب کی۔ اور اس
معزز سردار کی خوبصورت بیٹی کا نکاح کالے سعد سے ہو گیا۔

مقام حدیبیہ میں جب عروہ بن مسعود بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر واپس مکہ میں گئے
تو اہل مکہ کو بتایا۔ کہ میں قیصر و کسریٰ کے محل میں گیا۔ ان کا جاہ و جلال بھی دیکھا۔ لیکن رسول اللہ
کی عظمت جو ان کے اصحاب کے دلوں میں ہے۔ اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ آپ تھوکتے ہیں تو
آپ دہن ہاتھوں میں لیکر منہ پر مل لیتے ہیں۔ آپ وضو کرتے ہیں۔ تو آپ کے مستعمل پانی کو حاصل
کرنے کے لئے یوں ٹوٹے پڑتے ہیں۔ جیسے ابھی ان میں لڑائی ہو گی۔ اور آپ بات کرتے ہیں۔ تو تنِ بے
حس کی طرح ساکت و صامت ہو کر سنتے ہیں۔

ایک صحابی زاہر تھے۔ رسول اللہ سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ زاہر رضہ اکثر حضور علیہ السلام کی
خدمت میں تحائف و ہدایا بھیجا کرتے اور حضور علیہ السلام کو بھی آپ سے بہت شفقت تھی۔ ایک دفعہ
یہ صحابی بازار میں بیٹھے سودا بیچ رہے تھے۔ کہ حضور نے ازراہ شفقت پیچھے سے آ کر گود میں
لے لیا۔ انہوں نے کہا کون ہے۔ مجھے چھوڑ دو۔ جب معلوم ہوا۔ کہ رسول اللہ ہیں۔ تو اپنی پشت بار بار
آپ کے سینے سے لپٹاتے تھے۔ اور تسکین نہیں ہوتی تھی۔

ایک دن رسول اکرم ؐ صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپ کسی ضرورت کے لئے اٹھے۔

پلٹنے میں دیر ہوگئی۔ صحابہ کرام کو تشویش ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ رض تلاش کو نکلے انصار کے ایک باغ میں پہنچے۔ اندر جانے کا راستہ نہ تھا۔ دیوار میں ایک سوراخ نظر آیا۔ اسی میں گھس کر اندر پہنچے۔ وہاں حضور کو دیکھ کر اطمینان ہوا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام کی پریشانی اور اضطراب کا حال بیان کیا۔ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد ایک دن حضرت عبداللہ بن عباس بیٹھے بیٹھے بول اٹھے۔ جمعرات کا دن۔ جمعرات کا دن۔ اس کے بعد اس قدر روئے کہ زمین کی کنکریاں تر ہوگئیں۔ حضرت سعید بن جبیر نے پوچھا کہ جمعرات کے دن کا کیا مطلب۔ فرمایا کہ اس دن حضور کے مرض الموت نے شدت اختیار کی تھی۔

حضرت بلال رض جو حضور کے موذن خاص تھے۔ آنحضرت کی وفات کے بعد کبھی اذان نہ دیتے تھے۔ کیونکہ آقا و مولا کی یاد سے دل بھر آتا تھا۔ ایک دن حضرت عمر رض کے عہد خلافت میں ان کے اصرار سے مجبور ہوگئے۔ اور اذان دینی شروع کی۔ ان کی اذان سن کر حاضرین پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ رسول اللہ کے عہد مبارک کا نقشہ آنکھوں کے آگے آگیا۔ دل بے چین ہوگئے سب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اور حضرت عمر کی تو ہچکی بندھ گئی۔

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست
بحر و بر در گوشۂ دامان اوست۔

نور الحبیب ص ۲۲ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ عطا محمد گولڑوی

—٥—

Abbas

بروز جمعۃ المبارک

۲۱-۰۷-۲۰۰۶

4:09:30 شام

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے۔ اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے۔
سلام اس پر ہوا پیدا جمال اولین جس کا۔ سلام اس پر لقب ہے رحمۃ للعالمین جس کا۔

نور الحبیب ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۲

ستمبر ۱۹۹۱ء

مختلف واقعات
عشقِ مصطفیٰ کے

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان گنت داستانیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ عاشقِ رسول حضرت خواجہ اویس قرنیؓ کو جب معلوم ہوا۔ کہ جنگِ احد میں آپ کا دندان مبارک شہید ہو گیا ہے۔ تو آپ نے پتھر لیکر اپنا ایک دانت توڑ لیا۔ اور پھر سوچا کہ شاید حضور کا کون سا دانت شہید ہوا ہے۔ اسی طرح آپ نے ایک ایک کر کے تمام توڑ دیئے۔ حضرت علامہ جلال الدین رومیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ ؎

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما — اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما

جنگِ احد میں حضرت عمارہ بن زیاد رضی اللہ عنہ زخموں سے چور ہو گئے۔ ایک تیر جسم میں پھنس کر رہ گیا۔ ہر چند کوشش کی مگر تیر نہ نکلا۔ زخم گہرا تھا۔ خون کافی بہہ چکا تھا۔ کمزوری زیادہ ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے دیکھا۔ کہ چند قدم کے فاصلے پر حضور تشریف فرما ہیں۔ دل میں خیال آیا۔ کہ کیا ہی اچھا ہو۔ کہ میرا سر ہو۔ اور سرکار کے قدم مبارک ہوں۔ جنونِ عشق نے طاقت بخشی۔ اٹھنے کی کوشش کی مگر گر پڑے۔ پھر اپنے جسم کو زمین پر گھسیٹنا شروع کیا۔ اور سرکارِ دو جہاں ﷺ کے مبارک قدموں پر سر رکھا اور جان قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ کیا عجیب منظر ہوگا۔ کہ نزع کا وقت ہے اور عاشقِ صادق کا سر۔ اپنے محبوب کے قدموں پر پڑا ہوا ہے۔ ؎

گر وقتِ اجل سر مرا تیری چوکھٹ پر جھکا ہو۔ جتنی ہو قضا ایک ہی سجدہ میں ادا ہو۔

نور الحبیب جلد ۳، ربیع الاول ۱۳۹۷ھ مارچ 1977

حورانِ جنت کا استقبال

حضور علیہ السلام کے صحابہ میں ایک حضرت
حبیب بھی تھے۔ جوان آدمی تھے۔ لیکن مفلسی کی
تصویر کچھ شکل وصورت بھی واجبی سی تھی۔
چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ لیکن طبیعت میں
کچھ ہنسی مذاق تھا۔ اس لئے بعض حضرات آپ
سے کچھ الگ تھلگ رہتے۔ آپ بھی جنگل کی
طرف نکل جاتے۔ اور لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور
انہیں بازار میں بیچ کر گزر اوقات کرتے اکثر
فاقہ سے رہتے۔ لیکن کسی کے آگے دست سوال دراز
نہ کرتے۔ عموماً مسجد نبوی میں ہی پڑے رہتے

ایک روز کچھ اداس بیٹھے تھے
حضور علیہ السلام نے جو دیکھا۔ تو پاس بلا کر
حال احوال دریافت فرمایا۔ حضرت حبیب نے
عرض کی۔ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر
فدا ہوں۔ بہ تقاضائے بشریت میرا دل چاہتا
ہے کہ میری شادی ہو جائے۔ لیکن سوچتا ہوں
مجھ سے کون شادی کریگا۔ نہ پلے پیسہ نہ بدن
پہ کپڑا۔ جوتا پاؤں کو تو نصیب ہی نہیں میرا نہ
گھر نہ گھاٹ پھر شکل وصورت بھی جیسی ہے
حضور دیکھ رہے ہیں۔ میری عادات کچھ ایسی
ہیں کہ میرے مسلمان بھائی مجھ سے الگ رہتے
ہیں۔ ایک اللہ کی ذات ہے اور حضور ہیں یہی
میری دنیا ہے۔ اور یہی میرا دین ہے۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ اگر اللہ ہے تو سب
کچھ ہے۔ جسے اللہ پر بھروسہ ہو وہ کبھی
گھاٹے میں نہیں رہتا۔ شکل وصورت بھی اچھی
ہے۔ جو اللہ نے بنا دی۔ ہنسنا ہنسانا بھی
کوئی بُری بات نہیں۔ حضرت حبیب سر جھکائے
خاموش بیٹھے تھے۔ اور حضور علیہ السلام کے
ارشادات سن رہے تھے۔ حضور اکرمؐ نے پھر
ارشاد فرمایا۔ حبیب اللہ پر بھروسہ رکھو۔ ان
شاء اللہ تمہاری شادی کا انتظام بھی کہیں ہو
جائیگا۔ میں بھی خیال رکھوں گا۔

جس روز حبیب نے اپنی شادی کیلئے
حضور اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ اس سے
اگلے ہی روز مدینہ کے ایک کھاتے پیتے انصاری
نے جس کی لڑکی شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھی
بارگاہِ رسول اکرمؐ میں حاضر ہو کر لڑکی کی شادی

کے متعلق خیر و برکت کی درخواست کی۔ اس
انصاری کے جانے کے بعد حضور انور نے حضرت
جلیبیب کو بلا کر اس انصاری کا نام پتہ دیا۔ اور
فرمایا۔ کہ تم اس انصاری کے پاس جاؤ۔ اور
میرا سلام کہو۔ اور میری طرف سے رشتہ کی
درخواست کر دو۔ حضرت جلیبیب کو حضورؐ
کا ارشاد سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ اور وہ
کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔
جلیبیب کیا سوچ رہے ہو۔ یا رسول اللہؐ
میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ لیکن اور
کچھ نہ کہہ سکے۔ اور سر جھکا لیا۔ حضور نے فرمایا
ہاں ہاں کہو۔ چپ کیوں ہو گئے۔ بات کرو۔
حضرت جلیبیب نے عرض کی۔ یا رسول اللہؐ
حضور کا حکم ہے۔ کہ میں اس انصاری کے
گھر جاؤں اور اس کی لڑکی کے لئے شادی
کا کہوں۔ حضور میری ان کی کیا مناسبت
وہ عزت والے۔ کنبے والے۔ صاحب حیثیت
اور میں کہ جو حالت ہے۔ حضور کو معلوم
ہے۔ نہ گھر نہ زر اور نہ شکل و صورت۔
کس بھروسہ پر جاؤں۔
ارشاد ہوا۔ خدا کے بھروسہ پر
تم اس انصاری کے پاس جاؤ۔ ان سے
میرا سلام کہنا۔ اور یہ بھی کہہ دینا۔ کہ تمہیں میں نے بھیجا
ہے۔ دوسرے دن حضرت جلیبیب اس انصاری کے
مکان پر گئے۔ اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے ایک
لونڈی باہر آئی۔ حضرت جلیبیب بولے۔ مجھے حضورؐ
نے بھیجا ہے۔ ذرا اپنے آقا سے کہہ دو۔ لونڈی اندر
چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ انصاری آ گئے۔ اور
سبقت کر کے السلام علیکم کہا۔ اور بیٹھنے کے لئے
اپنی چادر بچھا دی۔ حضرت جلیبیب نے حضور پر نورؐ
کا سلام دیا۔ اور کہا کہ مجھے رسول اللہؐ نے بھیجا آپ کے
پاس۔ پھر ذرا جھجکتے ہوئے اور دبی زبان سے اپنے
آنے کا مقصد بیان کیا۔ وہ صحابی یہ سن کر کہ جلیبیب
ان کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ کچھ کشمکش و
پیچ میں پڑ گئے۔ اور کچھ کہے سنے بغیر اٹھ کر اندر
چلے گئے۔ بیوی نے شوہر کو کچھ پریشان سا دیکھ کر
پوچھا۔ خیر تو ہے۔ جلیبیب کیسے آیا ہے۔ انصاری
نے بیوی کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔ میں نے حضور اکرمؐ
کی بارگاہِ پاک میں حاضر ہو کر لڑکی کی شادی کے
لئے عرض کیا تھا۔ حضور پر نور نے اسی لئے جلیبیب کو
میرے پاس بھیجا ہے۔ تمہارا مطلب یہ ہے۔ کہ ہم اپنی
لڑکی جلیبیب کے نکاح میں دے دیں۔ ہاں شوہر نے کہا
یہ سنتے ہی گھر والی کے تو تلوے ہی لگ گئے۔ بولی۔
جب جلیبیب نے لڑکی کی شادی کے لئے کہا تھا۔ تو تم نے کا

پیکرِ شکر راستہ دکھا دیا ہوا۔ نہ شکل و صورت
نہ بدن پر کپڑا۔ نہ پاؤں میں جوتا نہ پلے دھیلہ
نہ پیسہ۔ ابھی جاؤ۔ اور حضور اکرم سے ——
میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ
میں حاضر ہو کر انکار کر دوں۔ ہرگز نہیں میں
تو ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔ توبہ توبہ۔ ان
کی لڑکی ماں اور باپ کی تکرار سن کر کوٹھے پر
سے نیچے اتر کر آئی۔ اور باپ سے پوچھا۔ بابا
امی کیوں بگڑ رہی ہے۔ کیا بات ہے۔ امی ہی
سے پوچھ لو۔ باپ نے کہا۔ اور ماں بولی۔ تیرا
بابا۔ اس بھوکے جبیب کے پلے باندھنا چاہتا ہے
تجھے سن لیا۔ تجھے پلے باندھنا چاہتا ہے۔ لڑکی
نے ذرا تعجب سے کہا۔ میں سمجھی نہیں۔ اپنے باپ
سے پوچھ ماں نے کہا۔ باپ بولا۔ تمہاری امی نے مجھ
سے کہا تھا۔ کہ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر
ہو کر تمہارے لئے کبر کی درخواست کر دوں۔
آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جبیب
تمہارے نکاح کی درخواست کرنے میرے پاس آیا
ہے۔ اب تمہاری امی مجھ سے بگڑ رہی ہے۔
جبیب باہر بیٹھا میرا انتظار کر رہا ہے۔ بتاؤں
کیا جواب دوں۔ لڑکی بولی۔ بابا جائیے۔ اور
اس سے کہہ دیجئے کہ آپ اس سے میرا نکاح
کرنے کو تیار ہیں۔ جلدی —— کیا کہہ رہی ہو۔
ماں نے ٹوک کر غصے سے کہا۔ تم جبیب کی بیوی
ہو گی۔ شکل دیکھ کر ڈر آتا ہے۔ میں نے کئی
بار سنا ہے۔ کہ مسلمان اس کے پاس بیٹھنا بھی
پسند نہیں کرتے۔ نہ کریں۔ بیٹی بولی۔ وہ
خدا کے رسول اکرم کو تو پسند ہے۔ امی تم خدا
کا شکر کرو۔ میری اور اپنی قسمت پر ناز کرو۔
پھر باپ سے بولی۔ بابا جا کے ان سے
کہہ دیجئے۔ کہ حضور کا حکم سر آنکھوں پر آپ ان
سے میرا نکاح کرنے کو تیار ہیں۔ اندر یہ باتیں
ہو رہی تھیں۔ اور جبیب باہر بیٹھے اندر سے اونچی
اونچی ملفصیلی آوازیں آ رہی تھیں۔ سن رہے تھے۔
اور سمجھ رہے تھے۔ کہ انہی کا قصہ چل رہا ہے۔ اور
گھر والی ناراض ہو رہی ہے۔ اس خیال سے کہیں ان پر
کوئی آنچ نہ آ جائے۔ چپکے سے اٹھ کر چلے گئے۔
لڑکی کا باپ باہر آیا۔ تو جبیب کہیں نظر نہ آئے۔ وہ
واپس اندر گئے۔ بیٹی نے پوچھا بابا کہہ آئے۔ کس
سے کہتا۔ باپ بولا۔ وہ تو غالباً واپس جا چلے۔ بہت
برا ہوا۔ یہ تو واقعی بہت برا ہوا۔ لڑکی بولی۔ اگر
جبیب نے حضور سے شکایت کر دی۔ تو پھر ہم کہیں
کے نہ رہیں گے۔ پھر۔ بابا۔ آپ فوراً حضور
کی خدمت میں جائیں۔ اور جبیب سے میری شادی

کی حاجت پوری ہو۔ جلدی جائیے۔ ایسا نہ
ہو کہ وہ ہماری شکایت کر دیں۔

انصاری جس وقت مسجد نبوی میں
پہنچے تو لوگ نماز کی تیاری کر رہے تھے
اور جبیب بھی وہیں ایک طرف بیٹھے تھے
انصاری نے اطمینان کا سانس لیا۔
جبیب کو حضور اکرم کی خدمت میں کچھ کہنے
کا ابھی موقع نہیں ملا تھا۔ نماز کے بعد وہ
انصاری موقع پا کر حضور اکرم ؐ کی خدمت
میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ
میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ حضور کا
ارشاد ہمارے لئے باعث عزت بھی ہے۔ اور
فخر بھی۔ حضور جبیب سے فرما دیں۔ کہ یہ
جمعہ کی نماز کے بعد وہ آئیں۔ اور نکاح پڑھوا
کر بیوی کو لے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے خوش ہو کر خیر وبرکت کی دعا دی اور
انصاری دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا
ہوا کہ اس کی عزت رہ گئی۔ واپس چلا
گیا۔ اس کے بعد حضور ؐ نے جبیب کو بلا کر
مبارک باد دی۔ یا رسول اللہ میرے ماں
باپ آپ پر فدا ہوں۔ حضور اکرم کا ارشاد مجھے

کہ جمعہ کی نماز کے بعد میں انصاری کی لڑکی سے نکاح
کر کے بیوی کو رخصت کرا لاؤں۔ حضور ؐ کو معلوم ہی ہے
کہ نہ میرا گھر ہے۔ نہ میرے پاس پیسہ ہے۔ ایک اللہ کا
نام ہی ہے۔
حضور نبی اکرم ؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سب
مشکلیں حل فرما دے گا۔ مسلمان کو چاہیئے کہ وہ
مایوس نہ ہو۔ اللہ ہی سب کا کارساز ہے۔ اور مالک
ہے۔ اور اپنے بندوں کی طرف سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔
پھر حضور نے ارشاد فرمایا۔ عثمان غنی ؓ کے پاس جاؤ
ان سے میرا سلام کہنا۔ اور اپنی حاجت بیان کرنا۔ ان
شاء اللہ سب انتظام ہو جائیگا۔ جبیب حضرت عثمان
سے جا کر ملے۔ پہلے حضور کا سلام پہنچایا۔ پھر اپنی حاجت
بیان کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی وقت رہنے کو
ایک مکان اور شادی کے اخراجات کے لئے۔ نقدی دے دیئے
اور کہا۔ کہ جب کبھی ضرورت ہو۔ تو مجھ سے کہہ دیا کرو۔ حضور
اکرم ؐ کو تکلیف مت دیا کرو۔ نکاح میں ایک روز باقی
تھا۔ جبیب بازار میں بیاہ کیلئے سامان خریدنے گئے
پاس سے ایک ملنے والے گزرے۔ انہوں نے پوچھا۔ جبیب
کیا لئے جا رہے ہو۔ جبیب بولے۔ کل نماز کے بعد میرا نکاح
ہے۔ تم بھی ضرور آنا۔ کہاں جا رہے ہو۔ اس وقت
دوسرے نے جواب دیا۔ اسلام کا دشمن ابوسفیان
اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آگیا

ہے۔ حضور اکرمؐ اس کی روک تھام کے لیے جا
چکے ہیں۔ میں بھی جا رہا ہوں۔ دعا کرو۔ لڑائی
سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
پہنچ جاؤں۔ اتنا کہہ کر اس نے اپنی راہ لی۔
حبیب نے جدیا سنا۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ
وسلم کفار سے لڑنے کو گئے ہیں۔ تو فوراً
نے جوشن مارا۔ سب سامان وہیں چھوڑا ایک
تلوار اور گھوڑا لے کر جدھر مجاہدین اسلام
گئے تھے۔ ادھر کی راہ لی۔ لیکن غلطی سے اپنے
لشکر کی جانب جانے کی بجائے ابوسفیان کے
لشکر کے عقب میں جا نکلے اور جوش جہاد میں
اپنے لشکر کی طرف لوٹ آنے کی بجائے نعرے مارتے
ہوئے۔ لشکر کفار پر ٹوٹ پڑے۔ اور بہادری
سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

ابوسفیان کو خیال تھا۔ کہ وہ بے خبری
میں مسلمانوں پر حملہ کر دیگا۔ لیکن یہاں آکر
لینے کے دینے پڑ گئے۔ جاسوسوں نے حضورؐ
کو کفار کے آنے کی اطلاع دے دی تھی۔ اور
حضور دشمنوں کے آنے سے پہلے ہی اپنے جانثا
روں کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل آئے تھے۔ ایک
خندق سے مقابلہ کے بعد کفار میدان چھوڑ کر
بھاگ نکلے۔ دونوں طرف سے کچھ آدمی اس معرکہ

میں کام آئے تھے۔ مسلمان ادھر ادھر سے اپنے
شہید بھائیوں کو اٹھا کر لاتے تھے۔ اور دفن کر دیتے
تھے۔ جب شہدا دفن کر چکے۔ تو رسول خداؐ
نے فرمایا۔ لڑائی کے دوران مجھے اپنے ایک دوست
کی دو چار بار آواز سنائی دی تھی۔ کسی اسے
بھی تو دیکھو۔ لوگوں کو تعجب تھا۔ کہ وہ کون خوش
قسمت ہے۔ جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دوست
فرما رہے ہیں۔ حضور نے خود ہی فرمایا۔ کہ میں نے
ابوسفیان کے لشکر کی طرف سے حبیب کے
نعروں کی آواز سنی تھی۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ
انہوں نے کفار کے لشکر پر عقب سے حملہ کیا
تھا۔

کچھ دیر بعد چند مجاہد حضرت حبیب کی لاش
اٹھا لائے۔ ان کا بدن زخموں سے چھلنی ہو رہا تھا
وہ خدا کی راہ میں شہید ہو چکے تھے۔ کچھ دیر بعد
جب حبیب کا جنازہ اٹھایا گیا۔ تو حضورؐ بار بار
مدینہ بھی ساتھ تھے۔ لوگوں نے دیکھا۔ کہ حضور
چلتے چلتے اپنا پاؤں اس طرح بچا رہے ہیں جیسے
کسی کے پاؤں کے نیچے کچلے جانے کا ڈر ہو۔ جب
لوگ حضرت حبیب کو قبر میں اتار رہے تھے۔ تو
اکثر رقیق القلب لوگوں کی آنکھوں سے آنسو گر
رہے تھے۔ لیکن حضور اکرمؐ کے چہرہ مبارک پر

مسکراہٹ مکمل رہی تھی۔ یہ بھی لوگوں کے لئے بڑی عجیب بات تھی۔ اس واقعہ کے دو ایک روز بعد کچھ صحابہ مسجد میں بیٹھے حضرت حبیب کی شہادت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ کے ہمراہ جانے کے متعلق باتیں کر رہے تھے کبھی حضور کی طرف بھی کنکھیوں سے دیکھ لیتے حضور اقدس سمجھ گئے۔ کہ وہ لوگ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔ حضور کے پوچھنے پر صحابہ کرام میں سے ایک نے عرض کی۔ یارسول اللہ۔ ہمارے ماں باپ حضور پر فدا ہوں۔ حضور جب حبیب کے جنازے کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے۔ تو غلاموں نے دیکھا۔ کہ حضور چلتے چلتے اپنا پاؤں مبارک کبھی کھینچ لیتے ہیں۔ پھر جب حبیب کی میت قبر میں اتاری جا رہی تھی۔ تو حضور مسکرا رہے تھے یہ دونوں باتیں ہم غلاموں کے لئے کچھ عجیب سی تھیں۔ حضور اکرم نے ارشاد فرمایا۔ تم لوگ جب حبیب کا جنازہ اٹھائے لئے جا رہے تھے۔ تو جنازے میں اتنے فرشتے شامل تھے۔ کہ چلتے چلتے میرا پاؤں ان کے پاؤں پر اور ان کا پاؤں میرے پاؤں پر پڑ جاتا تھا۔ اس لئے میں قدم کھینچ لیتا تھا۔ جب تم لوگ میت قبر میں اتار رہے تھے۔ تو حوران جنت شہید کے استقبال کو اس کثرت سے موجود تھیں۔ کہ میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ کہ یہ اسی حبیب کا جنازہ ہے۔ جس کا پاس بیٹھنا بھی تمہیں پسند نہ تھا۔ اس کا مرتبہ دیکھ کر میں خوش ہو رہا تھا۔ اللہ کے حضور میں امیر غریب خوبصورت اور بدصورت کی کوئی تمیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اگر کوئی چیز مقبول ہے۔ تو بندے کے نیک اعمال ہیں۔

نور الحبیب ص ۲۰ ماہ صفر ۱۴۰۱ - ۱۹۸۰ء

تحریر محمد اسلم (مرد حق) عنوان

۱۶-۸-۲۰۰۶

خطاب ... المبارک

۱۸-۸-۰۶

مولانا ابوالسرور منظور احمد نوری خلیفہ شعور

موت کی حیات

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پہ
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

موت کو کس نے دیکھا ہے۔ نظر نہ آنے کے باوجود ہر شخص اس سے لرزاں و ترساں ہے۔ کیوں نہ ہو اس نے کس کو چھوڑا بھی ہے۔ یہی تو ہے۔ جو بچوں کو یتیم۔ عورتوں کو بے سہارا اور للہاتے گلشن کے لہلہاتے چمن کی بہاروں کو اپنی بادِ سموم سے خزاں کر دیتی ہے۔ یہی تو ہے۔ جو ماؤں کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور سرور قلب چھین کر گود برباد کر دیتی ہے۔ بھائی کو بھائی سے بیٹا باپ سے۔ باپ بیٹے سے۔ بہن بھائی سے۔ بھائی بہن سے۔ رشتہ داروں سے یاروں سے غمگساروں سے ایک دوسرے کو جدا کرنا۔ رات دن اس کا مشغلہ ہے۔ پیار بھرے دلوں کے مشاغل دردوستی سے لبریز محافل سرور وجد سے پرنم مجالس کو آنِ واحد میں نیست و نابود کرنا۔ اس کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔

مگر بااللہ شرف کچھ بندے ایسے بھی ہیں۔ جو موت سے نہیں۔ بلکہ موت اُن سے ڈرتی ہے ہاں ہاں یہ وہ لوگ ہیں۔ جو موتوا قبل ان تموتوا کے مصداق بن کر اپنی فانی زندگی کے عوض حیات جاودانی خرید چکے ہوتے ہیں۔ خالق کائنات نے اپنی مقدس کتاب میں اس تجارت کا اس طرح ذکر فرمایا۔ ان اللہ اشترٰی من المؤمنین ——— بان لھم الجنۃ بےشک اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں سے جنت کے بدلے ان سے ان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں۔ اور پھر آخر میں ذٰلک الفوز العظیم کی مہر لگا کر اس سودے کو اور پختہ کر دیا۔ چونکہ یہ لوگ اپنی زندگی ہی میں موت سے نبرد آزمائی کر چکے ہوتے ہیں۔ اور اس کو اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ ط۔ کے مطابق طالب کو مطلوب تک وصول کا ذریعہ جانتے ہیں۔ لہٰذا اس سے گھبراتے نہیں بلکہ چاہتے ہیں۔ یہ لوگ بطن ارض میں بھی ایک الوکھی زندگی سے زندہ ہوتے ہیں۔ بلکہ اپنے مزاروں میں مردہ دلوں کو زندگی بخشتے ہیں۔ مولانا جامی علیہ الرحمۃ وصل محبوب کی سبق بے نام سے شہادت پانے کے بعد اپنی کیفیت بسملی کو یوں بیان کرتے ہیں

ہ تو دادہ دل گئے من مردہ از غیرت بسے یکبار مہر دہر کسے بے چارہ جامی بار ہا۔

ان پاک بندوں میں سے چند ایک شخصیتوں کا ذکر نوکِ قلم پر لا رہا ہوں۔ سنیے سر دھنیے۔ اور اللہ والوں کی شان کا اندازہ لگائیے۔

۱ - حضرت عبداللہ کے بیٹے سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ -

جب حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ لوگ آپ کا جنازہ اٹھاتے جا رہے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک یہودی اپنے ہزار یہودیوں سمیت ننگے پاؤں دوڑتا ہوا۔ آیا قریب آکر جنازہ برداروں سے کہنے لگا۔ جنازہ نیچے رکھو۔ میں نے ان سے کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہونا ہے۔ لوگ اس کی باتیں سن کر حیران ہو رہے تھے۔ جنازہ اتارنے کے بعد وہ یہودی اپنے ساتھیوں سمیت قریب آکر عرض کرتا ہے۔ اے خواجہ ہمیں خود کلمہ شہادت پڑھا کر مسلمان کرتے جائیے۔ تا کہ میدانِ محشر میں آپ ہمارے گواہ رہیں۔ ابھی اس کے یہ الفاظ پورے نہ ہونے پائے تھے۔ کہ حضرت خواجہ سہل بن عبداللہ کے ہاتھ مبارک کفن سے باہر آ گئے۔ آنکھ مبارک کھولی۔ اور فرمایا پڑھو۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ سب یہودی بیک زبان کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے ہیں

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی — بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

پھر اس نے اپنے مسلمان ہونے کی وجہ سے لوگوں کو یوں بیان کی۔ جب آپ لوگ حضرت کا جنازہ اٹھائے باہر آ رہے تھے۔ تو آسمان پر ایک شور برپا تھا۔ میں نے جب آسمان کی طرف دیکھا۔ فرشتے اپنے ہاتھوں میں نور بھرے طبق لیے حضرت کے جنازہ پر نثار کر رہے تھے۔ یہ منظر دیکھتے ہی دل نے فیصلہ دیا۔ کہ واقعی دین اسلام حق ہے۔ جبکہ محمد عربی ﷺ کے غلاموں کی یہ شان ہے۔ تو خود آقا کا کیا مقام ہو گا۔ (راحت القلوب) ص۷۸

۲ - حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ = ایک مرتبہ شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا۔ کہ میں عرشِ الٰہی سر پر اٹھائے جا رہا ہوں۔ صبح ہوئی سوچنے لگے۔ اس خواب

کی تعبیر سے دریافت کی جائے۔ خیال آیا۔ کہ شیخ بایزید کے ہوتے ہوئے۔ اور کون
ہے۔ جو بہتر تعبیر کر سکے۔ یہ سوچ کر آپ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ کے محلے میں
گئے۔ تو ایک کہرام برپا تھا۔ حیران ہو کر لوگوں سے دریافت فرمایا۔ یہ شور و غل کیسا ہے۔
جواب ملا۔ کہ آج رات خواجہ بایزید کا وصال ہو چکا ہے۔ یہ ان کا جنازہ جا رہا ہے۔
سن کر ایک درد بھری آہ نکالی لوگوں کے جم غفیر کو چیرتے ہوئے۔ جنازہ کے قریب
پہنچ کر کندھا دیتے ہوئے پرنم آنکھوں اور درد بھرے دل سے عرض کرتے ہیں۔ یا حضرت
خواجہ۔ بندہ تو خواب کی تعبیر دریافت کرنے حاضر ہوا تھا۔ اور آپ ہیں۔ کہ مالک حقیقی
سے جا ملے۔ جنازے سے آواز آئی اے علی سن تو نے جو خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر یہ ہے
یہی بایزید کا جنازہ عرش خدا ہے جو تو سر پر اٹھائے جا رہا ہے۔ اللہ اکبر ؎
؎ کون کہتا ہے۔ کہ مومن مر گئے۔ قید سے چھوٹے وہ اپنے گھر گئے۔
۳۔ حضرت خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ = حضرت خواجہ ذوالنون مصری ؒ
اپنے معتقدین کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اور گفتگو اولیائے کرام کے وصال کے بارے
میں شروع ہوئی۔ تھوڑی دیر گزری ایک نوجوان سبز پوشاک پہنے ہاتھ میں ایک سرخ
سیب لئے مجلس میں شامل ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ خوش آمدی و
نیکو آمدی و صفا آوردی۔ کچھ مدت مجلس میں شرکت کے بعد اس نوجوان نے وہ سیب حضرت
کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے۔ اجازت چاہی۔ آپ نے با اکرام وہ سیب دونوں ہاتھوں
سے لیا۔ اور مسکرا کر فرمایا۔ آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ بعدہٗ دیگر ارادت کیشوں
کو بھی اجازت فرما دی۔ اور قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ جیسا کہ کلام اللہ کا
ختم فرما لیا۔ تو اس سیب کو سونگھا اور جان عزیز جان آفریں کو سونپ دی۔
بعد از غسل و تکفین لوگ جنازہ اٹھائے نماز جنازہ ادا کرنے کیلئے نکلے۔ جب مسجد
کے قریب پہنچے۔ تو اذان ہو رہی تھی۔ مؤذن نے جب اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔ پڑھا تو
حضرت خواجہ کا ہاتھ کفن سے باہر آیا۔ اور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے بآواز

بلند اشہد ان محمد رسول اللہ ۔ پڑھا۔ اور انگلی یوں ہی کھڑی رہی ہے۔ لوگوں نے اس کو نیچے
کرنے کی کوشش کی لیکن نیچے نہ ہو سکی۔ دوبارہ آواز آئی۔ کہ جس انگلی کو ذوالنون
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کھڑا کیا ہے۔ جب تک پیارے آقا کا دامن
تھام نہ لے گی۔ ہرگز نیچے نہ ہو گی۔ ؎

جھولیاں سب کی بھرتی جاتی ہیں۔ دینے والا نظر نہیں آتا۔
ہم پہ سایہ ہے۔ ان کی رحمت کا جن کا سایہ نظر نہیں آتا۔

۴۔ حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ
کو سرکار دوعالم نور مجسم ﷺ کی زیارت بایں کیفیت ہوئی۔ جیسے کسی کے منتظر ہیں عرض کی
حضور فداک امی وابی کس کا انتظار ہے۔ فرمایا معین الدین اجمیری کا۔ چنانچہ اسی رات حضرت
خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ بعد از وصال آپ کی پیشانی پر یہ لکھا ہوا دیکھا گیا۔
حبیب اللہ مات فی حب اللہ۔ اس کے بعد حضرت خواجہ بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اپنے
ملفوظات راحت القلوب ص ۵۳ پر ایک آپ بیتی تحریر فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں اجمیر میں
کچھ مدت حضرت شیخ الاسلام خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ مبارک میں معتکف تھا
عرفہ کی رات روضہ مبارک کے نزدیک نماز ادا کی۔ وہیں کلام میں مشغول ہو گیا تھوڑی
رات گزری تھی۔ کہ میں نے پندرہ سپارے ختم کر لیے۔ مجھے ٹھیک یاد نہیں شاید سورۃ کہف
یا سورۃ مریم میں مجھ سے ایک حرف ترک ہو گیا۔ حضرت مخدوم کے روضہ مبارک سے آواز آئی
کہ یہ حرف چھوڑ گئے ہو۔ اسے پھر پڑھو۔ میں نے دوبارہ اس آیت کو پڑھا۔ پھر آواز آئی
اب عمدہ پڑھ رہے ہو۔ خلف الرشید ایسا ہی کیا کرتے ہیں ؎

زندہ نام تنہاں دا باہو۔ قبر جنہاں دی جیوے ہو۔

نور الحبیب ص ۱۵ ربیع الاول۔ مولانا [illegible] تاجور

۲۲-۰۷-۲۰۰۶

Muoulana Qari Muhammad Abbas Nizami
Distt. Teh. Pakpattan

خلاصہ ۲۸-۷-۰۶

اسوۂ حسنہ

حضرت فقیہ اعظم مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی مدظلہ

الحمد للہ وکفی والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا و مولٰنا محمد ن المصطفٰی وعلی آلہ
واصحٰبہ اولی الصدق والصفا اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان
یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا (سورۃ الاحزاب پ ۲۱ ع ۱۹)

اللہ کی قسم ضرور ہے تمہارے لیئے اللہ کے اس رسول میں اسوۂ حسنہ یعنی اچھی پیروی ہر اس شخص کیلئے جو اللہ اور پچھلے دن کا امیدوار ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے یعنی ہر ایسا شخص عام ازیں کہ مرد ہو یا عورت جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا امیدوار اور قیامت کے دن نجات کا طلبگار ہو۔ اُس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنائے اور اپنی زندگی کے تمام کام اور سب عادات اور طور طریقہ سیرت طیبہ کے عین مطابق بنائے۔

اُسوہ کی تحقیق | اُسوہ کا معنی ہے۔ کسی کی پیروی کرنا۔ اور ایسی حالت وہیئت جو پیروی کرنے کے وقت پیروکار بن جاتی ہے۔ عربی میں اُس کو بھی۔ اُسوہ کہا جاتا ہے۔ پھر اگر کسی اچھے کی پیروی ہو تو اُسوہ حسنہ کہا جاتا ہے۔ اور بُرے کی پیروی ہو تو اُسوہ سیئہ یعنی بُرا اُسوہ بن جاتا ہے۔ اور چونکہ ہمارے ہادی برحق محبوب مطلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب اچھوں سے اچھے ہیں۔ لہٰذا اُن کا اُسوہ بھی اُسوؤں سے اچھا اُسوہ بنا۔ اور چونکہ وہ سب رسولوں سے افضل واعلیٰ اور سب سے آخری رسول ونبی ہیں۔ تو اللہ رب العالمین نے اسوۂ حسنہ کو ان کی ذات بابرکات کے ساتھ ہی مخصوص کردیا۔ یعنی ایسی پیروی جو اللہ کو پسند ہے۔ اور قیامت کے دن باعث نجات ہے۔ وہ صرف محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی پیروی ہے۔ اور ایسا پیروکار جس کی حالت اور ہیئت پیروی اللہ کو پسندیدہ ہے۔ اور قیامت کے دن نجات دہندہ ہے

ہے۔ وہ صرف محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کی حالت دہشت ہے جو
حضور کی پیروی کے وقت طاری ہوتی ہے۔ لفظ اُسوہ کا ماخذ اسوای اور
اُسا ہے۔ علاج اور زخم ٹھیک کرنے کو عرب اسوہ اور اسا کہتے ہیں۔ اور
زخم خوردہ دلوں کو تسلی و تشفی کے معنی میں بھی یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

اخلاقی و روحانی امراض کا حقیقی علاج

حضور کا اُسوۂ حسنہ بھی زخمی انسانیت
کے ناسوروں کا صحیح علاج ہے۔ اور زمانہ بھر کے زخمی دلوں کی تسلی و تشفی کیلئے
شافی و کافی سامان ہے۔ میرے پیارے بھائیو۔ اگر حقیقی شفا یابی مطلوب ہے۔ تو اسوہ
حسنہ کو اپناتے ہوئے۔ یہی اصل علاج کرو۔ ورنہ یاد رکھو کہ جو مریض اصلی چھوڑ
کر جعلی اور نقلی علاجوں کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ تندرستی کی بجائے۔ دن بدن موت
سے قریب تر ہوتے جاتے ہیں۔

ہمارا فرض

اللہ رب العالمین ارحم الراحمین ہے۔ اس کا فضل و کرم ہے۔ کہ اس نے
ہماری دنیوی و اخروی کامیابیوں اور دارین کے دکھوں کی شفایابیوں کے لئے۔ ہمارے
اوپر لازم فرما دیا کہ ہم اسوۂ حسنہ کو اپنائیں۔ ہماری عادات حضور کی عادات مبارکہ
کا صحیح نقشہ ہو۔ اور ہماری عادات حضور کی عادات پاک کا عین چربہ ہو۔ حضور پر نور
صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حقوق جس ذوق و شوق سے ادا فرمائے۔ ہم بھی اسی طرح
پورے کریں۔ انسان تو انسان حضور نے حیوانوں اور بے جان چیزوں کے حقوق بھی ادا
فرمائے۔ کیا یہ چمکتی ہوئی تاریخی حقیقت نہیں۔ کہ کھجور کی وہ خشک لکڑی جو مسجد نبوی
کا ستون تھی۔ جس کے پاس کھڑے ہو کر حضور خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب ممبر شریف تیار
ہو کر آگیا۔ اور حضور اس پر جلوہ گر ہوئے۔ تو وہ خشک لکڑی حضور کے عشق و محبت
سے اتنا سا فراق بھی سہار نہ سکی۔ اور نہایت ہی سوز و گداز سے عقل مندوں کی طرح گریہ
عاشقانہ شروع کر دیا۔ تو اس شہنشاہ کون و مکان نے اس خشک لکڑی کا تھوڑا سا
حق مصاحبت بھی نظر انداز نہ فرمایا۔ بلکہ کمال رحمت سے ممبر شریف سے اتر کر اس خشک

لکڑی کو گلے لگا لیا۔ اور تسلی و تشفی دی۔ حتیٰ کہ وہ سسکیاں لیتی ہوئی رونے سے
یوں چپ ہوئی۔ جیسے روتے بچے کو ماں پیار سے چپ کرائے۔ تو سسکیاں بھرتے
ہوئے چپ ہوتا ہے۔ —— حضور کی سیرت مبارکہ کا ہر پہلو چمکتا ہوا باب ہے
کہ جب سفر سے واپس ہوتے تو مدینہ منورہ کے در و دیوار دیکھ کر یوں عشق محبت ادا
فرماتے کہ اپنی سواری تیز کر دیتے۔ اُحد شریف پہاڑ دیکھ کر فرماتے۔ کہ یہ ہم سے محبت
کرتا ہے۔ اور ہم اس سے۔ —— سبحان اللہ ہم ایسے رحیم و کریم رسول برحق
کے امتی ہیں۔ کیا ہمارا فرض نہیں۔ کہ ہم بھی تمام حق والوں کے حقوق ادا کریں۔ حضور
نے تو چھوٹے چھوٹے خود عطا کردہ حقوق بھی نہیں بھلائے۔ مگر ہم ہیں۔ کہ بڑے بڑے
حقوق بھی ہضم کر جاتے ہیں۔ اللہ چشم بینا عطا فرمائے۔

تقاضائے محبت اُسوہ حسنہ کو اپنانا یوں بھی ضروری ہے۔ کہ ہمارے حضور محبوب
دو عالم ہیں۔ قرآن پاک اور حدیث سے صراحتاً ثابت ہے۔ کہ ایمان کی تکمیل ہی تب
ہوتی ہے۔ جب حضور ماں باپ اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ پیارے ہو جائیں۔
اور محبت کا مسئلہ "قاعدہ ہے۔ کہ محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ بلکہ ہر ایسی شے
جسے ہلکی سی نسبت بھی محبوب کے ساتھ ہو۔ عاشق کی نظروں میں محبوب بن جاتی ہے
محبوب کی گلی سے ایک مرتبہ گزرنے والا کتا بھی لائق احترام بن جاتا ہے۔ محبوبوں کے
کھنڈرات سے عشق و محبت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اور اولیاء اللہ کے روضوں کے اندر
اور پتھر چومے جاتے اور ان کے در و دیوار کو بوسے دیئے جاتے ہیں۔ مدینہ منورہ اور
مکہ مکرمہ کا ایک ایک پہاڑ ہمارا محبوب ہے۔ وہاں کے روڑ اور کنکر پیارے ہیں۔ بلکہ
اللہ رب العالمین نے شہر مکہ کی قسم اس لئے ذکر فرمائی۔ کہ اس زمین نے محمد مصطفیٰ ؐ
کے قدم چومے قرآن کریم میں حکم دیا۔ کہ اس پتھر کو سجدہ گاہ بنایا جائے جس پر
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قدم پاک منقوش ہے۔ بہر حال محبت کا یہ دستور مسلم
ہے۔ کہ محبوب کی ہر شے محبوب بن جاتی ہے۔ تو اس محبوب اعظم کے قول جو سب قولوں سے

فائق ہے۔ اور عمل جو سب عملوں سے اعلیٰ اور حال جو سب حالوں سے برتر۔ اور روحانیت
سے پر ہیں۔ وہ ہمارے محبوب کیوں نہ بنیں گے۔ حضور کی محبت صادقہ کا پُرزور تقاضا ہے کہ ہم
ہر وقت حضور کی عادات کریمہ اور اطوار مبارکہ کو پیش نظر رکھیں تاکہ ہماری برائے نام زندگی
حقیقی و ابدی زندگی بن جائے۔

؎ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما۔

محبت کا عظیم ثمرہ ہاں اس پر بھی غور کریں کہ حضور سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم
صرف ہمارے ہی محبوب نہیں بلکہ اللہ رب العالمین کے بھی محبوب اعظم ہیں۔ لہٰذا حضور کی سیرت
پاک کا ایک ایک باب اور ان کی ایک ایک ادا۔ ایک ایک بات سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک
محبوب ہیں۔ کیونکہ محبوب کی ہر شئے محبوب ہوا کرتی ہے۔ تو جو شخص اسوۂ حسنہ کو اپنائے
اپنے تمام عادات و اطوار اور اقوال و افعال سب سیرت پاک کے مطابق بنائے تو ایسا شخص
یقیناً اللہ رب العالمین کا خصوصی محبوب بن جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی ایک ایک ادا ادائے محبوب
اعلیٰ کا نقشہ و عکس ہونے کے باعث محبوب ہے۔ جب کسی ایک محبوب کی نسبت سے شئے
محبوب بن جاتی ہے۔ تو صدہا محبوب اداؤں کی نسبتوں سے ان کا حامل اور محل انسان
کیونکر محبوب خدا نہ بنے گا۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو آشکارا فرمایا۔ ارشاد ہوا فاتبعونی
یحببکم اللہ۔ یعنی اے پیارے محبوب اعلان فرما دو کہ لوگو میری پیروی کرو تو اللہ تمہیں محبوب بنا لے گا
اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا شان و شرف اور کیا عظمت ہو سکتی ہے کہ ہم
اللہ کے محبوب بن جائیں۔ خلافت الٰہیہ کے مسند نشین بنیں۔ صرف زمین کے بحر و بر یا
فضاؤں کی وسعتیں نہیں۔ بلکہ آسمانوں پر بھی ہماری فرمانروائی ہو۔ یہ کیوں صرف اس
لیے کہ محبوب محبت میں نہیں شریک ٹھہرا۔ علامہ اقبال اسی غلامی سے حاصل شدہ
محبوبیت کا نرالا شان اپنے مخصوص انداز میں بیان فرماتے ہیں۔ ؎

؎ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے۔

بہرحال اُسوۂ حسنہ کو اپنانا نہایت ہی اہم اور بہت ضروری ہے۔ جس پہلو سے بھی غور کیا جائے۔ اس کی اہمیت روزِ روشن و تاباں دکھائی دیتی ہے۔

۱۴۰۲ نورالحبیب صـ۶ میلادالنبی ۲۰۰۶-۷-۲۲

افاضاتِ فقیہ اعظم | (۳) وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی (نجم ۳-۴)

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔ (کنزالایمان)

قرآنِ حمید کی اس آیت سے یہ ثابت ہوا۔ کہ روحِ کونین فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات خدا کی بات۔ ان کا کلام خدا کا کلام۔ ان کی گفتگو خدا کی گفتگو۔ ان کا زبان خدا کا زبان اُن کا حکم احکم الحاکمین کا حکم جو زبانِ رسول کا انکاری وہ زبانِ خدا کا منکر جو حدیثِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے باغی وہ دراصل قرآنِ خدا کا باغی۔ چونکہ خداوند تعالیٰ دیگر اعضاءِ جسمانی کی طرح زبان سے بھی پاک ہے۔ اس نے اپنی مخلوق تک اپنے احکام و فرامین پہنچانے کیلئے زبانِ مصطفےٰ کو واسطہ بنایا۔ اسی لئے کتابِ مبین میں لسانِ محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نطق کو اپنا نطق قرار دیا۔ اور اہلِ دنیا پر واضح کر دیا۔ کہ میرے محبوب منزہ عن النقائص والعیوب تو کبھی اپنی خواہش سے گویا نہیں۔ ہوتے۔ بلکہ جب میرا حکم ہوتا ہے۔ تو زبانِ فیض رساں جنبش میں آتی ہے۔ اور پھر ان کی اپنی خواہش بھی نہیں۔ جو تمنا بھی ہوئی۔ تو رب العالمین کے عین مطابق ہوئی۔ اسی لیے تو قادرِ قیوم مرضیٔ مصطفےٰ (علیہ التحیۃ والثناء) کو پورا کرنے میں تاخیر نہیں فرماتا۔ اگر آپ نے تحویلِ قبلہ کی آرزو فرمائی۔ تو خدائے قدیر نے فلنولینک قبلۃ ترضٰھا۔ کا حکم نازل فرما کر اس تمنا کو تکمیل بخشی۔ غرضیکہ جو محبوب نے چاہا۔ پورا کر دیا۔ جو زبان سے نکلا۔ واقعہ کو اس کے مطابق کر دیا۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم   خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سورۃ بقرہ میں خالقِ کائنات نے اپنی قدرتِ کاملہ اور تصرف فی الکونین کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ واذا قضیٰ امرًا فانما ـــــ فیکون۔ اور جب کسی بات کا حکم فرمائے

تو اس سے یہی فرماتا ہے۔ کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ چونکہ حبیب خدا محمد مختار ؐ مظہر ذاتِ خدا ہیں۔ اس بنا پر لفظ کُن کا پورا پورا تصرف و اثر زبانِ فیض رساں سے بھی ظہور پذیر ہوا۔ کیوں نہ ہو۔ ؎

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا چشمہ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام۔

(مسلم شریف ص ۱۳۶۱ ج ۲ - اصابہ ص ۵۴ ج ۴) میں حدیث کعب بن مالک مندرج ہے۔ جس میں لکھا ہے۔ کہ غازیانِ اسلام کا لشکر جب مقام تبوک میں قیام پذیر ہوا۔ تو بعض مجاہدین نے اُن حضرات کے بارے میں طعن و تشنیع اور اظہار شکوہ فرمایا۔ جو لشکر تبوک میں شامل نہ ہو سکے۔ اس سلسلے میں حضرت کعب بن مالک کا بھی تذکرہ ہوا۔ تو اُن کی عدم موجودگی کے بارے میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وافی اور اطمینان بخش جواب دیا۔ اسی دوران ایک شہسوار اپنے سفید کپڑوں میں چمکتا ہوا آتا دکھائی دیا۔ تو اُن کے بارے میں قیاس آرائیاں شروع ہو گئیں کہ یہ آنے والا گھوڑ سوار کون ہے۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کن ابا خیثمہ فاذا هو ابوخیثمۃ الانصاری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دور آنے والے شخص کو گویا مخاطب ہو کر فرمایا۔ ابو خیثمہ ہو جا۔ تو وہ ابو خیثمہ ہی نکلے۔

یاد رہے یہ کوئی اتفاقی امر نہ تھا۔ بلکہ نبی مختار۔ محبوب پروردگار صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم تصرف اور لفظ کن کی تاثیر کا ایک نادر نمونہ ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے تحت محدث ابو زکریا یحیٰی بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ شارح مسلم شریف نے تحریر کیا ہے۔ قال القاضی عیاض والاشبہ عندی ان الکلام کن هنا للتحقیق والوجود ای لتوجد یا هذا الشخص ابا خیثمہ حقیقۃ = قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ (صاحب شفا شریف) نے فرمایا میرے نزدیک یقینی امر یہ ہے۔ کہ کن فرما کر اس آنے والے شخص کی ماہیت و حقیقت کو ابو خیثمہ کی حقیقت سے بدل دیا۔ هذا الذی قالہ القاضی هو الصواب یعنی قاضی عیاض علیہ الرحمۃ کا یہ معنی برحقیقت معنیٰ میرے نزدیک بھی حق ہے۔ تو معنیٰ یہ بنا۔ اے اللہ اس کو

ابو خثیمہ ہی کر دے۔ تو وہ ابو خثیمہ ہی نکلے (نیز اصابہ ص ۶۵ ج ۴)۔(الیواقیت والجواہر ص ۱۴۷ ج ۱) (فتوحات مکیہ ص ۳۰۰ ج ۲ میں بجائے ابو خثیمہ کے ابو ذر کے الفاظ مرقوم ہیں۔

لکڑی تلوار بن گئی

حضرت عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ بدر میں مصروف جہاد تھے۔ لڑتے لڑتے تلوار ٹوٹ گئی۔ عالم افسردگی میں دنیا کے عظیم جرنیل محسن آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوئے۔ اور ٹوٹی تلوار پیش کر کے جدید اسلحہ کی درخواست گزاری۔ سرور دو عالم۔ فخر آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں کھجور کی ایک لکڑی تھی۔ فوراً عکاشہ مجاہد کے ہاتھ میں تھما دی اور اس چھڑی سے آقائے کائنات علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ کن سیفا فکان سیفًا۔ اے لکڑی تلوار ہو جا۔ تو وہ فوراً تلوار بن چکی تھی۔ حضرت عکاشہ عمر بھر اسی تلوار ذوالفقار سے لڑتے رہے۔ حتیٰ کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اہل ردّہ کی لڑائی میں جام شہادت نوش فرمایا۔ اور اس تلوار کا نام انہوں نے (عون) رکھا ہوا تھا۔ حوالے کیلئے ملاحظہ ہو۔ شفا شریف ص ۲۱۹ ج ۱۔ الیواقیت والجواہر ص ۱۴۷ ج ۱۔ فتوحات مکیہ ص ۳۰۰ ج ۲۔ اسماء الرجال متعلقہ مشکوٰۃ ص ۱۲۲۔ مظاہر حق ج ۵۔ نیز شفا شریف صفحہ مذکورہ میں ایک واقعہ غزوہ احد کا بھی درج ہے۔ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ میدان احد میں جانفشانی سے لڑ رہے تھے۔ کہ اچانک تلوار دو ٹکڑے ہو گئی۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر ماجرا عرض کیا۔ تو آپ ﷺ نے انہیں بھی لکڑی عطا کر کے اسے تلوار کی ماہیت میں تبدیل فرما دیا ۔

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں ۔ اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

گستاخ رسول کا انجام

خصائص کبریٰ ص ۷۹ جلد ۲ میں حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رقم طراز ہیں۔ کہ ایک شخص ابوالعاص حضور اکرم روح دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتار اتار کر مذاق اور تمسخر اڑایا کرتا تھا۔ ایک دن ناہنجار، بدبخت اور دشمن اکمل

حسبِ عادت اپنا منہ ٹیڑھا کر کے نقالی کر رہا تھا۔ کہ اتفاقاً پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس کی یہ نازیبا اور گستاخانہ حرکات دیکھ کر فرمایا۔ کن کذالک۔ ایسا ہی ہو جا۔ چنانچہ اس گستاخِ رسول کا مرتے دم تک منہ ویسا ہی رہا۔ اور اسی طرح اس کا بدنما چہرہ ہلتا رہتا تھا۔ ؎

؎ شیرے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی۔

ایسے ہی حدیثِ رسول میں یہ بات بھی موجود ہے۔ کہ ایک آدمی بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ ہادیٔ اکمل، رہبرِ اکبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ کل بیمینک اپنے دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ۔ جواباً اس کی زبان سے یوں نکلا۔ لا استطیع میرا دایاں ہاتھ طاقت نہیں رکھتا۔ بے کار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لا استطعت جا۔ آج کے بعد طاقت نہیں رکھے گا۔ فما رفعھا الی فمہ پھر وہ اپنا دایاں ہاتھ کبھی منہ تک زندگی بھر نہ اُٹھا سکا۔ <u>مشکوٰۃ شریف ص ۵۳۶</u>

نور الحبیب ص ۹ ربیع الاوّل ۱۴۰۵ھ نومبر ۱۹۸۴ء

(مولانا ابو السرور منظور احمد نوری قصور)

Abbas
۲۲-۰۷-۲۰۰۶

-۵-

محمد رسول اللہ

اسم گرامی کے فضائل و برکات اور واقعات ولادت باسعادت صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ ابوالضیاء
محمد باقر صاحب نوری
صدر المدرسین

آپ کے اسم پاک میں کئی طرح سے مبالغہ ہے ۔ ایک حامد میں یعنی حضور کے حامد یعنی صفت وثنا کرنے والے بے شمار ہیں۔ ۲ دوسرا مبالغہ کیفیت حمد میں یعنی حضور کی تعریفیں آپ کی وصفیں اور نعتیں نہایت ہی عظمت والی ہیں۔ ۳ تیسرا مبالغہ مقدار اور تعداد حمد میں۔ یعنی آپ کی نعتوں کی اور وصفوں کی کوئی انتہا نہیں۔ گنتی اور شمار سے باہر ہیں۔ اور بنظر ایمان و انصاف دیکھنے والے کو محبوب پاک صاحب لولاک یقیناً فوق الادراک ہی معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر بغوی اور تفسیر مظہری میں بحوالہ بغوی فرماتے ہیں۔ ھو المستغرق لجمیع المحامد یعنی محمد وہی ہو سکتا ہے۔ جو تمام خوبیوں کا حامل کیے ہوئے ہو۔ اسی وجہ سے مظہری میں من حمید مرۃ بعد مرۃ کے بعد فرماتے ہیں۔ تلطف الی ما لانهایة له یعنی محمد وہ ہے۔ جس کے یکے بعد دیگرے اتنی بار حمد وثنا کی گئی ہو۔ جس کی کوئی نہایت ہی نہ ہو۔ عقیدتمند اظہار عقیدت و شیفتگی یوں کرتے ہیں۔

واحسن منک لم تر قط عینی ۔ واجمل منک لم تلد النساء ۔
خلقت مبرأ من کل عیب ۔ کانک قد خلقت کما تشاء

(اعلیٰ حضرت)

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری ۔ حیران ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے ۔
کہاں طاقت بشر کو جو مدیح مصطفیٰ ٹھہرے ۔ مدیح ذات پاک احمدی جب خود خدا ٹھہرے
نبیوں میں نبی ایسے کہ ختم الانبیاء ٹھہرے ۔ حسینوں میں حسین ایسے کہ محبوب خدا ٹھہرے

(مولانا دیدار علی شاہ صاحب)

اسم محمد ﷺ کی جامعیت (۱) حضرت آدم علیہ السلام نے جب حضور پر نور ﷺ کے نام پاک کا واسطہ دے کر بارگاہ الٰہی میں معافی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدم تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان کس طرح ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ اے خالق ارض

ارض وسما جب تونے مجھے اپنے ہاتھ سے بنایا۔ اور روح ڈالی۔ میں نے اپنا سر اٹھایا
تو عرش عظیم کے پاؤں پر لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا دیکھا۔ اس سے یقین جانا
کہ تونے جس کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا ہوا ہے۔ وہ تجھے تمام مخلوق سے زیادہ
محبوب اور پیارا ہوگا۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سچ کہا ہے تونے اے آدم اور اگر محمد نہ
ہوتے تو تجھے پیدا ہی نہ کیا ہوتا۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت شیث علیہ السلام کو فرمایا اے میرے بیٹے جب
تو کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ تو ساتھ ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کا
بھی ذکر کرنا۔ اس لیئے کہ میں نے ان کا نام پاک عرش کے پائے پر اس وقت لکھا دیکھا تھا۔
جس وقت میں روح اور کیچڑ کے مابین ہی تھا۔ اس کے بعد میں نے تمام آسمانوں کی
سیر کی تو میں نے کسی آسمان میں کوئی جگہ نہ دیکھی مگر اس میں اسم محمد لکھا تھا۔ اور
میرے رب نے مجھے جنت میں ٹھہرایا۔ تو وہاں کوئی محل کوئی مکان کوئی بالا خانہ نہ دیکھا۔ مگر
اس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھا دیکھا۔ اور اللہ کی قسم حور عین کی چھاتیوں پر محمد ﷺ لکھا دیکھا۔
اور جنت کے تمام گلدستوں پر اور تمام برتنوں پر اور درخت طوبیٰ کے برگ برگ پر اور سدرۃ
المنتھی کے پتہ پتہ پر اور ہر پردے کی ہر چار طرفوں پر اور تمام ملائکہ کی آنکھوں کے عین
وسط میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکتوب دیکھا۔ تو اے فرزند اس کا ذکر کثرت سے کیا کرنا
کیونکہ تمام فرشتے ہر ساعت اور ہر وقت ذکر کرتے رہتے ہیں۔

۳ حضور سرور کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معراج کی رات میں عرش پر
مکتوب دیکھا۔ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابو بکر الصدیق عمر الفاروق عثمان ذوالنورین
ایک روایت میں ہے۔ اید تہ بعلی یعنی علی کے ساتھ میں نے اس رسول کی تائید
کی۔ ایک روایت میں محمد رسول اللہ کے بعد ہے ابو بکر الصدیق خلفی یعنی ابو بکر صدیق
میرے خلیفہ ہوں گے۔

۴ سرور مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معراج کی رات میں نے ایک سبز موتی

دیکھا۔ اس میں سفید نور سے مکتوب تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابو بکر الصدیق
و عمر الفاروق۔ (۵) جنت کے دروازے پر کلمہ طیبہ مکتوب ہے۔

۶ جنت میں کسی درخت کا کوئی پتہ نہیں۔ مگر اس پر کلمہ طیبہ مکتوب ہے۔

۷ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی ہوئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا۔ اور اپنی امت کو حکم دے کہ جو اس کا زمانہ پائیں
گے اس کے ساتھ ایمان لائیں گے۔ کیونکہ اگر محمد نہ ہوتے تو میں نہ آدم کو پیدا کرتا
اور نہ ہی جنت و دوزخ کو اور اللہ کی قسم میں نے عرش کو پانی پہ پیدا کیا۔ تو
وہ کانپتا تھر تھراتا تھا۔ تو اس پر میں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تو فوراً
ٹھہر گیا۔ اور اس کا زلزلہ جاتا رہا۔

۸ حضرت آدم علیہ السلام کے کتفین کے درمیان مکتوب تھا۔ محمد رسول اللہ خاتم النبین

۹ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری کا نگینہ آسمان سے نازل ہوا تھا۔
اس میں نقش تھا۔ انا اللہ لا الہ الا اللہ محمد عبدی و رسولی۔ یعنی میں اللہ ہوں کوئی
معبود بحق نہیں۔ مگر میں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے خاص عبد اور رسول ہے۔ ایک روایت
میں ہے۔ کہ حضرت سلیمان کی انگشتری کے نگینہ کا نقش تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسم محمد کی برکتیں

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کا لڑکا پیدا
ہو۔ اور وہ میری محبت اور میرے نام مبارک سے تبرک کیلئے اس کا نام محمد رکھے وہ
اور اس کا لڑکا دونوں جنت میں جائیں گے۔

۲ روز قیامت دو شخص اللہ کے حضور کھڑے کیے جائیں گے حکم ہوگا۔ انہیں جنت میں
لے جاؤ۔ عرض کریں گے۔ یاالہی ہم کس عمل پر جنت کے قابل ہوئے ہم نے تو کوئی کام
جنت کا نہ کیا۔ رب عزوجل فرمائے گا۔ ادخلا الجنۃ فانی آلیت علی نفسی ان لا یدخل
النار من اسمہ احمد و محمد - جنت میں جاؤ۔ کیونکہ میں نے حلف اٹھایا ہے۔ کہ جس کا
نام احمد یا محمد ہے۔ وہ دوزخ میں نہ جائیگا۔ یعنی جبکہ مومن ہو۔ اور مومن قرآنی

کریم اور حدیث شریف اور صحابہ کرام کے طرف میں سنی صحیح العقیدہ کو لیتے ہیں۔

۳ | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا۔ مجھے اپنے عزت وجلال کی قسم جس کا نام تمہارے نام پر ہوگا اسے دوزخ کا عذاب نہ دوں گا۔

۴ | جس دستر خوان پر بیٹھ کر لوگ کھانا کھائیں اور ان میں کوئی محمد کے نام والا ہو وہ لوگ ہر روز دوبار مقدس کیے جاتے ہیں۔ حاصل یہ کہ جس گھر میں ان پاک ناموں کا کوئی شخص ہو تو ان میں دوبار اس گھر میں رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

۵ | ارشاد ہوا۔ کہ تم میں کسی کا کیا نقصان ہے۔ اگر اس کے گھر میں ایک محمد یا دو محمد یا تین محمد ہوں۔ (فائدہ) نام اقدس کے حفظ ادب اور باہم تمیز کیلئے عرف جدا جدا مقرر کر لیے جائیں۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ہمارے اکثر اعزہ واقارب کے نام ہی محمد ہیں۔ اور باہمی امتیاز کیلئے کسی محمد کا عرف امتیازی نصر اللہ ہے۔ کسی کا ظہور اللہ کسی محمد کو احمد کہتے ہیں۔ اور کسی کو احسن کہتے ہیں۔ اور کسی کو محب اللہ سلمہم اللہ تعالیٰ وعافاہم۔

محمد نام والے کا ادب | (۱) جب لڑکے کا نام محمد رکھو تو اس کی عزت کرو۔ اور مجلس میں اس کیلئے جگہ کشادہ کرو۔ اور اسے برائی کی طرف نسبت نہ کرو۔ اس پر برائی کی دعا نہ کرو۔ (۲) جب لڑکا کا نام محمد رکھوں اسے نہ مارو۔ اور نہ محروم رکھو۔

محمد نام رکھنے کی برکات اور اس کا عمل | حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رض کے استاد امام عطا تابعی جلیل الشان سے روایت ہے۔ کہ جو چاہے کہ اس کے ہاں لڑکا نرینہ ہو۔ اسے چاہیئے۔ کہ اپنا ہاتھ عورت کے پیٹ پر رکھ کر کہے۔ ان کان ذکرا فقد سمیتہ محمدا یعنی اگر یہ حمل لڑکا ہے۔ تو میں اس کا نام محمد رکھا تو انشاء اللہ العزیز لڑکا ہی ہوگا۔

انگوٹھے چومنا | حضور پرنور سید عالم محبوب خدا محمد مصطفےٰ علیہ السلام کا نام پاک اذان میں سنتے وقت انگوٹھے اور شہادت کی انگلیاں چوم کر آنکھوں سے لگانا یقیناً جائز ہے۔ بلکہ باعث برکات وخیرات دارین ہے۔ چنانچہ ہم اس مقام پر چند حدیثیں ذکر

کرتے ہیں۔ تاکہ ایمان تازہ ہو۔ اور افادہ زیادہ ہو۔

۱ سیدنا صدیق اکبر رضی سے روایت ہے۔ کہ جناب نے موذن کو اشھد ان محمد رسول اللہ کہتے سنا۔ تو یہ دعا پڑھی۔ اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا اور دونوں شہادت کی انگلیوں کے پورے اندر کی طرف سے چوم کر آنکھوں سے لگائے۔ اس پر حضور اقدس ص نے فرمایا جو ایسا کرے۔ جیسا میرے اس پیارے نے کیا۔ اس کے لیئے میری شفاعت واجب ہو جائے

۲ حضرت سیدنا خضر علیہ السلام سے روایت ہے۔ کہ جو شخص موذن سے اشھد ان محمد رسول اللہ سن کر کہے۔ مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ ص یعنی مرحبا میرے حبیب اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں۔ ایسے ہی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا۔ جو شخص انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے نہ اندھا ہو۔ نہ آنکھیں دکھیں۔

۳ جو شخص موذن سے کلمہ شہادت سن کر انگوٹھوں کے ناخن چومے اور آنکھوں سے ملے۔ اور یہ دعا پڑھے اللھم احفظ حدقتی ونورھما ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونورھا اندھا نہ ہو۔ (منیر العینین باختصار)

علاوہ ازیں بہت سے اقوال و آثار بقصد اختصار ترک کر دیئے ہیں کہ طالب حق کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔ اور نفس دل کیلئے دفتر بھی کافی نہیں۔ (فائدہ) (۱) یہ حدیثیں نہ غلط ہیں۔ نہ موضوع ہیں۔ اور نہ ہی بناوٹی ہیں۔ لہذا جو صاحب غلط یا موضوع بتائے وہ ثبوت لائے۔ (۲) جو شخص انگوٹھے چومنے منع کہے۔ اس پر لازم ہے۔ کہ ممانعت کی دلیل لائے۔

ولادت باسعادت

نہایت ہی اختصار سے معروض ہے مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ محترمہ کے شکم اطہر میں تشریف لائے تو اس رات قریش کے جتنے جانور تھے۔ سب انسانوں کی طرح بول کر کہنے لگے۔ کہ آج رسول اللہ

اپنی والدہ طیبہ طاہرہ کے شکم اقدس میں تشریف لے آئے (سبحان اللہ آپ کے صدقہ میں جانوروں کو کیسا عجیب انکشاف ہوا)۔ اور کہنے لگے قسم ہے کعبہ کے رب کی وہ پناہ ہے تمام دنیا کیلئے اور سورج ہے تمام دنیا والوں کے واسطے اور اس رات تمام عرب کے کاہنوں اور ان کے شیطانوں کے درمیان پردہ ڈال دیا گیا۔ اور تمام کاہن اپنا علم گوانتا کھو بیٹھے۔ اور دنیا بھر کے شہنشاہوں کے تخت اوندھے کر دیئے گئے۔ اور تمام بادشاہ اس دن گونگے ہو گئے۔ شام تک بول ہی نہ سکے۔ یہ ہیبت و عظمت تھی اس پیارے مصطفےٰ صلی اللہ کی۔ اور مشرق والے وحشی جانور مغرب والے وحشیوں کی طرف مبارک بادیاں اور خوشخبریاں لے چلے۔ اور یوں ہی سمندر کے جانور ایک دوسرے کو بشارتیں دینے لگے۔ پھر ہر مہینہ گزرنے پر پورے نو ماہ تک زمین اور آسمان میں ندائیں۔ اور اعلان ہوتے رہے۔ جن کا حاصل مضمون یہ تھا کہ خوشیاں مناؤ۔ اس لئے کہ قریب آ گیا ہے۔ وہ وقت کہ ابوالقاسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبارک اور برکتیں لئے ہوئے زمین پر تشریف لے آئیں۔ آپ کامل نو ماہ شکم پاک میں رہے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میں اس تمام مدت میں ان تمام تکلیفات سے محفوظ رہی جو اس مدت میں عورتوں کو لاحق ہوا کرتی ہیں۔ اور درد تک کی شکایت نہ کی۔ حضرت عبداللہ آپ کے تولد سے قبل ہی فوت ہو گئے۔ فرشتے کہنے لگے اے ہمارے معبود تیرا نبی یتیم ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں اس کا والی ہوں۔ اور نگہبان اور مددگار ہوں۔ اور اے فرشتو تبرک حاصل کرو۔ اس کے میلاد کے ساتھ کیونکہ میلاد اس کا بڑی برکتوں والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا۔ کہ آسمانوں اور بہشتوں کے تمام دروازے کھول دو۔ اور تمام فرشتوں کو حاضری کا حکم دیا۔ بوقت تولد مکہ معظمہ میں۔ پس اترے تمام فرشتے ایک دوسرے کو خوشخبریاں دیتے ہوئے شیطان کو پکڑ کر بستر زنجیروں میں جکڑ کر سبز سمندر کی سخت گہرائی میں منہ کے بل پھینک دیا گیا۔ دوسرے شیطانوں کو بھی طوق ڈال دیئے گئے۔ فائدہ = ظاہر ہے۔ کہ جب حضور علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی تمام شیطانوں کو گرفتار کر دیا گیا۔ تو یقیناً سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مس شیطان سے محفوظ رہے۔ اور

اس دن سورج کو نہایت روشن چادر پہنا دی گئی۔ اور اس کے سر پر ستر ہزار حوریں
ہوا میں کھڑی کر دی گئیں۔ انبیاء یہ حوریں اور تمام فرشتے وغیرہ ہم سب ولادت با سعادت
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔ اور آپ کے احترام میں اللہ تعالیٰ نے
حکم دیا۔ کہ اس سال تمام حاملہ عورتیں لڑکے ہی جنیں۔ اور کوئی درخت بے پھل نہ رہے
اور تمام خوف امن کے ساتھ بدل جائیں۔

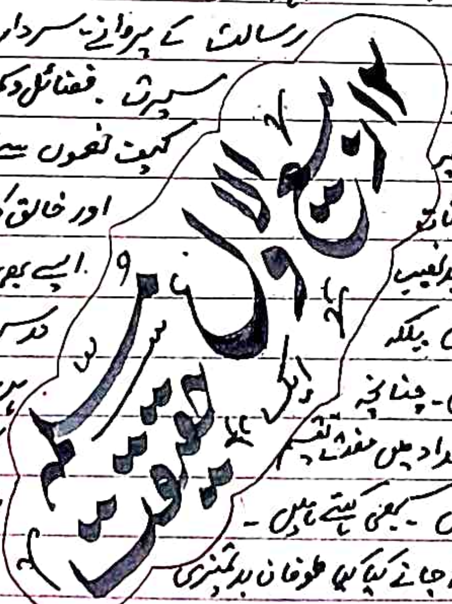
حضرت آمنہؓ فرماتی ہیں۔ کہ ایک منادی نے ندا کی۔ اے آمنہ بے شک تیرے بطن
میں خیر العالمین تمام جہانوں سے بہتر ہے۔ تو جس وقت وہ مولود پیدا ہو تو اس کا نام
محمد رکھنا۔ جب آثار شروع ہوئے۔ ایک پیالہ شربت کا پایا۔ جس کو سیر ہو کر پیا۔
میں نے دیکھا۔ کہ عبدالمناف کی بیٹیاں میرے گرد کھڑی ہیں۔ میں حیران ہو گئی۔ اتنے میں
ایک نے کہا۔ میں آسیہ فرعون کی عورت ہوں۔ دوسری نے کہا۔ میں مریم بنت عمران ہوں
ہم سب بحکم خدا جنت سے تمہاری خدمت کیلئے آئی ہیں۔ اس رات فارس کا آتش کدہ
سرد ہو گیا۔ نوشیرواں کے محل کے چودہ کنگرے گر پڑے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں کے سامنے سے تمام
پردے اٹھا لئے۔ اور میں نے اس وقت زمین کی تمام مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا اور
تین جھنڈے بھی لگے ہوئے دیکھے۔ ایک مشرق میں ایک مغرب میں اور ایک کعبہ شریف
کی چھت پر۔ پس آپ کی پیدائش قریب ہوئی۔ پس جنا میں نے حضرت محمدؐ کو
پس جب پیدا ہوئے۔ تو دیکھا کہ آپ سجدہ میں ہیں۔ اور شہادت کی دونوں انگلیوں
کو آسمان کی طرف اٹھا کر گویا بڑی عاجزی اور زاری کر رہے ہیں۔ اچانک دیکھا
کہ آپ کے ہاتھوں میں سبز ریشم ہے۔ اور پھر کسی کہنے والے کو یہ کہتے سنا۔ کہ واہ واہ
قبضہ کر لیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا پر اور تمام مخلوق اس کے قبضہ میں
داخل ہو گئی اور تمام دنیا نور سے بھر گئی۔ فرشتے ایک دوسرے کو مبارکباد یاں اور بشارتیں
دینے لگے۔ اور ہر آسمان میں دو بلند ستون ایک زبرجد کا اور ایک یاقوت کا) نصب کئے

گئے۔ اور ان کی روشنی سے تمام آسمان منور ہو گئے۔ معراج کی رات دو ستون حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمائے۔ اور آپ سے عرض کیا گیا۔ کہ یہ ستون آپ کی ولادت
کے وقت اظہار خوشی اور فرحت کیلئے بطور یادگار نصب کیے گئے تھے۔ اور اس رات
اللہ تعالیٰ نے نہر کوثر کے کنارے کستوری خالص کے ستر ہزار درخت پیدا فرمائے۔
اور ان کا پھل اہل جنت کیلئے بخور خوشبودار دھونی اگربتی کی مانند بنایا گیا۔
تمام بت اوندھے گر گئے۔ لات وعزیٰ (کفار کے دو بڑے بت) اپنی جگہ چھوڑ کر بے
ساختہ پکارنے لگے۔ امین آگیا۔ صادق آگیا۔ تین دن تک کعبہ جھولتا رہا۔ اور اس سے کئی
دن تک آواز آتی رہی کہ اب میرا نور واپس کیا جائیگا۔ اب میری زیارت کرنے والے آیا
کریں گے۔ اب مجھے جہالت کی نجاستوں سے پاک کیا جائیگا۔ اے عزیٰ تجھے ہلاکت
نیز مروی ہے۔ کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ناف بریدہ ختنہ کیئے ہوئے تھے۔
اور ان تمام نقائص سے جو بوقت ولادت عموماً پائے جاتے ہیں۔ بالکل صاف پیدا
ہوئے۔ یہاں تک کہ مسِ شیطان سے جس کی وجہ سے عموماً بچے رویا کرتے ہیں۔ بھی محفوظ
رہے۔ جیسا کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور
تمام روئے زمین نور سے بھرپور ہو گئی۔ شیطان نے اپنے لشکریوں سے کہا۔ کہ ایک ایسا لڑکا
پیدا ہوا ہے۔ جو ہمارے کام کو بگاڑ دے گا۔ لشکریوں نے کہا۔ کیا ہی اچھا ہو۔ اگر تو
اس کی عقل ہی بگاڑ دے۔ پس جب اس غرض سے حضور علیہ السلام سے قریب ہوا۔ (غالباً یہ شیطان
کے رہا ہونے کے بعد کی بات ہے) تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے
پاؤں سے اس شیطان نامراد کو ایسی ٹھوکر لگائی کہ مکہ معظمہ سے اڑ کر عدن میں جا پڑا۔
تو واضح ولائح ہو گیا۔ کہ حدیث ما من مولود یولد الا مسہ الشیطان۔ کے حصر سے
حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم عقلاً ونقلاً مستثنیٰ ہیں۔ اور یہ حصر یقیناً اضافی ہے حقیقی
نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے اوصاف وکمالات کی انتہا نہیں۔ تمام اسباب وآلات ختم ہو سکتے ہیں۔
مگر آپ کے فضائل وخصائل طیبہ کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ نورالحبیب ص ۳۲۶ ربیع الاول
(ماخوذ از خصائص کبریٰ ما ثبت بالسنہ و دیگر کتب حدیث) ۱۴۰۹ ستمبر اکتوبر ۱۹۸۸

ـــــ انہیں یہ ضد کہ بشر انام ہی نہ لے کوئی   ہمیں جنوں کہ بشر اذکر صبح و شام کریں ۔

آج کی صبح وہ تاریخ ہے۔ جس کے انتظار میں پیرِ کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے
سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے ۔ چرخِ کہن مدتہائے دراز سے
اسی صبح جاں نواز کیلئے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں
عناصر کی جدت طرازیاں ماہ و خورشید کی فروغ انگیز ضو باریاں - ابر و باد کی تردستیاں عالم
قدس کے انفاس پاک توحید ابراہیم جمال یوسف معجز طرازی موسیٰ جاں نوازی مسیح سب
اسی لیئے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں قدر شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کام آئیں گے
ظہور قدسی کا ——— ۱۲ ربیع الاول ایسا مبارک دن ہے۔ جس کی صبح کو دعائے
خلیل نوید مسیحا مجسم بن کر ظاہر ہوئی۔ جس کے عالم وجود میں آتے ہی کفر و ضلالت
کی ظلمتیں کافور ہوگئیں - اور کائنات کا کونہ کونہ بقعۂ نور بن گیا۔ فرزندانِ اسلام اس دن
کو یاد کر کے مسرت و شادمانی کا اظہار کرتے ہیں۔ سرورِ دو عالم نورِ مجسم رحمۃ اللعالمین۔ شفیع
المذنبین۔ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہدیہ عقیدت اور تحفہ صلوٰۃ و سلام پیش



کر کے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں شمع رسالت کے پروانے سردار دو جہاں
باعث کون و مکان۔ محسن کائنات کی صورت و سیرت ۔ فضائل و کمالات
خصائص و محامد کے بیان اور حمد و نعت کے پُر کیف نغموں سے اپنے قلوب
کو منور کرتے ہیں - اور محسن کائنات کے احسانات اور خالق کائنات کے
انعامات کا شکر بجا لاتے ہیں۔ لیکن بعض بدنصیب ایسے بھی ہیں۔ جو نہ
صرف اس سعادت عظمیٰ سے خود محروم ہیں بلکہ دوسروں کو بھی
محروم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ہر سال وہ اس
بابرکت ماہ میں پمفلٹ چھپوا کر ہزارہا کی تعداد میں مفت تقسیم کرتے ہوئے
اپنی بدبختی پر مہر تصدیق ثبت کراتے ہیں - کبھی کہتے ہیں - حضور کی ولادت
کا دن منانا بدعت ہے۔ شرک ہے۔ اور نہ جانے کیا کیا طوفان بدتمیزی برپا کرتے ہیں

عقل کے اندھے اور علم سے عاری یہ خیال ہی نہیں کرتے۔ کہ جب تک سوادِ اعظم اہلسنت و جماعت کے علماء مشائخ اس سرزمین پر موجود ہیں۔ ان کی یہ مکروہ چالیں کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہو سکتیں۔

ایک عرصہ سے عید میلاد النبی ﷺ کا مبارک دن منانے پر کفر و شرک کے اور بدعت کے فتوے لگائے جاتے تھے۔ لیکن جب بال کی کھال اتارنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ تو چند ریاضی دانوں کی تحقیق (Research) کا سہارا لیکر دوبارہ عالم اسلام کی مسلمہ حقیقت کی مخالفت میں آسمان سر پر اٹھا لیا۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ۸ یا ۹ ربیع الاول ہے۔ اور ۱۲ ربیع الاول کو ولادت باسعادت کا دن تسلیم کرنا غلط فہمی ہے۔ آج کل زیادہ تر اسی نظریے پر زور دے رہے ہیں۔ حالانکہ مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کئی برس کی تحقیق سے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ ولادت باسعادت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول ہی ہے۔

ان ناعاقبت اندیشوں اور بدمذہبوں کو حضور علیہ السلام کی ولادت پاک ۱۲ ربیع الاول ہونا گوارہ نہیں۔ مگر مولوی اسمٰعیل دہلوی کی تاریخ پیدائش ۱۲ ربیع الاول ہونا تسلیم کر لیا۔ یہ ان کے منہ پر طمانچہ ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ ناکامیوں اور چاپلوسیوں کے بے تاج بادشاہ اور نامرادی کے علمبردار۔ انگریز کے چیلے۔ اندرا کے پیروکار۔ سرکار دو عالم ﷺ سے محبت نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ اسماعیل دہلوی۔ سید احمد دہلوی۔ اشرف علی تھانوی۔ صدیق حسن بھوپالی۔ ثناء اللہ امرتسری۔ داؤد غزنوی ابو یزید بٹ لاہوری سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ ان کے اپنے بزرگ ہیں۔ جو کسی نہ کسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ جن کا تذکرہ یہ لکھتے ہوئے قلم کے قدم رک رک جاتے ہیں۔ اور سینہ و دامن سے چیخیں بلند ہوتی ہیں۔ جنس انسان کہتے ہوئے انسانیت کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔ شر پسندوں اور انگریز کے نمک خوار منافقت کے مریضوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ کہ کسی نہ کسی طریقے سے سرکار دو عالم

۱؎ تقویۃ الایمان ص (المکتبہ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور)

کے یوم ولادت ۱۲ ربیع الاوّل کا تصور اہلسنت کے دلوں سے ہی نکال دیا جائے۔ لیکن
مرض شرک و بدعت سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر وہ اس دنیا سے ہی اسفل السافلین (دوزخ
کا سب سے نچلا گڑھا) کی منزل پا چکے ہیں۔

راقم السطور اکابر اسلام بزرگانِ دین علمائے ملت اسلامیہ مؤرخین و محققین
حضرات کی کتب سے اپنے حوالے درج کرتا ہے۔ جن سے ان بدنصیبوں کی تحقیقات کا بھرم
کھل جائیگا۔ سب سے پہلے محدثین اور بزرگان دین کی کتب کے حوالے درج کیئے جاتے
ہیں۔ اور ساتھ ہی ہر ایک کی تصنیف مصنف کا نام اور صفحہ درج کیا جاتا ہے جس کی
یہ کہ معاندین کی تسلی ہو۔ ان کے ساتھ ہی درسی و غیر درسی نصابی، مذہبی سیاسی
اصلاحی کتب کے حوالہ جات اور اصل عبارات پیشِ خدمت ہیں۔

۱ | ذکرِ ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے۔ عقائد علمائے دیوبند حسام الحرمین صفحہ ۲۲۶

۲ | نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاوّل شریف کو ہے۔ عند المحدثین
صحیح قول یہی ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ قال ابن اسحاق ولد رسول اللہ ﷺ یوم الاثنین
لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من شہر ربیع الاوّل عام الفیل (سیرت ابن ہشام عربی صفحہ ۱۴۷ جلد ۱)

۳ | عاشق رسول علامہ یوسف نبہانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با
سعادت پیر کے دن ۱۲ ربیع الاوّل کو ہوئی۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ الجمہور انہ صلی
اللہ علیہ وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشرۃ ربیع الاوّل وھو قول ابن اسحاق (حجۃ اللہ علی العالمین صفحہ ۲۲۳)

۴ | الحافظ ابی عبداللہ الحاکم النیشاپوری کا فیصلہ دیکھئے محمد ابن اسحاق نے کہا۔ کہ نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کی ولادت پیر کے دن ۱۲ ربیع الاوّل کو ہوئی (المستدرک علی الصحیحین صفحہ ۶۰۳ جلد ۲ طبع بیروت)

۵ | علامہ حسن مومن شبلنجی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ولد ﷺ بمکۃ عند طلوع الفجر یوم الاثنین لاثنتی
عشرۃ لیلۃ مضت من شہر ربیع الاوّل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں طلوع فجر کے وقت ۱۲
ربیع الاوّل کو پیر کے دن پیدا ہوئے (نور الابصار عربی صفحہ ۱۳ بر حاشیہ اسعاف الراغبین صفحہ ۹)

۶ | مولانا معین الدین کاشفی الہروی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ مشہور یہ ہے۔ کہ ربیع الاوّل

کے مہینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اکثر کہتے ہیں۔ کہ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ تھی
(شرحیہ معارج النبوۃ فارسی باب سوم ص۳۲)

۷ | علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن بارھویں ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ (سیرت محمدیہ ترجمہ مواہب لدنیہ ص۱۵۳)

۸ | حضرت محدث سہیلی علیہ الرحمۃ کا عقیدہ محمد بن اسحاق مطلبی نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول کو عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ (سیرت ابن ہشام برحاشیہ الروض الانف ص۱۰۱ طبع پاکستان)

۹ | شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ تاریخ ولادت بارھویں ۱۲ تاریخ ہے اور یہی قول مشہور ہے۔ اسی پر اہل مکہ کا عمل ہے۔ کہ وہ اس تاریخ کو حضور علیہ السلام کی جائے ولادت کی زیارت کرتے ہیں۔ طیبی نے فرمایا۔ کہ سب کا اس پر اتفاق ہے آپ ۱۲ ربیع الاول کو پیر کے دن پیدا ہوئے (ترجمہ ماثبت بالسنۃ عربی ص۵۷)

۱۰ | حضرت محدث ابن جوزی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کہ آپ ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ یہ قول زیادہ صحیح ہے۔ (عید میلاد النبی ص۵)

۱۱ | حضرت محمد بن حسن علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ تاریخ ولادت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن مشہور اور صحیح قول یہ ہے۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے (تاریخ الخمیس ص۱۹۶ طبع بیروت)

۱۲ | علامہ ابن حجر یا ہیثمی شافعی مکی علیہ الرحمۃ کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ وکان مولدہ لیلۃ الاثنین لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من شہر ربیع الاول نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ (النعمۃ الکبریٰ ص۲)

۱۳ | نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتا ہے۔ کہ ولادت شریف مکہ مکرمہ میں وقت طلوع فجر کے روز دوشنبہ شب دوازدہم ربیع الاول (۱۲ ربیع الاول) عام الفیل کو ہوئی جمہور علماء کا یہ قول ہے ابن الجوزی نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ (الشمامۃ العنبریہ ص۷)

۱۴ | مولوی صادق سیالکوٹی سبیل الکونین میں لکھتا ہے۔ بہار کے موسم ۱۲ ربیع الاول شریف
۲۰ اپریل ۵۷۱ء سوموار کے روز نور کے تڑکے حافظہ ناموس آدم مشہور روایت
حضور علیہ السلام کی پیدائش کی تو ۱۲ ربیع الاول ہے۔ (سبیل الکونین ص ۶۰)

۱۵ | مولانا احمد علی لاہور لکھتے ہیں۔ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم
۱۲ ربیع الاول ۲۰ اپریل ۵۷۱ء پیر کے دن عرب دیس کے شہر مکہ میں پیدا ہوئے
(ہفت روزہ خدام الدین ص ۸ مارچ ۱۹۷۷ء)

۱۶ | مولوی اعزاز علی دیوبندی لکھتا ہے۔ ولد صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ عام الفیل یوم
الاثنین لاثنتی عشرۃ خلت من ربیع الاول علی الاصح من الاقوال ـــــــــ
(نفحۃ العرب ص ۱۳۱ سیرت الانبیاء ص ۳۹ مؤلف ابن خلدون تاریخ حبیب اللہ ص ۱۳)

۱۷ | مولوی عبدالستار وہابی کا اعتراف ہے (از اکرام محمدی ص ۲۷)
ہے بارہویں ماہ ربیع الاول رات سوار نورانی ۔ فضل کنوں تشریف لیایا پاک حبیب حقانی +

۱۸ | حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن فجر کے وقت کہ ابھی
ستارے آسمان پر نظر آرہے تھے پیدا ہوئے (سیرت رسول عربی ص ۴۳)

۱۹ | بتاریخ ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۰ اگست ۵۷۱ء بروز شنبہ صبح کے وقت حضور اکرم
کی ولادت ہوئی۔ اہل مکہ کا معمول ہے کہ وہ آج بھی آپ کے مقام ولادت کی زیارت کرتے
ہیں (محمد رسول اللہ ص ۳۰)

۲۰ | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت واقعہ اصحاب فیل کے پچپن روز بعد بروز
پیر ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی (شواہد النبوت ص ۲۲ از علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ)

۲۱ | بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ولادت مکہ معظمہ ہے ۔ اور اہل مکہ کا قدیم
سے ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو جائے ولادت پر حاضر ہونا ۔ اور مسیلاد شریف پڑھنا اس کی
روشن دلیل ہے۔ کہ آپ کی تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول ہے ۔ (ذکر الحسین فی سیرۃ الثانی
الامین ص ۱۱۶ (سطر ۱۷-۱۸) ـــــــــ

۲۲ | علامہ امام محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی فرماتے ہیں۔ جمہور کے نزدیک صحیح تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاوّل ہے۔ اور یہی مشہور ہے۔ (زرقانی علی المواہب جلد ۱ ص ۱۳۲)

۲۳ | حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاوّل مطابق ۲۳ اپریل ۵۷۱ء کو رحمت عالم بن کر دنیا میں تشریف لائے۔ (مسوّدہ دوم ص ۱۰۶ سید آفتاب منظم PIA پاکستان انٹرنیشنل ایرلائن)

۲۴ | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۲۰ اپریل ۵۷۱ء (۱۲ یا ۹ ربیع الاوّل) کو روز پیر صبح صادق کے وقت مکہ میں پیدا ہوئے (معلومات عامہ ص ۶۱ مرتبہ ظفر اقبال)

(مرتب کے نزدیک آنحضرت کی تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاوّل ہے۔ اسی لئے پہلے ۱۲ لکھا۔ اور پھر ۹۔ اگر اس کے نزدیک ۹ ربیع الاوّل کی اہمیت زیادہ ہوتی تو وہ اسے پہلے درج کرتا)

۲۵ | حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے اڑھائی ہزار برس بعد ۱۲ ربیع الاوّل کو اسی ابراہیمی شہر مکہ میں قبیلہ قریش کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ دادا نے محمد اور ماں نے احمد نام رکھا۔ (نور کامل ص ۳۶ از قاضی عبدالحمید قریشی)

۲۶ | ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک خوبصورت نوجوان حضرت عبداللہ کے گھر ۱۲ ربیع الاوّل بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو صبح کے وقت پیدا ہوئے۔ ——
(اسلامیات سی ٹی علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ص ۸۰)

۲۷ | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی تاریخ کے بارے میں جمہور علماء کا مسلک یہ رہا ہے کہ یوم ولادت ۱۲ ربیع الاوّل بمطابق ۲۳ اپریل ۵۷۱ء پیر کے دن صبح صادق کے وقت ہوئی (اسلامیات لازمی بی اے۔ بی ایس سی ص ۱۴۹ از علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد)

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد دور جدید کے تمام تقاضوں کے مطابق کما حقہٗ پورے کر رہی ہے۔ اور ساتھ ساتھ ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دے رہی ہے۔ جن کا تعلق بالخصوص نظامِ تعلیم سے ہے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے فارغ شدہ اساتذہ بہت احسن طریقے سے سرانجام دے رہے ہیں یونیورسٹی ھذا کا یہ طرۂ امتیاز ہے۔ کہ وہ اپنی کتب میں شامل کرنے کیلئے ایسا مسوّدہ ترتیب دیتی ہے۔ جس میں مزید تحقیق کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی مبارکباد

کی مستحق ہے کہ اس نے نبی دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے سلسلہ میں کیلی اسی
تاریخ کو مستند سمجھا ہے جو کہ محدثین آئمہ کرام علماء مشائخ کی تحقیق سے ہم تک پہنچی
ہے۔ اور اسی پر جمہور علماء کا مسلک رہا ہے۔

۲۸ | آنحضرت کی تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول ہے۔ آپ پیر کے روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کے ۵۷۰ سال بعد ۵۷۱ء میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ عرب اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں
(اسلامی تہذیب و تمدن صفحہ ۳۴)

۲۹ | ولادت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دوازدہم ماہ ربیع الاول است مسلمانان
جہان جشن میلاد عید میلاد را ہمیں روز میگیرند (کتاب فارسی صفحہ ۸۱ مفتی محمد اشرف قادری)

۳۰ | آپ کی ولادت باسعادت بوقت صبح صادق بروز پیر ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۱
اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی۔ (شرح جان اولیس صفحہ ۱۷)

۳۱ | کائنات گواہ ہے کہ تاریخ انسانی کا سب سے روشن اور مبارک دن ۱۲ ربیع الاول ہے
کہ اس دن وہ ہستی اس دنیا میں تشریف لائی جس سے انسانیت کے افق پر سے ظلمتیں چھٹ
گئیں۔ اور سپیدۂ سحر چاروں طرف پھیل گیا۔ (پیغام اسلامی جمعیت طلبہ ۱۹۷۹ء)

۳۲ | علامہ ابن خلدون کے مطابق آپ کی تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول ہے۔
(سیرت کوئیز صفحہ ۱۸ مرتبہ لطف اللہ گوہیر)

۳۳ | حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول عام الفیل ۲۰ اپریل ۵۷۱ء یکم جیٹھ
۶۲۸ بکرمی بروز پیر بعد از نماز صبح صادق قبل از طلوع آفتاب حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب
کے گھر پیدا ہوئے۔ (ماہنامہ نورالحبیب صفحہ ۴۱ اکتوبر ۱۹۸۹ء)

۳۴ | ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو بروز پیر ۱۲ ربیع الاول شریف
مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں مکہ شریف میں پیدا ہوئے۔ (انوار شریعت صفحہ ۱۱)

۳۵ | آپ عام الفیل میں دوشنبہ کے دن بارہویں ربیع الاول ۴۲ کسریٰ کو دنیا میں ظہور
فرما ہوئے اور ہبوط آدم علیہ السلام سے آپ تک چھ ہزار ایک سو تیرہ برس کا فاصلہ ہے۔ —

(موضح القرآن اردو شاہ رفیع الدین محدث دہلوی صفحہ ۳۳)

۳۶ | آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ ۹ یا ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی
(اسلامیات اختیاری ص ۱۹۵ جماعت نہم دہم پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور)

۳۷ | حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشہور روایت کے مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن پیدا ہوئے۔ (اسلامیات لازمی نہم و دہم ص ۸۸ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور)

۳۸ | حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو پیر کے دن عرب کے مشہور شہر مکہ میں پیدا ہوئے (دینیات برائے جماعت پنجم ص ۵۵ ۱۹۷۱ء)

۳۹ | وُلد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ المکرمۃ یوم الاثنین فی الثانی عشر من شھر ربیع الاول عام الفیل الموافق لعشرین من ابریل ۵۷۱ میلادیۃ
(الکتاب العربی برائے جماعت ہفتم ص ۱۶ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور)
یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول عام الفیل بروز سوموار بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔

۴۰ | عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تہوار ۱۲ ربیع الاول کو بڑے جوش و عقیدت سے منایا جاتا ہے اس روز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی منائی جاتی ہے۔ بازاروں محلوں اور گھروں کو خوبصورتی سے سجایا جاتا ہے۔ نیز جلسے اور میلاد شریف منعقد کیے جاتے ہیں۔
(مطالعہ پاکستان نہم و دہم ص ۱۱۹ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور)

۴۱ | عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو منائی جاتی ہے۔ یہ مبارک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا دن ہے۔ یہی وہ دن ہے۔ جس کی آمد سے کفر و شرک کا اندھیرا دنیا سے مٹ گیا۔ (اردو کی آٹھویں کتاب ص ۳ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور)

قارئین حضرات آپ نے بزرگان دین کی کتب سے دیئے گئے حوالہ جات پڑھ لیے ہیں۔ اور اعتراض کرنے والے ضرور پڑھیں گے۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیں۔ کہ اکابرین اسلام اور سلف صالحین کی تحقیق کو مستند سمجھا جائے۔ یا ان انگریز کے مداح خواہوں کی تحقیق کو۔ ہر سال بارہ ۱۲ ربیع الاول کو روزنامہ جنگ نوائے وقت۔ امروز۔ مشرق۔ اور ملک کے دیگر اخبارات اور رسائل بھی

دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کے سلسلے میں اپنے خاص ایڈیشن شائع کرتے ہیں
اور یہ ۱۲ ربیع الاول کی حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اب ایک سیاہ دل پھر بھی بحث لا
حاصل سے باز نہ آئے۔ تو کوئی حیران کن بات نہیں ہے۔ اندھے کے کہنے سے سورج کا
وجود مشتبہ نہیں ہو سکتا۔ مکھی سارا جسم چھوڑ کر زخم پر بیٹھتی ہے۔ اور چور چوری
کرنے کے لئے اندھیرا تلاش کرتا ہے۔ جہاں تک پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ
کا تعلق ہے۔ یہ ایک ذمہ دار ادارہ ہے۔ جس کے آفیسرز اور نگران عملہ تحقیق پر مبنی
مضامین ہی اپنی کتب میں شائع کرتے ہیں۔ لاکھوں طلباء پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کی مجوزہ کتب
پڑھ چکے ہیں۔ اور لاکھوں اب بھی پڑھ رہے ہیں۔ یہ ادارہ دلی مبارکباد کا مستحق ہے۔ جس نے کتب
میں وہی تاریخ ولادت درج کی ہے۔ جس پر علمائے اسلام اور اکابرین متفق ہیں۔ ایک اردو
کتاب میں تاریخ ولادت ۹ بھی درج کی گئی ہے۔ وہ پرانا ایڈیشن ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ اشاعت
میں اسکی بھی تصحیح کر دی جائے۔ اور باقی میری نظر سے گزرنے والی تمام کتابوں میں تاریخ ولادت
۱۲ ربیع الاول ہی درج کی گئی ہے۔ تاریخ ولادت باسعادت کے
حوالے جات ان کتابوں سے دینے کا مقصد معاندین پر حقیقت کو ظاہر کرنا تھا۔ اور طلباء کو اسلامی
تعلیمات سے واقفیت دلانا تھا۔ طلباء ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک مدرسے کو مثبت بحث کے
ذریعے قائل کر سکتے ہیں۔

راقم الحروف سلیم الدین طالب النوری مریدکے

نور الحبیب صفحہ ۲۲-۳۱ جلد ۲ اکتوبر ۱۹۹۰ء شمارہ ۶

[signature]
۲۴-۰۷-۲۰۰۶

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ

دریا میں بیڑا جو بارہ برس ڈوبا رہا - اور پھر

اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ کہ کراماتِ اولیاء اللہ مثلاً پانی پر چلنا۔ ہوا میں پرواز کرنا۔ بیک وقت متعدد مقامات پر موجود ہونا۔ اپنے مریدوں اور نیازمندوں کی غائبانہ امداد فرمانا۔ وغیرہ۔ حق ہیں۔ اور ان کی صداقت کلامِ الٰہی اور احادیث شریفہ سے ثابت ہے۔ لیکن منکرین کبھی تو انہوں کی برابر رٹ لگائے جاتے ہیں۔ اور محبوبانِ خدا کی خداداد طاقت عوام کے سامنے ایسے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ کہ گویا کرامات پر یقین رکھنے والے اولیاء اللہ کو خداوند کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

افسوس اس بات کا ہے۔ کہ یہ لوگ مادی طاقتوں کا اقرار اور روحانی قوتوں کا انکار کرتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ سے کوئی خبر بذریعہ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور وائرلیس وغیرہ آئے تو اس پر فوری یقین کر لیتے ہیں لیکن اولیاء اللہ کی شان یا ان کی کرامات کے بارے میں کسی معتبر اور بزرگ ہستی کا قول بھی پیش کیا جائے تو وہ بھی اس سے انکار کرتے ہیں۔

ہر صحیح العقیدہ جانتا ہے۔ کہ معجزہ اور کرامت حق ہیں۔ اور اکثر بزرگانِ دین کی کرامات مستند اور معتبر کتب میں مذکور ہیں۔ جن کے مان لینے سے کسی ذی شعور مسلمان کو کبھی تامل نہیں ہو سکتا۔ اگر سچ پوچھیں تو انہیں برگزیدہ ہستیوں کی کرامات کا صدقہ ہے کہ آج کروڑوں کی تعداد میں مسلمان نظر آتے ہیں یہی وہ پاک گروہ ہے۔ جن کی شان میں حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎ نورِ حق ظاہر بود اندر ولی - نیک بیں باشی اگر اہل دلی -

جب ایک ولی اللہ کی شان سمجھنے کے لئے دیدۂ دل درکار ہے تو سلطان الاولیاء شہنشاہ بغداد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے اوصاف جملہ کا حصر کس طرح ممکن ہے حضرت کے نامِ نامی ذاتِ گرامی سے کون واقف نہیں نہ صرف یہ کہ مسلمان بلکہ ہر طبقہ کے افراد ہندو۔ سکھ۔ عیسائی یہود و نصاریٰ وغیرہ آپ سے دلی عقیدت و ارادت رکھتے ہیں۔ اور آپ کی جملہ کراماتِ صدقِ دل سے مانتے ہیں۔ آپ کی شان مبارک سب اولیاء اللہ سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ پیرانِ پیر، دستگیر۔ روشن ضمیر۔ قطب الاقطاب۔ غوث الاعظم محبوب سبحانی محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ آپ کے پیارے پیارے القابات ہیں۔ آپ کی کرامات لاتعداد بے شمار ہیں۔

منجملہ ایک اُن کی کرامت یہ کہی جاتی ہے۔ کہ آپ بارہ برس کے بعد ایک غرق شدہ بیڑا مع براتیاں دریا سے صحیح وسالم باہر نکالا۔ اس سے کون اندازہ کر سکتا ہے۔ ان کے زور بازو کا۔

نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

حضرت کی یہ کرامت صدیوں سے مشہور چلی آرہی ہے۔ اور اس کے ماننے والے بکثرت موجود ہیں۔ ذیل میں یہ کرامت تفصیل سے ملاحظہ فرمائیے۔ ——

خلاصۃ القادریہ میں مذکور ہے۔ کہ ایک روز حضرت پیرانِ پیر دستگیر حضرت غوث اعظم تفریحاً دریا کی طرف تشریف لے گئے۔ کر دیکھا۔ چند عورتیں پانی لینے کو دریا پر آئیں۔ اور اپنے اپنے گھڑے بھر کر گھروں کو لوٹ گئیں۔ مگر ایک ضعیفہ بوڑھے سال نے اپنا گھڑا پانی سے بھر کر دریا کے کنارے پر رکھ دیا۔ اور چادر منہ پر ڈال کر ایسی بے اختیاری سے زار و زار رونے لگی۔ کہ جس کی بے قراری و گریہ زاری سے دریا کے جانوروں کا پتا پانی پانی ہو گیا۔ اور صحرا کے وحشی جانوروں کا سینہ کباب ہوتا تھا۔ اور دل بے قرار کی بے تابی سے وہ مثل ماہی بے آب خاک پر تڑپتی تھی۔ جب اس بوڑھی عورت کے واویلا کی آواز حضرت غوث اعظم تک پہنچی۔ تو فرمایا کہ ظالم کس نے اس مظلومہ پر ظلم کیا ہے۔ جو اس طرح بلک بلک کر رو رہی ہے۔ اور سسک سسک کر جان کھو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ خود فراموش اپنی حالت سے بے خبر کس جفا سے کس بلا اور مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہے۔ ایک غلام نے عرض کیا حضور میں اس کے حال سے بخوبی آگاہ ہوں۔ اس بڑھیا کا اکلوتا بیٹا تھا۔ صورت شاد و سیرت میں یکتا۔ اس کی شادی کیلئے بڑے شان و شوکت اور دھوم دھام سے تیاری کی۔ اور بڑے کروفر سے بارات بیاہ دلہن کے گھر روانہ کی۔ جب دولہا عقد سے فارغ ہو کر دولہن کے ہمراہ اپنے گھر چلا۔ اور کشتی پر سوار ہوا۔ تو اس دریا میں مع ساری بارات کے ڈوب گیا۔ اس بات کو بارہ سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن یہ بوڑھی عورت آج تک اس کے رنج و غم میں گرفتار ہے۔ اور ہر روز بلاناغہ بڑی بے قراری سے اس دریا کے طوفان پر آتی ہے۔ اور آہ و بکا کرتی ہے۔ بیٹے کی محبت کے جوش کا اس کے دل میں غلبہ ہے۔ اور اس کا یہ شور و غل واویلا ہے۔ جب حضرت غوث اعظم نے یہ واویلا بغور سنا۔ تو دریائے رحمت جناب غوث پاک جوش میں آیا۔ خادم سے اشارہ کیا۔ کہ جلد جا۔ اور اس بوڑھی

کو ہماری طرف سے تشفی دے۔ اور رونے پیٹنے سے منع کر۔ اور یہ کہہ کر تھوڑا سا صبر کر۔ تیرا مطلب بر آئیگا
جب اس بڑھیا کو یہ پیغام ملا۔ تو اس نے اور زیادہ شور و غل کرنا شروع کر دیا۔ حضرت شاہ نے خادم
کو وہاں روانہ کیا۔ کہ اس سے کہہ کہ تیرا بیٹا مع برات کے دریا سے برآمد ہوتا ہے۔ تو صبر کر تاکہ دیکھ لے
پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اس پر بڑھیا خوش ہو گئی۔ حضرت شاہ نے دستِ مبارک اٹھا کر بارگاہِ الٰہی
میں دعا کی۔ کہ اے احکم الحاکمین۔ تو اس عاجز مسکین دل حزین کی آرزو پوری کر دے۔ جب دو
چار ساعت کا عرصہ گزرا۔ اور قبولیت کے آثار دکھائی نہ دیئے۔ تب آپ نے محبوبانہ ناز کے ساتھ دعا کی
کہ اے کارساز بندہ نواز اس حقیر پر تقصیر کے کام میں اتنی دیر۔ بارگاہ رب قدیر سے ارشاد
ہوا۔ کہ اے محبوب یہ تاخیر خلاف تقدیر اور تدبیر نہیں۔ اس لیے کہ ہمارے کام بسہولت انجام پاتے ہیں۔
اگر ہم چاہتے تو زمین و آسمان کو آن میں پیدا کر دیتے۔ مگر بتقاضائے حکمت چھ دن میں پیدا کیے
اور اس معاملہ کو بارہ برس کا عرصہ گزر چکا ہے۔ کہ وہ کشتی غرق ہوئی تھی۔ اور اہل کشتی کا گوشت پوست
جانوروں کا لقمہ بن چکا تھا۔ ریزہ ریزہ ان کے اجزائے جسم کو جمع کروا کر پھر زندگی کا لباس ان کو از سر نو
پہنایا ہے۔ اب ان کی برآمد کا وقت قریب آتا ہے۔ ابھی کلام جاری ہی تھا۔ کہ دریا میں طغیانی آئی۔ اور
اسی گرداب سے وہ کشتی مع اسباب اور باراتیوں کے بالکل صحیح و سالم جہاں سے ڈوبی تھی۔ باہر نکل آئی۔ وہ
بوڑھی عورت حضرت غوثیا اعظم کی یہ کرامت اور خدا تعالیٰ کی یہ قدرت اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آپ کے قدمیں
پر گر پڑی۔ اور بخوشی آپ سے رخصت ہو کر مع بارات اسی دھوم دھام سے گھر پہنچی سارے شہر میں اس
کرامت کا شور مچ گیا۔ اور سب دینوں کے دلوں میں زلزلہ آگیا۔ ہزاروں بت پرست اسی وقت اسلام سے
مشرف ہو گئے۔ اس کے علاوہ آپ کی سیکڑوں کرامات مشہور ہیں۔

نور الحبیب ص ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ مارچ ۱۹۷۹ء

۳۱-۰۷-۲۰۰۶

مسکراہٹ !

(۱) ایک سنی شیئاً للہ کا ورد کر رہا تھا۔ کہ ایک نجدی نے ایک کیڑے کو پکڑ کر اس کی ٹانگ توڑ دی اور سنی سے کہا۔ کہ لو اپنے پیر سے ہو اگر اس میں کچھ طاقت ہے تو اس کیڑے کی ٹانگ جوڑ دے۔ سنی نے اس کیڑے کی گردن اتار کر کہا۔ لیجیے پہلے آپ رب سے اس میں جان ڈلوا دیجیے پھر ہم ٹانگ لگوا دیں گے۔

(۲) ایک نجدی نے ایک سنی سے کہا۔ کہ اللہ بھی غیب جانے اور رسول بھی غیب جانے تو یہ تو بہت بڑا شرک ہے۔ سنی نے جواب دیا۔ پہلے یہ بتائیے۔ کہ آپ معدوم ہیں۔ یا موجود۔ نجدی نے کہا۔ کہ یہ تماشا ہے میں تو موجود ہوں۔ سنی نے کہا۔ تو یہ تو بہت بڑا شرک ہے کہ اللہ بھی موجود اور تم بھی موجود۔ نجدی نے کہا مگر اللہ تو خود بخود موجود ہے۔ اور میں اس کے موجود کرنے سے موجود ہوں۔ لہٰذا شرک نہیں۔ سنی نے کہا۔ تو اللہ خود بخود غیب جانتا ہے۔ اور رسول اس کے بتانے سے غیب جانتا ہے لہٰذا شرک نہیں۔

(۳) ایک دہریے نے ایک مسلمان سے کہا۔ کہ اگر خدا ہے تو نظر کیوں نہیں آتا۔ مسلمان نے جواب دیا اور اگر تم ہو تو تم نظر کیوں نہیں آتے۔ دہریے نے کہا۔ میں تو یہ کھڑا ہوں۔ تمہارے سامنے۔ مسلمان نے کہا۔ ذرا ہاتھ لگا کر بتاؤ۔ کہ تم کہاں ہو۔ دہریے نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ کہ میں یہ ہوں۔ مسلمان نے کہا۔ کہ یہ تو تمہارا سینہ ہے، تم کہاں ہو۔ دہریے نے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھا۔ اور کہا۔ اچھا تو میں یہ ہوں۔ مسلمان نے کہا یہ تو تمہارا چہرہ ہے۔ تم کہاں ہو۔ اور پھر کہا۔ یہ تمہارا چہرہ یہ تمہارا سینہ ہے۔ یہ تمہارا ہاتھ یہ تمہارے پاؤں جن کے سہارے تمہارا دھڑ ہے تم کہاں ہو۔ دہریے نے کہا۔ تو میں وہ ہوں جس کا یہ سب کچھ ہے۔ مسلمان نے کہا۔ کہ پھر خدا بھی وہی ہے جس کے یہ آسمان یہ زمین یہ عرش و فرش۔ اور یہ نشانیاں ہیں۔

نور الحبیب ص ۳۲ ربیع الثانی ۱۴۰۵

گیارھویں شریف / یہ مہینہ ربیع الثانی کا مہینہ ہے۔ اسی مہینہ کی گیارھویں کو حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا۔ اسی واسطے اہل دل۔ مسلمان اس مہینہ میں گیارھویں کا انعقاد کر کے حضور غوث الثقلین کا ذکر خیر سنتے سناتے اور مناتے ہیں۔ اور حضور غوث پاک کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب

کیلئے حسب توفیق کچھ پکا کر فقراء و مساکین میں گیارہویں کے نام سے تقسیم کر دیتے ہیں۔ اس الحاد پرور دور میں جہاں ہر ہر خیر کو ایک پرانی و فضول رسم کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کا نام خالیہ اسلام رکھا جاتا ہے۔ وہاں گیارہویں شریف کو بدعت و حرام کہہ کر اس ایک امر خیر کو بھی جو محض العیال کو کیا کا ایک طریق ہے۔ اور جس طریق سے فقراء اور مساکین کی ایک گونہ امداد ہو جاتی ہے۔ اور کرے دیا جاتا ہے۔ اور کہا یہ جاتا ہے کہ قرآن میں آچکا ہے۔ وما اھل بہ لغیر اللہ۔ کہ جس چیز پر غیر خدا کا نام آجائے۔ وہ حرام ہو جاتی ہے۔ لہذا گیارہویں کا کھانا بھی حرام ہے۔ اس لئے کہ اس پر بھی غیر اللہ یعنی غوث الاعظم کا نام آچکا ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ برین عقل و دانش ببا ید گریست وما اھل بہ لغیر اللہ سے تو مراد صرف یہ ہے کہ بوقت ذبح جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ حرام ہے۔ چونکہ مشرکین مکہ اپنے بتوں کے نام پر جانور کو ذبح کرتے وقت یوں کہا کرتے تھے۔ باسم اللات والعزیٰ یعنی لات و عزیٰ (دو بت) کے نام سے میں۔ اسے ذبح کرتا ہوں۔ اس لئے خدا نے بتا دیا۔ کہ بوقت ذبح جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ وہ حرام ہے۔ اور اھلال نام بھی اسی آواز کا ہے۔ جو بوقت ذبح بلند کی جائے۔ (کما فی التفاسیر) پس جس جانور کو بسم اللہ اللہ اکبر کی آواز سے ذبح کیا جائے۔ وہ یقیناً حلال ہے۔ اگرچہ وہ غیر خدا کی طرف ہی منسوب ہو۔ اور اگر یہی قاعدہ قائم کیا جائے کہ ہر چیز محض کسی کی طرف منسوب ہو جانے سے ہی حرام ہو جاتی ہے۔ تو پھر کوئی چیز بھی حلال نہ رہ سکے گی۔ اس لئے کہ ہر چیز کی نسبت کسی نہ کسی غیر خدا کی طرف ضرور ہوتی ہے۔ مثلاً عبداللہ کی زمین۔ محمد دین کا مکان۔ اسماعیل کی دوکان۔ عبدالوہاب کی بیوی۔ محمد حنیف کا گھوڑا وغیرہ۔

کہتے ہیں ایک نجدی مولوی عبدالوہاب نامی گھر آیا۔ تو بیوی نے چاول پکا رکھے تھے۔ دریافت کیا کہ یہ چاول کیسے ہیں۔ تو بیوی جو ایک نیک عورت تھی۔ کہنے لگی۔ پیر صاحب کی گیارہویں کا ہے بس پکا رکھا تھا۔ عبدالوہاب تو جل کر کباب ہو گیا۔ گویا اس کا خانہ ہی خراب ہو گیا۔ غصہ میں آکر بولا نادان۔ تو نے یہ کیا غضب کیا۔ گیارہویں کیوں پکائی۔ گیارہویں کے چاول تو حرام ہوتے ہیں۔ عورت بولی یہ چاول کس بات سے حرام ہو گئے۔ عبدالوہاب نے کہا۔ اس لئے کہ ان پر غیر اللہ کا نام آگیا

ہے۔ عورت بولی تو جس چیز پر بھی غیر اللہ کا نام آجائے۔ وہ حرام ہو جاتی ہے۔ نجدی بولا یقیناً
تو عورت نے پھر کہا ذرا سوچ لیجیے۔ اور پھر سے سوچ کر بتائیے، نجدی نے کہا۔ خوب سوچ لیا۔
اور یقیناً سے کہہ رہا ہوں، کہ جس چیز پر بھی غیر خدا کا نام آجائے۔ وہ حرام ہے۔ عورت اٹھی اور
پر قصہ لیکر کہنے لگی۔ اچھا۔ اگر یہ بات ہے تو لو۔ اللہ حافظ میں یہ چلی۔ عبدالوہاب یہ قصہ دیکھ کر حیران
ہو کر بولا۔ یہ چلی کہاں۔ عورت نے کہا۔ اپنے میکے۔ اور کہاں۔ عبدالوہاب نے کہا کیوں۔ عورت بولی
مجھے مسئلہ تو آج ہی سمجھ میں آیا ہے۔ کہ جس چیز پر غیر اللہ کا نام آجائے۔ وہ حرام ہو جاتی
ہے۔ چاولوں پر اگر غیر اللہ کا نام آنے سے وہ حرام ہو گئے ہیں۔ تو مجھ پر بھی تو غیر اللہ کا یعنی تمہارا
نام آ چکا ہے۔ سب یہی کہتے ہیں۔ عبدالوہاب کی بیوی کوئی بھی تو خدا کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ تو یقیناً
میں بھی تم پر حرام ہو گئی۔ لہذا۔ خدا حافظ میں چلی۔ نجدی کے حواس باختہ ہو گئے۔ فوراً اٹھا اور
کہنے لگا۔ جانِ من بگڑو نہیں۔ مسئلہ کی تحقیق ہو گئی تم بھی میرے لیے جائز و حلال اور یہ گیارہویں کے
چاول بھی جائز و حلال۔ مسئلہ خوب سمجھ میں آگیا ہے۔ سچ ہے۔ لاتوں کے بھوت باتوں سے
نہیں مانتے۔

علماء اہل سنت کا یہ دستور ہے۔ کہ وہ لڑائی جھگڑا افتراق و [illegible] انتشار سے حتی الامکان
اجتناب کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ مدافعت میں بولتے ہیں۔ کلمہ گو۔ موحدین کو بات بات پر بدعتی
و مشرک بنانا۔ اور آئے دن چھوٹی چھوٹی باتوں پر مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دینا
شیوہ نجدیت ہی ہے۔ گیارہویں شریف کا پکانا ناجائز اور گیارہویں دینے والے کو بدعتی و مشرک
قرار دینا یہ نجدیوں کا ہی کام ہے۔

نورالحبیب ص ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۰۶ ———

Mabbas

۲-۰۸-۲۰۰۶

المرتب
۱۴۲۷ھ رجب

افاداتِ فقیہِ اعظم رح

التحیات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر جان کر سلام عرض کرنا ۔۔ ۰ ۔۔

واقفِ اسرارِ ظاہری وباطنی قدوۃ السالکین حضرت علامہ امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۷۳ میں ارقام فرماتے ہیں ۔ وھو معنی التحیات واحضر فی قلبک النبی صلی اللہ علیہ وسلم وشخصہ الکریم وقل سلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ولیصدق املک فی انہ یبلغہ ویرد علیک ۔ یعنی التحیات کے یہی معنی ہیں ۔ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے وجود کریم کو اپنے دل میں حاضر جان کر عرض کرو ۔ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں اور اس امید (اعتقاد) کو راسخ کر کے پڑھے ۔ کہ میرا یہ سلام آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ رہا ہے ۔ اور آپ اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں ۔ اس سے بالکل ملتی جلتی عبارت حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف ج ۱ ص ۵۵ پر بھی نقل فرمائی ہے ۔

سندالاصفیاء والاولیاء حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی ۔ میزان شعرانی ج ۱ ص ۱۵۳ مطبوعہ مصر میں رقم طراز ہیں = وسمعت سیدی علیا الخواص رحمۃ اللہ علیہ انما امر الشارع المصلی بالصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التشھد لینبہ الغافلین فی جلوسھم بین یدی اللہ عزوجل علی شھود نبیھم فی تلک الحضرۃ فانہ لا یفارق حضرۃ اللہ تعالی ابدا فیخاطبونہ بالسلام مشافھۃ = میں نے اپنے شیخ و مرشد علی خواص رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ نمازی کو نماز پڑھنے کی حالت میں التحیات میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرنے کا شارع کی طرف سے حکم ہوا ہے اس لیے تاکہ غافلین کو متنبہ کیا جا سکے ۔ کہ التحیات کی حالت میں حضرت اللہ تعالی کی بارگاہ میں بیٹھنا اپنے آپ کو تصور نہ کریں بلکہ اس بارگاہ عالیہ میں اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم

کا بھی موجود ہونا اپنے دلوں میں راسخ کریں۔ اس لیئے کہ وہ کبھی بھی اس بارگاہ سے جدا نہیں ہوتے۔ تبھی تو بالمشافہ آپ سے سلام عرض کرتے ہیں۔

فتاوٰی عالمگیری ج ۱ ص ۷۲ میں مرقوم ہے۔ ولا بد من ان یقصد بالفاظ التشہد معانیہا التی وضعت لہا من عندہ کانہ یحیی اللہ ویسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی نفسہ واولیاء اللہ تعالٰی کذا فی الزاھدی۔ یعنی تشہد پڑھنے والے کے لیئے ضروری ہے کہ اپنی طرف سے تشہد میں ان معانی کا ہی ارادہ کرے جس کے لیئے یہ الفاظ وضع کیئے گئے ہیں۔ گویا کہ اللہ کے حضور میں اسے نئی زندگی بخشی گئی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام اور اپنی ذات اور اولیاء اللہ پر سلام پڑھے۔ اسی طرح زاہدی میں منقول ہے۔ فتاوٰی شامی جلد ا ص۴۷۷ میں لکھا ہے۔ ای لا یقصد الاخبار والحکایۃ عما وقع فی المعراج منہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج میں جو واقع ہوا۔ اسے بطور خبر یا حکایت بیان کرنے کا ارادہ نہیں ہونا چاہیئے۔ وفی المجتبٰی لا بد ان یقصد بالفاظ التشہد الانشاء۔ دار المنتقٰی جلد ا ص۱۰۰ بلکہ ضروری ہے کہ تشہد کے الفاظ سے انشاء کیا جائے۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر مشافحۃً سلام عرض کرے۔ بحر الرائق ص۳۲۴ ج ۱ مطبوعہ مصر، تنویر الابصار جلد ا ص۴۷۷ میں موجود ہے۔ انما ذکرنا بعض معانی التشہد ان المصلی یقصد بہذہ الالفاظ معانیہا مرادۃ لہ علی وجہ الانشاء منہ کما صرح فی المجتبٰی۔ تحقیق ہم نے تشہد کے بعض معنی ذکر کیئے بے شک نمازی ان الفاظ کے ساتھ انشاء (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہونے کا ہی ارادہ کرے۔ جن کے لئے یہ وضع کیئے گئے ہیں جیسا کہ مجتبٰی میں اس کی وضاحت بیان کی گئی ہے۔ (قبر انور کا جوار)

سلطان الملت والدین حضرت صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دلچسپ واقعہ فتح المتعال جلد ا ص۳۲۵ میں درج ہے۔ اُھدیتہا لہ مروحۃ مکتوب فی احد

وجعلها هذه هدیة ما أهدی مثلها للملک ولا لابیه ولا لاحد من الملوک وکانت الهدیة من شریف المدینة المنورة علی ساکنها الصلوٰة والسلام فغضب ثم قلب الوجه الآخر فاذا فیه مکتوب بعنوان البیان ویقال ان الرسول قال لا تغضب حتی تقرأ ما فی الناحیة الاخری وهذا هو —

انا من نخلة تجاور قبرًا ساد من فیه سائر الخلق طاهرا

شملتنی سعادة القبر حتی صرت فی راحتی ابن ایوب اقرا

کھجور کے پتوں کا بنا ایک پنکھا سلطان صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں شریف مدینہ کی طرف سے بطور تحفہ بھیجا گیا۔ جس کے ایک طرف یہ لکھا تھا۔ یہ ایسا تحفہ ہے جو اس سے پہلے آج تک آپ کو اور نہ آپ کے باپ کو اور نہ ہی کسی دوسرے بادشاہ کو بھیجا گیا۔ سلطان یہ پڑھ کر ناراض ہو گیا۔ کہ یہ ایک قسم کا مذاق ہے۔ ایک معمولی سا کھجور کے پتوں کا اتنے بڑے سلطان کے لیے تحفہ کے طور بھیجنا (اور پھر اس پر اتنا بڑا دعوی) اتنے میں پنکھا پلٹ کر دوسری طرف دیکھا۔ تو اس میں یہ دو شعر لکھے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قاصد نے کہا۔ آپ ناراض نہ ہوں۔ اور اس کی دوسری طرف لکھا ہوا پڑھیں۔

ترجمہ اشعار = میں ایسا کھجور کے پتے کا بنا ہوا ہوں جس کو ایسی قبر پاک کا قرب حاصل ہے جو اس قبر منور کے اندر جلوہ فرما ہیں۔ وہ تمام مخلوق سے افضل و برتر ہیں۔ اس قبر پاک کی سعادت شامل ہونے کی وجہ سے میں بھی آج سلطان ابن ایوب کے ہاتھوں میں بطور تحفہ موجود ہوں۔ فقال صدق واللہ وفرح بها ووضعها علی محاجرہ وجعلها خیر متاجرہ وقد صرح جماعة من ائمتنا المجتهدین بعمل بتقبیل اسمه الشریف صلی اللہ علیہ وسلم فیما هو مکتوب فیه وبتبجیله والتبرک به ووضعه علی العیون والروس فتح المتعال ص ۳۴۱ = سلطان نے خوش ہو کر کہا۔ کہ اللہ کی قسم یہ سچ ہے۔ اس کو اپنی آنکھوں پر رکھا۔ اور دین و دنیا کا بہت بڑا ذخیرہ سمجھا۔ ہمارے مقتدر آئمہ دین کی ایک جماعت نے بھی وضاحت کی ہے۔ کہ سلطان صلاح الدین نے اس

چنانچہ پیر مرقوم حضور پر نور کے اسم گرامی کو چوما۔ تعظیم و توقیر کی۔ اور برکت کا ذریعہ سمجھا اور اس کو اپنی آنکھوں اور سر پر رکھا اور اعزاز حاصل کیا۔ واقعی جو عاشق صادق ہوتے ہیں۔ وہ اپنے محبوب سے نسبت رکھنے والی ہر چیز کو محبوب رکھتے ہیں۔ بلکہ دل و جان سے عزیز تر سمجھتے ہیں۔ ؎

أمرّ علی الدیار دیار لیلی — أقبّل ذا الجدار و ذا الجدار
وما حب الدیار شغفن قلبی — ولکن حب من سکن الدیار

یعنی میں ایک ٹوٹے پھوٹے گھر سے گزرا جو لیلٰی کا مسکن محلہ رہ چکا تھا۔ کبھی میں اس دیوار کو چومتا۔ اور کبھی اس دیوار کو چومتا تھا۔ ان ٹوٹی دیواروں کی محبت نے میرے دل پر اثر نہیں کیا تھا۔ بلکہ محبت تو اس کی مجبور کر رہی تھی۔ جو کچھ عرصہ ان دیواروں میں بس کر گیا تھا۔ ؎

جتھوں یار پیارا وسے اوہ سارا ملک پیارا
یار یاراں نوں پیارے لگدے جانے عالم سارا

۲۰۰۶-۰۸-۳۰ — نور الحبیب اولیائے اللہ ص ۲۳

فائدہ نمبر ۲ = مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پ ۲۶ رکوع ۱۲

(محمد اللہ کے رسول ہیں۔)

قرآن مجید کے تمام مترجمین خواہ کسی بھی مکتب فکر سے ان کا تعلق ہو۔ کلمہ مذکورہ کا یہی بیان کیا۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ کسی کے دل و دماغ میں یہ خیال ولفظ نہیں آیا۔ اور نہ ہی آسکتا ہے۔ کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اب بظاہر ہم میں موجود نہیں۔ لہٰذا ہیں۔ کی بجائے لفظ تھے۔ ہونا چاہیئے تھا۔ حتیٰ کہ جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ نبی معاذ اللہ مر کر مٹی میں مل گئے۔ ان کے مترجمین نے بھی یہی ترجمہ لکھا۔ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔

اسے بھی پہلے۔ لہٰذا تمام مکاتب فکر اس امر پر متفق ہیں۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اب بھی ہیں۔ اس سے پہلے بھی جب سے تشریف لائے۔ اور ہمیشہ ہیں۔ لیکن ہیں کہاں۔ تو سنیے وہ ذات والاصفات اور باعث صد برکات اپنے غلاموں میں موجود ہیں۔ اہل ایمان کے پاس ان کی ذات سے بھی قریب تر ہیں۔ اور ہر جگہ۔ ہر وقت موجود ہیں۔ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ اس بات پر شہادت دے رہی ہے۔ النبی اولی بالمومنین یہ نبی ایمان داروں کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر حقانی) کہاں ایمان دار نہیں؟ روئے زمین کے گوشے گوشے اور چپے چپے کو اہل ایمان کے دم قدم سے روشنی اور ضیاء میسر آرہی ہے۔ محمد کریم کے غلام موجود و قائم ہیں۔ ثابت ہوا کہ ہمارے آقا و مولا ہر جگہ ہر آن ہر مقام پر موجود جلوہ فگن ہیں۔ پارہ ۲۶ میں خدائے لم یزل نے اہل ایمان کو خصوصاً مخاطب کر کے فرمایا۔ واعلموا ان فیکم رسول اللہ۔ جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے۔ ع

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا۔ وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو۔

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے۔ (فاضل بریلوی)

محمد کا معنیٰ | لفظ محمد کا مادہ حمد۔ اور تحمید باب تفعیل سے اس کی مصدر ہے محمد اسم مفعول ہے۔ جس کا معنیٰ بہت زیادہ تعریف کیا گیا۔ الذی یحمد حمداً بعد حمید۔ جو بار بار تعریف کیا جائے۔ یعنی ہر آن ہر زبان ہر لمحہ ہر ساعت جس کی حمد و نعت پڑھی جائے۔ جس کا وجود باجود سر تا پا حمد و تعریف کے لائق ہو۔ اور ہر قسم کے عیوب اور نقائص سے پاک و منزہ ہو۔ وہ محمد ہے۔ حکیم مطلق نے اپنے محبوب اور کل عالم کے مطلوب و مقصود کا نام نامی ہی ایسا رکھا کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ابن عبداللہ اور نورِ نظر آمنہ کی ذات سے نقائص و عیوب کا متلاشی بھی اپنی زبان سے انہیں محمد کہہ لینے کے بعد ہی اپنی زبان کو گستاخی رسول کیلئے کھول سکے۔ اور وہ مدعیانِ اسلام جن کے عقیدے کی زبان پر ہو کہ آپ کو علم غیب نہیں۔ ان کے اختیار میں کچھ نہیں وہ

کسی کے نفع و نقصان کے مالک نہیں وغیرہ وغیرہ۔ وہ بھی لب کشائی کرتے وقت آپ کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکیں۔

مشکوٰۃ شریف۔ ص ۵۱۵ میں حدیث پاک موجود ہیں۔ کہ مشرکین مکہ نے حضور نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بجائے محمد کہنے کے مذمم کہنا شروع کر دیا۔ ان کے ذہن میں یہ بات آئی۔ کہ جب آپ کو محمد مان لیا۔ تو جھگڑا کس بات کا کیونکہ اس کا معنیٰ ہی خوبیوں والا۔ اور لائق تعریف ہے۔ تو جب ہم پہلے محمد کہہ لیتے ہیں۔ اور اس کے بعد محمد جادوگر ہے۔ محمد ان پڑھ جاہل ہے۔ مجنون ہے۔ جھوٹا ہے (معاذاللہ) تو یہ کیا نادانی اور فہم و فراست کی بات ہوئی۔ لہذا انہوں نے یہ طے کیا۔ کہ آپ کو محمد کہنا چھوڑ دو۔ اور مذمم برائی کیا گیا۔ کہا کرو۔ صحابہ کرام کو جب اُن کی اس خباثت کا علم ہوا۔ تو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض گزار ہوئے۔ سرکار کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ یشتمون مذمما ویلعنون مذمما وانا محمد۔ وہ گالیوں اور لعنتوں کا ہدف کسی اپنے مذمم کو بناتے ہوں گے۔ اور میں تو ہوں ہی محمد۔ یہ امر اظہر من الشمس ثابت ہوا۔ کہ محمد وہ ذات پاک ہے۔ جو ہمہ خوبیوں کی حامل تمام اوصاف حسنہ سے متصف، تمام کمالات و محاسن میں گندھی ہوئی۔ اور ہر حمد و تعریف کے لائق ہو۔ ہر قسم کے نقائص اور عیوب سے مبرّہ و منزّہ ہو۔ اسی عقیدے اور سرکار سے وابستگی کو صحابی رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں شعر کی زبان دی ہے۔

خلقت مبرّاً من کل عیب — کانک قد خلقت کما تشاء

اور اسی عقیدت کو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت احمد رضا خان فاضل بریلوی نے یوں بیان کیا۔

وہ کمال حسن حضور ہے۔ کہ گمان نقص جہاں نہیں۔
یہی پھول خار سے دور ہے۔ یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں۔

اسم محمد سے انبیاء کرام کا توسل | شفا شریف ص ۱۲۰۱ مطبوعہ مصر
الانوار محمدیہ مطبوعہ استنبول ترکی۔ رحمۃ للعالمین مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۲۶ میں ہے۔

کہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی تین سو سال کے بعد جب توبہ قبول ہوئی۔ تو اسم محمد کی برکت اس کا وسیلہ بنی قال اللھم بحق محمد اغفرلی خطیئتی۔ عرض کی اے اللہ اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ طفیل میری خطا بخش دے۔ فقال لہ اللہ تعالٰی من این عرفت محمدًا = اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ اے آدم تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح جانا عرض کی میں نے جنت میں ہر جگہ اور ہر مقام پہ لکھا دیکھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو میں نے سمجھا۔ کہ آپ کی مخلوق میں سے سب سے محبوب ومحترم بس یہی ذات پاک ہے۔ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ہر جگہ جنت میں لکھ دیا۔ فتاب اللہ علیہ وغفرلہ تو اللہ تعالٰی نے ان کی توبہ قبول کی۔ اور خطا بخش دی۔ ایک دوسری روایت یہ ہے۔ کہ جب خداوند کریم نے دریافت فرمایا۔ کہ تو نے میرے محمد کو کیسے پہچانا عرض کی جب مجھے پیدا کیا گیا۔ تو پہلی نگاہ عرش اعظم پر پڑی تو میں نے اس پر لکھا دیکھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ فعلمت انہ لیس احد اعظم قدرًا عندک ممن جعلت اسمہ مع اسمک۔ میں نے جان لیا۔ کہ جس عظیم ہستی کا نام اللہ نے اپنے نام کے ساتھ عرش معلّی پر لکھ رکھا ہے۔ اس سے بڑھ کر مرتبے والا اس کی ساری مخلوق میں سے کوئی نہیں۔ لہذا اسی نام نامی اسم گرامی کا وسیلہ بارگاہِ خداوندی میں کام آیا۔

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم

نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا۔

امام الائمہ سراج الامۃ سیدنا النعمان بن ثابت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدۃ النعمان میں توسل آدم کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام گرامی سے توسل بھی بیان کیا ہے۔ (وھو ھذا)

انت الذی لما توسل آدم — من زلۃ بلک فاز وھو اباک۔

وبک الخلیل دعا فعادت نارہ — برداً وقد خمدت بنور سناک۔

ودعاک ایوب لضر مسہ — فازیل عنہ الضر حین دعاک۔

یا رسول اللہ آپ کی ذات ایسی بابرکت ہے کہ جب آدم ابوالبشر جو کہ آپ کے بھی باپ ہیں۔ نے اپنی لغزش کی عفو پر آپ کا وسیلہ پکڑا۔ تو وہ کامیاب ہوئے۔ ایسے ہی سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے آپ کے توسل سے دعا کی تو آپ کے نور پاک (جو ان کی پیشانی میں جلوہ گر تھا) کی طفیل ان پر آگ گلزار ہو گئی۔ سیدنا ایوب صابر علیہ السلام نے اپنی بیماری اور تکلیف میں آپ کا وسیلہ لیا۔ تو ان کی بیماری و کلفت دور ہو گئی۔ غرضیکہ ہر آن ہر وقت ہر ایک کیلئے یہی ذاتِ پاک ستودہ صفات اور آپ کا اسمِ پاک ہی کام آیا۔

کشتی نوح میں نارِ نمرود میں — بطن ماہی میں یونس کی فریاد میں
آپ کا نام نامی اے صلِ علیٰ — ہر جگہ ہر مصیبت میں کام آگیا۔

اسمِ محمد کی عالمِ برزخ میں برکت

حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رح نے حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۲۴ جلد نمبر ۱ میں یہ روایت درج فرمائی ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے اپنی دو سو سال زندگی فسق و فجور معصیت و نافرمانی میں بسر کی جب فوت ہوا۔ تو لوگوں نے اس کی بدکاری و بدعملی کی بنا پر اسے گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ بارگاہِ رحمٰن و رحیم سے حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو ارشاد ہوا۔ کہ اسے وہاں سے اٹھا کر باعزت طور پر تجہیز و تکفین کی جائے۔ اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے۔ سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں عرض پرداز ہوئے۔ کہ مولا اے قدوس یہ تو سخت گنہگار عاصی اور شرانا فرمان ہے۔ حکم ایزدی ہوا کہ یہ سب باتیں مبنی بر صداقت ہیں۔ الا انہ کلما نشر التورۃ و نظر الی اسم محمد قبلہ و وضعہ علی عینیہ وصلی علیہ وسلم = مگر جب یہ تورات کھولتا۔ اور نام محمد کو دیکھتا تو اسے چومتا۔ اور اپنی دونوں آنکھوں پر لگاتا۔ اور درود شریف پڑھتا۔ اس کا یہ عمل مجھے بہت پیارا لگتا۔ اس لئے میں نے اس کے تمام گناہوں کو بخش دیا ہے۔

اے صلِ علیٰ نام محمد کیا نام محمد ہے — گر تو لکھ دے لکھتا ہے سچا نام محمد
یہ نام کوئی کام بگڑنے نہیں دیتا — بگڑی کو بھی لیتا ہے بنا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اسم محمد کی عالم آخرت میں برکت | شفا شریف جلد ا صفحہ ۱۰۰ میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ عن جعفر بن محمد عن ابیہ اذا کان یوم القیامۃ نادی مناد الا لیقم من اسمہ محمد فلیدخل الجنۃ لکرامۃ اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قیامت کے دن ایک منادی ندا کریگا۔ آگاہ ہو جاؤ سنو جس کا نام محمد ہے۔ وہ کھڑا ہو جائے۔ اور اسم محمد کی کرامت و برکت اور محبوب کے نام کی مناسبت کی وجہ سے سیدھا جنت میں چلا جائے۔ دلائل النبوۃ میں علامہ بیہقی علیہ الرحمۃ نے یہ حدیث قدسی بیان فرمائی ہے۔ وعزتی وجلالی لا اعذب احدا تسمی باسمک فی النار۔ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم جس شخص کا نام محمد ہوگا۔ اسے کبھی دوزخ میں عذاب نہ دوں گا۔ سبحان اللہ کیا کیا برکات ہیں نام محمد میں صلی اللہ علیہ وسلم =

عموم رسالت | تمام انبیاء ورسل خاص وقت خاص علاقے اور خاص قوم کی طرف مبعوث ہوئے۔ مگر حضور رسالت مآب کیلئے نہ تو اوقات کا تعین نہ ہی علاقہ کی تخصیص اور نہ کسی ایک قوم کی قید تھی۔ بلکہ آپ تمام عالم تمام روئے زمین کے جن وانس بلکہ اللہ کی ساری مخلوق کے لئے نبی ورسول بن کر تشریف لائے۔ ارشاد حق تعالیٰ ہے۔ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا (۱ الفرقان) بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے خاص بندے پر قرآن اتارا۔ جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہے۔ اس میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے عموم رسالت کا بیان ہے کہ آپ تمام خلق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ لہذا جن وبشر فرشتے اور دیگر تمام خلق خدا آپ کی امت ہے۔ کیونکہ عالم ما سوی اللہ کو کہتے ہیں۔

بخاری شریف جلد ا صفحہ ۴۸ ۶۲ میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خصوصیت سے پانچ چیزیں عطا کی ہیں۔ جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہ ہوئی۔ چھ یا پانچ چیزوں کا بیان = نیز مسلم کی روایت میں ارسلت الی الخلق کافۃ کے الفاظ ہیں۔ یعنی میں خدائے واحد کی ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

نور الحبیب صفحہ ۱۴ صفر المظفر ۱۴۰۵ھ

۵-۰۸-۲۰۰۶

حضور کے فضلات مبارکہ پاک ہیں | ابوالفضل قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیف
الشفا، مطبوعہ مصر صہ ۴۱ جلد ا میں رقم فرماتے ہیں۔ فقد قال قوم من اهل العلم
بطهارة هذین الحدثین منه صلی اللہ علیہ وسلم وهو قول بعض اصحاب الشافعی
یقیناً بعض اہل علم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حدثین (پیشاب پاخانہ) کے پاک ہونے
کے قائل ہیں۔ اور یہی قول بعض شافعی حضرات کا بھی ہے۔

فتح الباری شرح بخاری صہ ۲۱۸ جلد ا میں ہے۔ صحح بعض ائمة الشافعیة
طهارة بوله صلی اللہ علیہ وسلم وسائر فضلاته وبه قال ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کما
نقله فی المواهب اللدنیة عن (شرح البخاری للعینی) بعض شافعی آئمہ نے
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشاب مبارک کے پاک ہونے بلکہ تمام فضلات کے
طاہر ہونے کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
کا ہے۔ جس طرح مواہب اللدنیہ میں شرح بخاری عینی سے منقول ہے۔

عینی شرح بخاری صہ ۸۲۹ جلد ا مسلک جلد ا اور عقود الدریۃ صہ ۳۶۵ ج ۲ میں مرقوم
ہے۔ وتکاثرت الادلة علی طهارة فضلاته صلی اللہ علیہ وسلم وعد الائمة من خصائصه
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کے پاک ہونے پر کثرت سے دلائل موجود ہیں۔ اور
آئمہ کرام نے اس کو آپ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔ کتب مذکورہ میں یہ
عبارت بھی موجود ہے۔ ان فضلاته علیه الصلوٰة والسلام طاهرة کما جزم به البغوی
وغیره وهو المعتمد وذکر احادیث ثم قال وهذه الاحادیث مذکورة فی کتب الصحیح
یقیناً نبی پاک علیہ السلام کے فضلات پاک ہیں۔ جس طرح کہ علامہ بغوی وغیرہ نے جزم
کیا۔ اور اسی پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اور کافی حدیثیں ذکر کرنے کے بعد کہا۔ یہ حدیثیں
صحیح کتابوں سے ذکر کی گئی ہیں۔ وقال قوم بطهارة الحدثین منه ص
ای البول والغائط وکذا دمه وسائر فضلاته مجمع البحار صہ ۲۴۴ جلد ا
اور ایک گروہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حدثین یعنی پیشاب و پاخانہ اور خون اور تمام

فضلات کو پاک و طیب کہا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ = اس کے سوا نہیں کہ تم پر اللہ نے مردار خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ حرام کر دیا ہے۔ آیت کریمہ سے واضح ہے۔ کہ یہ چار چیزیں حرام ہیں جس میں بہنے والا خون بھی شامل ہے۔ مگر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ کہ بعض صحابہ کرام نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون مبارک نوش فرمایا۔ اور آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر کوئی مواخذہ اور گرفت نہیں فرمائی۔ بلکہ انہیں دوزخ سے آزادی کی بشارت دی جس سے أظہر من الشمس ثابت ہوا۔ کہ آپ کا خون پلید و حرام نہیں۔ بلکہ طیب و منزہ ہے۔ مزید براں ایک صحابیہ سے حضور کا پیشاب پینا بھی ثابت ہے۔

شفا شریف ص ۴۱ جلد ۱ میں ابوالفضل قاضی عیاض علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں وهذه شرب مالک بن سنان دمه يوم احد وقوله له لن تصيبه النار ومثله شرب عبد الله بن الزبير دم حجامته ولم ينكر عليه = اور انہیں مرویات میں سے حضرت مالک بن سنان کا احد کے دن خون مبارک نوش کرنا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں یہ فرمانا کہ ان کو آگ ہرگز نہیں پہنچ سکتی۔ نیز اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھنے لگوانے کا خون پینا اور آپ کا اس پر نکیر نہ فرمانا۔ ثابت کرتا ہے۔ کہ آپ کا خون مبارک پاک ہے۔

مدارج حق ص ۱۳۶ ج ۱ میں ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے خون چوسا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس نے میرا خون چوسا اس کو آگ مس نہ کر سکے گی۔ الہدیۃ المرجاۃ ص ۹۹ میں مولانا محمد عنایت اللہ لکھنوی نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے حالات میں تحریر کیا ہے۔ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پچھنے لگوائے۔ اور خون حضرت عبداللہ بن زبیر کو دیا۔ کہ اس کو کسی علیحدہ جگہ ڈال آؤ۔ حضرت عبداللہ نے اس کو پی لیا۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔

کو تم کو آگ نہ چھو سکے گی۔ مگر قسم پورا کرنے کیلئے یعنی ان منکم الا واردھا۔ تو پورا کرنے کیلئے ← قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے الشفا ص ۴۲ جلد ۱ میں یہ حدیث بھی درج فرمائی ہے۔ وقد روی نحو من ھذا عنہ فی امراۃ شربت بولہ فقال لھا لن تشتکی وجع بطنک ابدا و حدیث ھذہ المراۃ التی شربت بولہ صحیح الزم الدارقطنی مسلما والبخاری اخراجہ فی الصحیح واسم ھذہ المراۃ برکۃ واختلف فی النسب وقیل ھی ام ایمن وکانت تخدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدح من عیدان یوضع تحت سریرہ یبول فیہ من اللیل فبال فیہ لیلۃ ثم افتقدہ فلم یجد فیہ شیئا فسال برکۃ عنہ فقالت قمت وانا عطشانۃ فشربتہ۔ اور ضرور انہیں سے اس کی مثل یہ بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس عورت کے متعلق جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب نوش کیا۔ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا۔ کہ تجھے ہرگز پیٹ کی تکلیف نہ ہوگی۔ اور اس عورت کی حدیث جس نے آپ کا پیشاب پیا صحیح ہے۔ امام دارقطنی نے اس حدیث کو امام مسلم اور بخاری نے لازم پکڑا۔ اور اپنی صحیح میں اس کو بیان کیا۔ اس عورت کا نام برکۃ ہے۔ اس کے نسب میں اختلاف ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ یہ ام ایمن ہے۔ جو نبی کریم کی خدمت کیا کرتی تھی۔ اس نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عیدان لکڑی کا ایک پیالہ تھا۔ جو آپ کی چارپائی کے نیچے رکھا جاتا تھا۔ حضور رات کو اس میں پیشاب فرماتے تھے۔ ایک رات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں پیشاب فرمایا۔ پھر اس پیالہ کو خالی پایا۔ تو ام ایمن برکۃ سے دریافت فرمایا۔ تو اس نے عرض کی کہ حضور میں نیند سے اٹھی اور پیاسی تھی۔ تو میں نے اسے پی لیا۔ عارف رومی علیہ الرحمۃ نے بھی اپنے اس عقیدے کو برملا الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے۔ ص

ایں خورد گردد پلیدی زیں جدا ۔ واں خورد گردد ہمہ نور خدا ۔

دنیا کے لوگ دو طرح کی چیزیں غذا میں اور عمل کھاتے ہیں۔ تو ان سے پلیدی اور فضلات بن کر نکلتی ہے۔ اور وہ بندے خدا نما دلنواز کھاتے ہیں۔ تو سب کا سب نور خدا بن جاتا ہے۔

نور الحبیب ص ۳۶ مشرف المظفر ازمع اللہ ۱۳۰۶ ۱۹۸۹

۸-۰۸-۲۰۰۶ ء

توحید و رسالت ۶

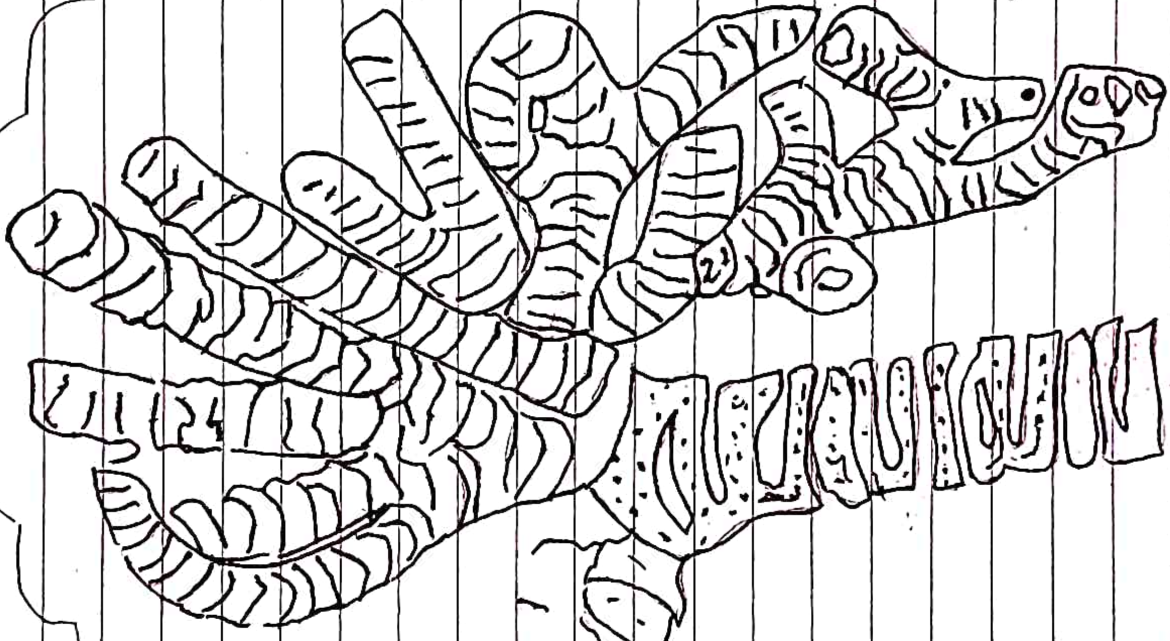
کائنات ارضی و سماوی کی ہر چیز اللہ رب العالمین جل و علا اور حضور پر نور ختمی مرتبت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ رسالت پر دال ہے۔ جوں جوں دنیا ترقی کرتی جا رہی ہے۔ حمد و ثنا کی یہ وسعتیں اور اجاگر ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ دورِ حاضر بلاشبہ سائنس و ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ نت نئی ایجادات اور تحقیقات سامنے آ رہی ہیں۔ اور یہ سلسلہ جس قدر آگے بڑھ رہا ہے۔ اسی قدر توحید باری تعالیٰ اور عظمتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے دلائل و براہین واضح ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ جن معجزات کو خلافِ عقل سمجھ کر بڑی شد و مد سے انکار کیا جاتا رہا ہے۔ آج کی سائنسی ایجادات ان کی مکمل تصدیق کر رہی ہیں۔ اور یہ سلسلہ روز افزوں ہے۔ منکرینِ توحید و رسالت کے ہاتھوں ہی ایسی چیزیں منظرِ عام پر آ رہی ہیں جن سے حقیقتِ خداوندی اور عظمتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم نئے نئے زاویوں اور نئی نئی جہتوں سے اجاگر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اور اہلِ فکر کیلئے دعوتِ فکر کا سامان مہیا ہو رہا ہے۔

ابھی رمضان المبارک کے اوائل میں جب اس احقر کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے درِ اقدس کی حاضری سے باریاب فرمایا۔ تو یہاں مدینہ منورہ میں ایک عزیز نے ایک چارٹ پر سائنسی تحقیق کی دستاویز عنایت کی۔ جس کے مطابق کچھ عرصہ قبل انسانی جسم کی کمپیوٹر کے ذریعے تصویر لی گئی تو یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا۔ کہ ہر انسان کی سانس کی نالی کے ٹانسل پر کلمہ طیبہ کا جزو اول لا الہ الا اللہ لکھا ہوا ہے۔ جبکہ دائیں پھیپھڑے پر محمد رسول اللہ منقش ہے۔ (اگلے صفحہ پر تصویر ملاحظہ کریں)

زندگی کا مدار سانس پر ہے۔ اور آلاتِ تنفس جن سے سانس کی آمد و رفت قائم ہے ان پر کلمہ طیبہ منقش ہونا۔ ہر انسان کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔ کہ اگر وہ کائنات کے خارجی دلائل کو نہ سمجھ سکا تو اپنے اندرونی نظام کو دیکھے اور تدبر و فکر سے کام لے۔ تو یہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ ذاتِ خداوندی اور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہر حقیقت سے بڑی حقیقت

١

کمپیوٹر کی مدد سے لی گئی انسانی سانس کی نالی اور پھیپھڑے کی تصویر



جس پر کلمہ طیبہ تحریر ہے۔

حقیقت میں۔ ایمان پر ایمان لانا عین فطرت ہے۔ اسی لیے تو قرآن شریف جمہور جھنجوڑ کر
اعلان فرما رہا ہے۔ سنریهم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق
سورۃ حم السجدہ ۵ ۵۳ پارہ ۲۵) ہم دکھائیں گے انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم
میں۔ اور ان کے اپنے نفسوں میں تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے۔ اور مخبر صادق
صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کل مولود یولد علی الفطرۃ صحیح بخاری ص ۱۸۵ ہر نومولود
فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اس تصویر سے یہ بات بھی عیاں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے
محبوب کے ذکر کو کس طرح بلند کیا ہے۔ اور کس طرح بلند دیکھنا چاہتا ہے۔ اسی لیے تو اپنے حبیب
کے نام کو اپنے نام سے بھی جلی اور واضح تر نقش فرمایا۔

غرض کہ ارباب بصیرت کیلئے اس میں عظمت مصطفےٰ کے کئی پہلو ہیں۔ اللہ تعالیٰ چشم
بینا عطا فرمائے۔ اور ایمان محکم اپنی ذات وصفات اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت
ورفعت سمجھنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ قارئین نور الحبیب کے لیے یہ تحقیقی تصویر بھجوا
رہا ہوں۔ خود دیکھیں۔ احباب کو دکھائیں۔ بار بار غور وفکر کریں۔ اور اپنے قلوب کو عشق
الٰہی وعشق رسول سے جلا بخشیں ـــــ

محمد محب اللہ نوری مدینہ منورہ
۲۱ رمضان المبارک ۱۴۱۰
۱۶ اپریل ۱۹۹۰ بروز پیر۔
نور الحبیب ص ۳ جلد ۲ مئی ۱۹۹۰ شمارہ ۳۵

Muqurata Qari Muhammad Abbas Nizami
Distt. Teh. Pakpattan

M abbas
۸-۰۸-۲۰۰۶

روحِ عالم — اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر پروفیسر
محمد طاہر القادری

حضور کے اسمائے مبارکہ میں مادۂ حمد خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ اس مادے سے حضور کے کم از کم چار نام مشتق ہیں ۔ محمد ۔ احمد ۔ حامد ۔ محمود ۔ ان میں سے اسمائے مبارکہ محمد احمد اور محمود تعریف کیے گئے ۔ کا مفہوم رکھتے ہیں ۔ محمد مبالغے کا اور احمد تفضیل کا صیغہ ہے ۔ اور دونوں میں حمد کے معنی کی وسعت اور کثرت کی طرف اشارہ ہے ۔ حضور کے یہ تینوں اسمائے مبارکہ آپ کی تعریف و توصیف کی کثرت کے غماز ہیں ۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ حضور کی تعریف صرف مخلوق یعنی کائنات جن و انس اور ملائکہ مقربین ہی نہیں کرتے بلکہ خود اللہ رب العزت بھی آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہے ۔ ارشاد ہے

ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر۔ اے ایمان والو ۔ تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو ۔ اور خوب سلام بھیجا کرو ۔
یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ۔ الاحزاب (۳۳ — ۵۶)

درحقیقت سارا قرآن ہی آپ کی حمد و ثنا اور بے پایاں اور تعریف و توصیف سے معمور ہے ۔

محمد کے معنیٰ کی وسعت و عمومیت | جب یہ طے پاگیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی نام محمد اور احمد ہیں ۔ اور ان دونوں کا مفہوم ہے ۔ وہ ذات جس کی بار بار اور کثرت سے تعریف کی جائے ۔ تو اس قاعدے کو پیش نظر رکھیے کہ تعریف ہمیشہ خوبی اور نیکی پر کی جاتی ہے نقص اور عیب پر نہیں کی جاتی ۔ اس اعتبار سے حضور کے مندرجہ ذیل بالا دونوں اسماء کے لغوی مفہوم میں حضور کا ہر انسانی لغزش و خطا اور ہر بشری نقص و عیب سے پاک ہونا ۔ اور اس کے ساتھ ہر صفت کمال کا فطری طور پر موجود ہونا ثابت ہو رہا ہے ۔ لہٰذا دونوں ناموں میں حضور کی سیرت و کردار حضور کے خلق عظیم کا ہر پہلو اور ہر گوشہ پوری شان کے ساتھ نمایاں ہے ۔ یہ اسمائے مبارکہ ثابت کرتے ہیں کہ حضور کی ذات فطری اور جبلی طور پر ظاہری و باطنی عیب و نقص سے مبرّا اور منزّہ ہے ۔ شاعر بارگاہ نبوت حضرت حسان بن ثابت کے ان دو نعتیہ اشعار کا بھی یہی مفہوم ہے ۔ واحسن منک لم تر قط عینی ۔ واجمل منک لم تلد النساء ۔

حضرت حسان بن ثابت کے مذکورہ القدر اشعار میں حضور کے اسم گرامی (محمد و احمد) کے
ظاہری اور باطنی محاسن کی طرف جس عمدگی سے اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ محتاج تفصیل نہیں دلچسپ
یہ ہے کہ جس طرح حضور کی ذات منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ اسی طرح حضور کا نام تمام دنیا
کے انسانوں کے ناموں سے نرالا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ کہ رب کائنات نے اپنے محبوب کا یہ نام
تجویز کیا ہے۔ انجیل برناباس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول بیان ہوا ہے کہ تخلیق
کائنات کے وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کا نام اپنے نام کے ساتھ عرش بریں پر ملا کر تحریر
فرمایا تھا۔ کیونکہ ہر انسانی عیب و نقص سے پاک و صاف انسان حضور علیہ السلام کے سوا نہ آج
تک پیدا ہو سکا۔ اور نہ آج کے بعد کبھی پیدا ہوگا۔

حضور کا ظاہری حسن و جمال: حضرت حسان کے مذکورہ بالا اشعار حضور کے جسمانی حسن
اور شخصی وجاہت پر دلالت کرتے ہیں۔ واقعہ یہ بھی ہے۔ کہ حضور سے زیادہ حسین چہرہ آج
تک روئے زمین پر نہیں دیکھا گیا۔ حضور حسن ظاہری کا بھی مجسمہ تھے۔ اور حسن باطنی میں بھی
یکتائے روزگار تھے۔ آپ اکثر دعا مانگا کرتے تھے۔ اللھم احسن سیرتی کما حسنت صورتی
اے میرے اللہ میری سیرت بھی ایسی ہی حسین کر دے جیسی میری صورت حسین ہے۔ آپ کو دیکھنے
والے خوش نصیب افراد اکثر آپ کے حسن بے مثال کو یاد کر کے بے چین ہو جایا کرتے تھے۔ ایک
صحابی حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میں حضور کی قدم بوسی کیلئے حاضر ہوا دیکھا
کہ حضور سرخ دھاری دار لباس پہنے بستر پر استراحت فرما رہے تھے۔ اوپر چودھویں
کا چاند چمک رہا تھا۔ نیچے حضور چارپائی پر آرام فرما رہے تھے۔ میں کبھی چاند کو اور کبھی حضور کے
رخ زیبا کو دیکھتا۔ اور فیصلہ نہیں کر سکا۔ کہ چاند زیادہ حسین ہے یا آپ۔ الشفا قاضی عیاض

حضرت جابر ایک مرتبہ حضور کے حسن و جمال کے بارے میں گفتگو فرما رہے تھے اسی دوران
فرمایا۔ حضور کا چہرہ تلوار جیسا تھا؟ نہیں بلکہ سورج اور چاند کی طرح چمکدار اور آبدار تھا
اکثر صحابہ سے حضور کے ظاہری حسن و جمال پر مبنی روایات منقول ہیں۔ قاضی عیاض کے مطابق
کم از کم پندرہ جلیل القدر صحابہ کرام کی یہ متفقہ شہادت ہے کہ حضور جسمانی حسن و جمال کا باکمال

نمونہ تھے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ کہ جب آپ مسکراتے تو محسوس ہوتا۔ ؎
کانہا قطعۃ قمر (الشفا قاضی عیاض) گویا آپ چاند کا ٹکڑا ہیں۔ حضور کے
حسن کو بے مثال بنانے کی غرض و غایت بھی قابل دید ہے۔ چونکہ آپ کو تمام انسانوں میں خدا کا
محبوب کے مقام پر فائز ہونا تھا۔ وہ خدا جو رب العالمین ہے۔ اور جس نے کائنات کا ایک ایک
ذرہ تخلیق کیا۔ جس کے حرف کن سے ہر حسین و جمیل مخلوق معرض وجود میں آئی۔ اس خدا نے
محبوب کے حسن و جمال کو سنوارنے اور اسے درجۂ کمال پر پہنچانے میں کسر اٹھا رکھی ہوگی۔ خاص طور پر
اس لئے کہ اللہ جمیل ویحب الجمال۔ اللہ تعالیٰ پیکر جمال ہے۔ اور جمال کو پسند فرماتا
ہے۔ اس لیے قیاس یہ کہتا ہے۔ کہ حضور کو حسن و شادابی، علم و دانش و وجاہت کی جو جو صفات عطا
ہوئیں۔ وہ دنیا کے کسی فرد بشر کی قسمت اور مقدر نہیں ہو سکتیں۔ حضرت امام بوصیری فرماتے ہیں
؎ فہو الذی تم معناہ وصورتہ   ثم اصطفاہ حبیبا باری النسم
منزہ عن شریک فی محاسنہ   فجوہر الحسن فیہ غیر منقسم
ترجمہ = اللہ تعالیٰ نے آپ کے ظاہری اور باطنی حسن کو درجۂ کمال تک پہنچایا۔ اور پھر اپنی حبیب کے لئے آپ
کو منتخب کر لیا۔ حضور اپنے کمالات میں شریک و سہیم نہیں رکھتے۔ پس آپ کا جوہر حسن غیر منقسم
ہے۔ امام موصوف مزید فرماتے ہیں۔ ؎
فاق النبیین فی خلق و فی خلق   ولم یدانوہ فی علم ولا کرم
آپ انبیاء سے خلقت اور اخلاق میں بڑھ گئے ہیں۔ آپ کے جود و کرم کی کوئی شان نہیں پاتا اور نہ علم
و فضل کو۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ حسن جو حضرت یوسف علیہ السلام میں جلوہ گر ہوا تھا۔ اور جس
نے انہیں دنیا کا حسین ترین شخص بنا دیا تھا۔ اور وہ جمال جو حضرت موسیٰ کے ید بیضا میں منعکس
ہوا تھا۔ جس سے ان کا ہاتھ بقعۂ نور ہو گیا تھا۔ اور وہ حسن جو حضرت ابراہیم اسماعیل اور حضرت
عیسیٰ میں تجلی پذیر ہوا۔ اور وہ سب حسن و جمال آپ کی ذات اقدس میں جمع کر دیا گیا۔ اسی لیے
مشہور شاعر نے کہا ہے۔ ؎ حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری ؎

اسم محمدؐ ——— توحیدِ خداوندی کی دلیل = القصہ حضورؐ کا نہ کوئی ظاہری حسن میں شریک و سہیم ہے۔ اور نہ کوئی باطنی حسن و جمال میں ہمسر ہے۔ اپنی گوناں گوں خصوصیات اور کمالات کی بنا پر خداوند تعالیٰ کے بعد زمین و آسمان میں سب سے زیادہ تعریف و توصیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی ہے۔ اسی لئے حضورؐ کا نام محمدؐ رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت میں حضور کی محمدیت کو اللہ رب العزت نے اپنی توحید و یکتائی کی واحد دلیل ٹھہرایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ میں واحد یکتا ہوں۔ اس لئے کہ میرا محبوب اپنے حسن و جمال اور اسم پاک و کردار میں یکتا ہے۔ اور فرمایا۔ جن لوگوں کو میری وحدانیت کی شہادت درکار ہو۔ وہ حضور علیہ السلام کو دیکھ لیں۔ حضورؐ کی سیرت طیبہ اور حیات عالیہ کا مطالعہ کر لیں۔ انہیں دنیا میں سب سے بڑھ کر نبوت اور توحید کی سب سے بڑی دلیل ہاتھ آ جائے گی۔

حضور کی نبوت کی دلیل = حضورؐ کی ذات جس طرح رب الارباب کی ربوبیت اور توحید کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اسی طرح حضورؐ کی زندگی خود آپ کی نبوت و رسالت کی بھی ناقابل تردید شہادت ہے۔ حضورؐ نے قریش مکہ کے ایک ایک خاندان کو یا آل غالب کہہ کر کوہ صفا کے نیچے میدان میں جمع کیا۔ اور ان کے سامنے اپنی نبوت و رسالت کا اعلان کیا۔ یہ ایسا موقع تھا۔ جب عام طور پر لوگ نبی کی سب سے بڑی دلیل طلب کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے ید بیضا اور عصا کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے احیاء موتیٰ اور ابراء برص و اکمہ کا معجزہ پیش کر کے اعلان نبوت کیا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اعلان نبوت کے اس موقع پر چاہتے تو چاند کے دو ٹکڑے کر سکتے تھے۔ سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع کرا کے دکھا سکتے تھے۔ پہاڑوں کو اپنی جگہ بدلنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ مگر نہیں حضور نے ایسا نہیں بلکہ اس موقع پر سب سے منفرد اور سب سے نرالی دلیل پیش کی اور فرمایا ؎

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ (یونس) میں تمہارے اندر اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزار چکا ہوں۔ یہاں میں نے کم و بیش زندگی کے چالیس سال گزارے ہیں۔ میں تمہارے سامنے پیدا ہوا۔ پلا اور بڑھا ہوں۔ تم نے مجھے ہر روپ اور ہر رنگ میں دیکھا۔ اور پرکھا ہے۔ بچے کے روپ میں بھی جوانی

کے روپ میں بھی ۔ نوجوان تاجر کے رنگ میں بھی ۔ مہربان اور شفیق خاوند اور معاشرے کے ایک باوقار ممبر کی حیثیت میں بھی ۔ میری یہ تمام زندگی کھلی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے ۔ کیوں کہ بتلاؤ کہ تم نے میری چالیس سالہ زندگی میں کہیں کوئی عیب اور نقص دکھائی دیا ۔ کبھی تم نے میرے اندر کوئی انسانی و بشری کمزوری محسوس کی ۔ اگر میرا دامن زمانہ جاہلیت کے اس پر آشوب دور میں بھی ہر انسانی عیب اور نقصان سے مبرہ اور منزہ رہا ہے ۔ تو پھر تمہیں یقین کر لینا چاہیے کہ میں ہی تمہیں صحیح راہ دکھا سکتا ہوں ۔ اور وہ سیدھی راہ یہ ہے جس ذات نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے یقین کر لو ۔ کہ وہ بھی ہر عیب اور شرک کیے جانے کی کمزوری سے بلند و بالا ہے ۔

آپ کے ہونٹوں سے یہ دلیل سنتے ہی عالم کفر کی گردنیں جھک گئیں ۔ اس مجمع میں ہر قسم کے مخالف اور عناد رکھنے والے دشمن موجود تھے ۔ اگر حضور کی سیرت و کردار میں ذرہ بھر بھی کوئی عیب ہوتا تو دشمن فوراً پکار اٹھتے ۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ دشمنان اسلام نے اسلام اور پیغمبر اسلام کو مٹانے کیلئے سب کچھ کیا ۔ لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی کسی موقع پر یہ نہیں کہا ۔ کہ آپ کی سیرت و کردار میں کوئی عیب ہے ۔

توحید کی سب سے بڑی اور نرالی دلیل ۔ توحید کا مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہ تھا ۔ عرب اسے سن کر مرنے مارنے پر آمادہ ہو جاتے تھے ۔ ان کی گردنیں اکڑ جاتی تھیں ۔ ان کے ہاتھ تلواروں اور نیزوں پر جا پہنچتے تھے ۔ اسی بنا پر سورۃ الزمر میں ارشاد ہے

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ

اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ تو ان لوگوں کے دل منقبض ہو جاتے ہیں ۔ جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے ۔ اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسی وقت وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں (الزمر ۳۹ = ۴۵)

جو مسئلہ اتنا نازک اور حساس ہو ۔ اس مسئلے کیلئے اتنی ہی بڑی اور عظیم دلیل پیش کی جاتی ہے ۔ کیونکہ معمولی دلیل تو مخالفین فوراً رد کر دیتے ہیں ۔ اسی لئے اس موقع پر پیش کی گئی دلیل توحید ربانی کی سب سے بڑی دلیل تھی ۔ اور ہے ۔ قرآن کریم میں ارشاد باری

تعالیٰ ہے۔ یایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا۔ نساء ۴: ۱۷۵
اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے ایک دلیل آ چکی ہے۔ اور ہم نے تمہارے پاس
صاف نور بھیجا ہے۔ اگر خدا کی طرف سے پیش کی جانے والی یہ دلیل غلط ہوتی تو پھر خدا
تعالیٰ کی توحید جیسے غیر معمولی اور انتہائی اہم مسئلے کو آسانی سے ثابت نہیں کیا جا سکتا تھا
لیکن چودہ سو سال گزر گئے۔ آج تک عالم کفر کی طرف سے اس دلیل کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکا

اللہ اور حضورؐ کے ناموں کا اتصال = کلمہ طیبہ پر ایک سرسری نگاہ ڈالیے۔ اور دیکھیے
کہ جہاں سے اللہ کی "ہ" ختم ہوتی ہے۔ وہیں سے محمد کی "میم" شروع ہو جاتی ہے درمیان
میں واؤ عاطفہ تک نہیں رکھی گئی۔ یعنی یہ نہیں کہا گیا (و محمد رسول اللہ) جس کی وجہ
یہ ہے کہ واؤ عاطفہ کے درمیان میں آنے سے تھوڑا فاصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ رب العزت
یہ چاہتا ہے۔ کہ میرے نام کے فوراً بعد میرے حبیب کا نام آئے جو میری توحید و یکتائی کی سب
سے بڑی دلیل ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب | سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ میں محمد احمد
اور محمود تینوں کا مفہوم ہے۔ بہت زیادہ تعریف کیا گیا۔ حالانکہ سورۃ فاتحہ کے آغاز میں
ارشاد ہے۔ الحمد للہ رب العالمین تمام تعریفیں سزاوار ہیں اللہ کو جو سب جہانوں کا پالنے والا
ہے۔ ادھر تو تمام تعریفوں کا مستحق صرف اور صرف اللہ رب العزت کو قرار دیا جا رہا ہے۔ اور
دوسری طرف حضور کو دنیا میں سب سے زیادہ محمود (تعریف کیا ہوا) ٹھہرایا جا رہا ہے۔ بظاہر ان
دونوں میں تضاد سا ہے۔ ——— اس اشکال کے جواب کو سمجھنے کیلئے لفظ رب پر غور
و فکر کی ضرورت ہے۔ لغوی طور پر پالنے اور پرورش کرنے والے کو اور اس ذات کو رب کہتے ہیں
جو اپنے زیر تربیت افراد یا اشیاء کو آہستہ آہستہ نشوونما کے ذریعے درجۂ کمال تک پہنچا
دے۔ خواہ یہ نشوونما جسم و ظواہر کی ہو۔ یا علوم و بواطن کی۔ اسی لئے لغوی اعتبار سے
والدین اپنی اولاد کے مجازی رب ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔
رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا = بنی اسرائیل (۱۷ : ۲۴) اے میرے پروردگار ان دونوں پر

رحمت فرما۔ جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا تھا۔ اور پرورش کیا ہے۔ وجہ یہ ہے
کہ وہ اولاد کی کفالت اور ان کی ضروریات کی بظاہر نگہداشت کرتے ہیں۔ اسی طرح استاد شاگرد
کا مجازی رب ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ علمی اعتبار سے ان کی پرورش کرتا۔ اور انہیں منزلِ کمال تک
پہنچاتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں ہم نے تربیت کے عمل کو جاری دیکھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ
خود تربیت کیسے کیا جاتا ہے؟۔ تربیت اس عمل کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کوئی بڑا۔ اپنے سے
چھوٹے کی اس طرح پرورش کرے کہ خود اس کے اوصاف کی جھلک اس کے زیر تربیت فرد یا مربوب
میں پیدا ہو جائے۔ اگر اس طرح کوئی استاد اپنے شاگردوں کی۔ یا والدین اپنی اولاد کی تربیت
نہ کر سکیں۔ تو وہ تربیت حقیقی نہیں ہوگی۔ حقیقی اور اصلی تربیت تو یہ ہے کہ ہر مربوب تربیت
یافتہ فرد اپنے ربّ کے اوصاف وصفات کا آئینہ اور پرتو بن جائے۔ لہٰذا رب ہونے کے لیے
یہ ضروری ہے کہ وہ مربوب پر اپنی صفات کا رنگ چڑھا دے۔ اور مربوب کے لیے لازمی ہے
کہ آئینہ کمالاتِ رب ہو جائے۔ اب خدا تعالیٰ اگر رب ہے۔ اور تمام تعریفوں کا مستحق
ہے۔ تو اس لیے کہ اس ذاتِ کبریاء نے اپنی صفات کی جھلک اپنی مخلوق میں پیدا کر دی۔ قوتِ
حیات سے تمام کائنات میں زندگی کی شمع روشن کی۔ اپنی صفتِ کلام کا عکس ڈال کر بندوں
کو نطق گویائی کی دولت سے مالا مال کیا۔ لوگوں کو قوت اور شعور کی دولت دی۔ ماں کو
اپنی صفتِ رحمت سے ممتا کی محبت اور پیار عنایت کیا۔ الغرض خدا تعالیٰ نے کائنات کو اس طرح
وجود عطا کیا۔ کہ وہ خدا تعالیٰ کی صفات کا پرتو بن گئی ہے۔

اگر شاگرد کا کمال دیکھ کر اس کے استاد کی تعریف کی جائے۔ تو یہ شاگرد کی نہیں۔ بلکہ
استاد کی تعریف ہے۔ اولاد کی ظاہری و معنوی محاسن کی تحسین خود والدین کی پرورش
و ستائش کی تمام خیال کی جاتی ہے۔ کسی اچھی عمارت کی بڑائی اس کے صانع و
معمار و نقشہ ساز کی بڑائی سمجھی جاتی ہے۔ اسی لیے کائنات کے جس حصے اور جس ذرّے
کی بھی تعریف کی جائے۔ یہ تعریف خدا تعالیٰ کی یعنی اس کے صانع و خالق کی تعریف ہے۔ کیونکہ اللہ
رب العزت نے اپنی تمام صفات کو کائنات میں منتشر کر دیا ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۔

حم سجدہ (۴۱ - ۵۳) ہم عنقریب ان کو اپنی قدرت کی نشانیاں ان کے گرد و نواح میں بھی دکھادیں گے۔ اور خود ان کی ذات میں بھی۔ یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے گا۔ کہ یہ قرآن حق ہے۔

پھر جب کائنات خدا کے حسن کے جلووں سے مستنیر ہو گئی تو اس نے چاہا۔ کہ کوئی وجود ان منتشر جلووں کا مرقع بنا دیا جائے۔ جسے دیکھنے سے کائنات کے تمام حسن و جمال کا اندازہ کیا جا سکے۔ ارشاد ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔ اس طرح عالم انسانیت منصۂ شہود پر منعکس ہو گیا۔ پھر جب عالم انسانیت کے تمام جلوے۔ اپنے منتہائے کمال کو پہنچے تو منصب ولایت معرضِ وجود میں آگیا۔ اور عالم ولایت کے جملہ کمالات سمٹ کر درجۂ نبوت میں جمع ہو گئے۔ اور پھر جب از اول تا آخر کائنات کی نبوت و رسالت کے جلووں اور رفعتوں کو مجتمع کیا۔ تو وجودِ مصطفویٰ کائنات کے سینے پر جلوہ گر ہو گیا۔ اسی لئے اب یہ وجود پاک تمام کائنات کے محاسن و کمالات ارض و سما کے حسن و جمال کا مجموعہ اور خلاصہ ہے۔

اب جس نے خدا کی تمام صناعی اور خلاقی کو مجتمع دیکھنا ہو۔ وہ وجودِ مصطفویٰ کو دیکھ لے۔ اس ایک وجود میں تمام کائنات اور جملۂ مخلوق کو منتشر قوتیں اور قدرتیں نظر آجائیں گی۔ اور حضور کا وجود آئینۂ صفات رب العزت بن گیا ہے۔ لہذا اب اگر کوئی شخص اس وجود پاک کی تعریف کرتا ہے۔ اس نفس ذکیہ کے محاسن و کمالات بیان کرتا ہے۔ اور اپنی زبان کو حضور کی مدح و ستائش میں منہمک کرتا ہے۔ تو وہ درحقیقت خدا تعالیٰ ہی کی تعریف کرتا ہے۔ اسی لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس دعا کے اول و آخر میں درود شریف یعنی حضور پر صلوٰۃ و سلام نہ پڑھا جائے۔ وہ دعا بارگاہ رب العزت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی۔ لہذا اگر

حضور کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے۔ تو یہ الحمد للہ رب العالمین کی عین تفسیر ہے۔ نہ کہ اس کے متضاد اور مخالف۔ اختتام پر مناسب ہوگا۔ کہ اسم محمد کی کنہ اور حقیقت تک رسائی سے اپنی بے بسی کا اعتراف کر لیا جائے کیونکہ واقعہ یہ ہے۔

؎ غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است۔

شانِ مصطفیٰ ۔ نور الحبیب ص ۲۹-۱۲ صفر ربیع الاول ۔ ۱۴۰۲ = 1982

۱۳ ـ ۰۸ ـ ۲۰۰۶

Muoulana Qari Muhammad Abbas Nizami Distt. Teh. Pakpattan

صلوٰۃ و سلام ۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا ارشاد ۔ یوں جی چاہتا ہے۔ کہ آج درود شریف زیادہ سے زیادہ پڑھوں۔ وہ بھی ان الفاظ سے کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ (شکر النعمۃ بذکر الرحمۃ ص ۱۸)

انگوٹھے چومنا ۔ اذان میں حضور علیہ السلام کا نام سن کر انگوٹھے چومنا مستحب ہے۔ بحوالہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب (طحطاوی شریف ص ۱۲۲ مطبوعہ مصر)

کفن پر کلمہ طیبہ لکھنا ۔ اور قبر میں عہد نامہ رکھنا ۔ فقہ حنفی کی بنیادی کتاب در مختار میں لکھا ہے۔ کتب علی جبھۃ المیت و عمامتہ او کفنہ عہد نامہ یرجی ان یغفر اللہ للمیت یعنی مرے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کی بخشش کی امید ہے۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔ شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگان است ۔ یعنی قبر میں شجرہ رکھنا بزرگوں کا طریقہ ہے۔

نور الحبیب ص ۱۲۱ مردشق

حقیقتِ عرس

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے عرس کے موقع
پر کی گئی ایک تقریر (ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

سال میں کسی مخصوص دن میں اولیائے کرام اور علمائے عظام کے مزارات پر اجتماعی صورت میں اکٹھے ہو کر مزارات کی زیارت کرنا۔ ان کے روحانی فیوض و برکات سے متمتع ہونا۔ اور وہاں قرآن خوانی اور ذکرِ الٰہی کی محفلوں کے انعقاد کو اصطلاحاً عرس کہا جاتا ہے۔ یہ عرس در حقیقت قرآن کریم کی اس آیتِ کریمہ ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب کا ایک طرح سے آئینہ دار ہوتا ہے۔ کہ جس میں ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی شخص ان مقدس چیزوں اور ان مقدس مقامات اور ان مقدس شخصیتوں کی تعظیم کرتا ہے۔ کہ ان کی نسبت اللہ سے ہے۔ اور وہ شعائر اللہ ہیں۔ تو یہ تعظیم بے شک دلوں کا تقویٰ ہے۔ عرس کی اصطلاح ترمذی شریف کی ایک صحیح حدیث سے ماخوذ ہے۔ جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مومن انتقال کر جاتا ہے۔ اور اللہ کا نیک بندہ عالمِ شہادت سے کوچ کر کے بارگاہِ ایزدی میں ملاقات اور وصال کے لئے پہنچتا ہے۔ اور نکیرین اس کی قبر میں سوال و جواب کے لئے آتے ہیں۔ اور وہ ربا اور دین کی نسبت سوال کرنے کے بعد اس سے یہ پوچھتے ہیں۔ ما کنت تقول فی ھذا الرجل محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہ اے صاحبِ قبر یہ بتا کہ تیرا اس ہستی مبارکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دنیا میں کیا عقیدہ ہوا کرتا تھا۔

عرس کا فائدہ ہے۔ جب کوئی [illegible] پر آتا ہے۔ تو وہ صافی اسرار کا معنیٰ دیتا ہے۔ یعنی دنیا میں اس ہستی کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتا تھا۔ تو مومن مومن جس کی پوری زندگی غلامی اور اطاعتِ رسول میں بسر ہوئی ہوتی ہے۔ وہ تو منتظر ہوتا ہے اس لمحہ کا کہ ہجر اور فراق کی [illegible] ختم ہوں۔ دوریاں مٹ جائیں اور آنکھوں کو چہرہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار فرحت آثار نصیب ہو۔ اب چونکہ اس کی

پوری زندگی۔ اسی مقدس لمحہ کے انتظار میں بسر ہوئی ہوتی ہے۔ لہٰذا جب حجابات مرتفع ہوتے ہیں۔ اور اسے دیدارِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت سے مالا مال کیا جاتا ہے۔ تو وہ شخص بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ ہاں میں انہیں پہچانتا ہوں۔ یہ اللہ کے برگزیدہ بندے۔ اور اس کے رسول ہیں ؐ۔ اس پر فرشتے جواب دیتے ہیں۔ کنا نعلم انک تقول ھذا (مشکواۃ ۲۵) اے مرد مومن ہمیں یہ پہلے ہی معلوم تھا کہ تیرا جواب یہی ہوگا۔

اس کے بعد حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی اکرم ؐ نے فرمایا کہ حضور کی معرفت کے اس بیان کے بعد اس کی قبر کو ستر ستر گز چوڑا کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر اس کی قبر کے ماحول کو منور کر دیا جاتا ہے۔ اور جب اس مردِ حق کو اپنی برزخی اور اخروی زندگی کے ٹھکانوں کی خبر ہوتی ہے۔ تو وہ یہ کہتا ہے کہ اب میں واپس دنیا میں جا کر اپنے گھر والوں اور اپنے احباب کو یہ خوشخبری سنا آتا ہوں کہ برزخی زندگی کی پہلی منزل میں نے کامیابی سے سر کر لی ہے۔ اس پر فرشتے اسے کہتے ہیں۔ نم کنومۃ العروس الذی لا یوقظہ الا احب اھلہ الیہ مشکوٰۃ ۲۵ = کہ نہیں آج قبر کے نرم بستر پر بڑے آرام سے اس طرح سو جا جس طرح پہلی رات کی دلہن سو جایا کرتی ہے۔

عروس پہلی رات کی دلہن کو کہتے ہیں۔ دولہا کو بھی کہتے ہیں۔ جس طرح پہلی رات کی دلہن اپنے نرم اور گداز بستر پر سو جایا کرتی ہے۔ تو بھی اسی طرح بے فکر ہو کر سکون اور طمانیت کی آغوش میں قبر کے اس نرم بستر پر دراز ہو جا۔ اب تجھے کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ سوائے اس ذات کے جو ساری کائنات سے بڑھ کر تجھے محبوب ہے۔ اب تجھے یہاں سے کوئی جگا نہیں سکتا۔ تو گویا مردِ مومن۔ اور مردِ ولی اس مژدہ جانفزا کے بعد جب وصالِ حق کی نعمتوں سے مالا مال ہوتا ہے۔ تو وہ پہلی رات کی دلہن کی مانند سو جاتا ہے۔ اب چونکہ حدیث میں عروس کے الفاظ آئے ہیں۔ اور عروس شادی کو کہتے ہیں۔ اور شادی عبارت ہے۔ محب اور محبوب کی ملاقات سے۔ چنانچہ محب اور محبوب کا جیا

جب ملاقات ہوتی ہے ۔ اور انہیں وصال نصیب ہوتا ہے ۔ تو اس کیفیت وصال کو شادی کہا جاتا ہے ۔ یاد رکھیے اللہ کے مقبول بندوں کی موت اس کی روحانی شادی ہوا کرتی ہے ۔ اس لئے کہ اس دنیا میں وہ عقد وازدواج کے رشتوں میں منسلک ہوتا ہے ۔ لیکن ان تعلقات سے اس کی روح کو کوئی لطف اور مسرت نصیب نہیں ہوتی ۔ اس کی روح کو اگر کوئی لذت کوئی سرور اور کوئی انبساط نصیب ہو سکتا ہے ۔ تو وہ صرف اور صرف اس لمحے کہ جس لمحے جا کر اسے محبوب حقیقی کا وصال نصیب ہوتا ہے ۔ اب چونکہ مرد حق کا یوم وفات محبوب حقیقی سے ملاقات اور وصال کا یوم ہوتا ہے ۔ اور وہ لمحہ حجابات کے مرتفع ہو جانے کے بعد محبوب کے چہرے کو بے نقاب دیکھنے کا لمحہ ہوتا ہے ۔ اس لئے اس مرحلہ پر اسے پہلی رات کی دلہن کی مانند آرام سے سو جانے کی بشارت دی جاتی ہے ۔ لہٰذا جب ہر سال وہ لمحہ آتا ہے ۔ وہ دن آتا ہے ۔ جب اس مرد حق کے فراق کے لمحے ختم ہوئے تھے ۔ جب ہر سال وہ دن لوٹ کر آتا ہے ۔ جب ہجر کی سب گھڑیاں ختم ہوئی تھیں ۔ اور اسے اپنے محبوب حقیقی کی ملاقات اور وصل کا شربت پلا دیا گیا تھا ۔ تو اس کی روح اس ملاقات کی یاد میں پھر سے مچل اٹھتی ہے ۔ اور اہل حق اس دن اس کی روح کو قرآن خوانی اور ذکر الٰہی کے تحفے بھیج کر محبوب کی ملاقات کی مبارک بادی کا سامان فراہم کرنے کے لئے عرس کا اہتمام کرتے ہیں ۔

والدین کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے ۔ وہ چاہتے ہیں ۔ کہ جب میرے بیٹے کی ولادت کا دن آئے تو میں اپنے احباب کو اکٹھا کر کے بیٹے کی سالگرہ مناؤں ۔ اور جو کوئی اس وقت انہیں تحفے پیش کرتا ہے ۔ وہ تحفے اس امر کی علامت ہوتے ہیں ۔ کہ اسے اس کے بیٹے کی پیدائش سے محبت ہے ۔ اس طرح وہ تحفوں پر خوش ہوتا ہے ۔ الغرض کوئی کسی نوعیت کے اجتماع سے خوش ہوتا ہے ۔ کوئی کسی قسم کی مبارک باد کا چاہتا ہے ۔ لیکن اللہ والوں کو کسی مرحلہ پر بھی شریک کی حاجت نہیں ہوتی ۔ وہ کسی دنیوی کامیابی کو اپنی کامیابی اور کامرانی تصور نہیں کرتے ۔ ان کے ہاں تو پوری زندگی میں صرف اور صرف ایک ہی لمحہ اس قابل ہوتا ہے جس لمحے کے لئے ۔ انہیں مبارک بادی کے تحفے پیش کئے جائیں ۔ اور وہ لمحہ وہی لمحہ ہے ۔ جب فراق کی گھڑیاں

ختم ہوتی ہیں۔ اور محبوب سے ملاقات کے لیے آ پہنچتے ہیں۔ چنانچہ ہر سال محبوب حقیقی کی ملاقات اور وصال و مشاہدہ نورِ حق کا دن آتا ہے۔ اور اس دن جب سب لوگ اکٹھے ہو کر انہیں قرآن خوانی کا تحفہ پیش کرتے ہیں۔ ذکر الٰہی کا تحفہ پیش کرتے ہیں۔ نعت و وعظ کا تحفہ پیش کرتے ہیں۔ تو ان کی روح جھل مل اٹھتی ہے۔ انہیں کبھی میری محبوب سے ملاقات کی سعادت پر خوشی ہوتی ہے۔ اور یوں حاضرین ان کی روح کی روحانی برکات، ثمرات اور فیوض سے مالا مال واپس لوٹتے ہیں۔

(نم کنومۃ العروس مشکوٰۃ ۲۵) حدیث کی رو سے اس دن اکٹھے ہو کر انہیں مبارک باد پیش کرنے کی اس کیفیت، رسم یا اجتماع کو عرس کا نام دیا جاتا ہے۔

حاضرین محترم۔ یہ سب کچھ جو ان انہیں وصالِ الٰہی کے ان لمحوں پر ہدیہ تبریک پیش کرنے کی خاطر کیا جاتا ہے۔ وہاں کلمِ الٰہی کی تعمیل میں انہیں شعائر اللہ میں سے تصور کرتے ہوئے۔ ان کی روحانی عظمتوں کی تعظیم و تکریم کا آئینہ دار بھی ہوتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ تعظیم اور تکریم اسی عمل کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ جو عمل اپنے دامن میں تعظیم ادب اور احترام ہی کی کیفیات رکھتا ہے۔ اور اگر کوئی عمل ادب سے خالی ہے اور تعظیم و تکریم کی کیفیات سے عاری ہے۔ تو پھر وہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ لیکن تقوی۔ و من یعظم شعائر اللہ الحج (۲۲ — ۳۲) کے زمرہ میں اسے تصور نہیں کیا جا سکتا۔

حاضرین محترم۔ عرس کے معنی اور مفہوم کو بیان کرنے کے بعد۔ اب میں واضح کرتا ہوں کہ جب عرس کے انعقاد کی عرض و غایت ہمارے سامنے آ گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔ کہ ہر سال میں ایک دن شہدائے احد کے مزارات پر شہدائے بدر کے مزارات پر تشریف لے جاتے۔ صحابہ کرام کی جمعیت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتی اور وہاں جا کر اپنی مبارک زبان سے ان کو ہدیہ سلام پیش فرماتے۔ یہ احادیث میں موجود ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان مقدس روحوں کو خوشی اور مسرت کے تحفے پیش کرنے کے لیے۔ صحابہ کرام کی جمعیت کے ہمراہ ایک خاص اہتمام کے ساتھ شہداء مرحومین کی قبروں

پر تشریف لے جاتے تھے۔ اسی طرح خلفائے راشدین کا بھی یہ معمول رہا۔

امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں امام جلال الدین سیوطی نے در منثور میں علامہ شامی نے فتاوی شامی میں۔ الغرض مختلف محدثین فقہاء اور آئمہ کرام ان احوال کو اپنے اپنے انداز اور استدلال کے ساتھ بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ لیکن جس نقطہ کی طرف اس تمہید کے بعد میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جب لوگ عرس کے موقع پر یا اس کے علاوہ بھی صاحب مزار کے مزار پر حاضر ہوتے ہیں۔ تو جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اس کے اثرات سے صاحب مزار کی روح بے نیاز اور لاتعلق نہیں ہوتی۔ بلکہ مزار پر ہونے والے ہر فعل اور ہر ہر عمل کے ساتھ ان کا تعلق ہوتا ہے۔ وہ ہر شخص کا کلام سنتے ہیں۔ ہر شخص کے عمل کو دیکھتے ہیں۔ صاحب مزار کی روح کا اپنے حاضرین کے ساتھ بلاواسطہ تعلق ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث کی روشنی میں یہ بات طے شدہ ہے کہ صاحب مزار کو آپ کے بعض اعمال سے فرحت اور خوشی بھی ہوتی ہے۔ اور آپ ہی کی بعض حرکات کے نتیجہ میں صاحب مزار کو اذیت اور تکلیف بھی ہوتی ہے۔ یعنی صاحب مزار زائرین کے احوال اور ان کی حرکات سے بے نیاز نہیں ہوتا۔ جہاں تک اس کی روح کا آپ کے احوال سے متعلق مختلف کیفیتوں سے دوچار ہونے کا تعلق ہے۔ اس پر تو قرآن پاک کی متعدد نصوص شاہد عادل ہیں۔ قرآن پاک میں موجود ہے۔ کہ لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا آل عمران (۳ = ۱۶۹) جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتے ہیں۔ ان کو مردہ گمان تک بھی نہ کرو۔ بل احیاء عند ربہم یرزقون آل عمران (۳ - ۱۶۹) وہ زندہ ہوتے ہیں اپنے رب کے ہاں سے رزق کی نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ آخر میں فرمایا۔ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بہم من خلفہم الا خوف علیہم ولا ہم یحزنون آل عمران (۳ : ۱۷۰) وہ لوگ جو نہیں مرے جو اس دنیا میں زندہ ہیں۔ اگر ان کی زندگی بغیر خوف و خطر کے بہتر اسلوب پر بسر ہو رہی ہو۔ تو ان کے احوال زندگی کو دیکھ کر ان مرحومین کو اپنی قبروں میں خوشی ہوتی ہے۔ راحت نصیب ہوتی ہے۔ انہیں لطف و سکون ملتا ہے۔ یہاں قرآن

مجید کی اسی آیۂ کریمہ سے مفہوم مخالف کے طور پر یہ ثابت ہو گیا۔ کہ اگر آپ کے اچھے اقوال سے اہل مزار لطف و راحت محسوس کرتے ہیں۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ آپ کے ناپسندیدہ اعمال سے اہل مزار تکلیف اور اذیت بھی محسوس کرتا ہیں۔

یہ تو قرآن حکیم کا نقطۂ نظر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی تصور کی وضاحت مسند احمد بن حنبل اور حاکم میں یوں مروی ہے۔ کہ ایک صحابی روایت کرتے ہیں۔ رأنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم متکئا علی القبر فقال لا تؤذ صاحب هذا القبر مشکوٰۃ ۱۴۹

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی قبر پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ حضور نے مجھے دیکھ کر فرمایا۔ کہ اے شخص تو اس قبر سے نیچے اتر آ۔ لوگوں کا قبر پر چڑھ کر بیٹھنے سے صاحب قبر کو اذیت پہنچ رہی ہے۔ لا تؤذ صاحب هذا القبر (مشکوٰۃ ۱۴۹) قبر سے نیچے اتر آ۔ تو صاحب مزار کو تکلیف نہ دے۔ اور صاحب مزار تجھ کو تکلیف نہ دے۔ اس حدیث پاک کی روشنی میں۔ یہ بات طے ہوئی۔ کہ کسی کے عمل سے صاحب مزار کو اذیت پہنچتی ہے اور صاحب مزار سے بھی آنے والے کو اذیت اور تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ مرد مومن کی قبر پر بیٹھنا کیونکہ مزار کی تعظیم و تکریم اور آداب کے خلاف تھا۔ اس لیے آں حضور صلی اللہ نے تنبیہاً منع فرمایا۔

مرد مومن کی تعظیم و تکریم کا اسلام میں یہ عالم ہے۔ لیکن افسوس کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ لیکن مرد مومن کی تعظیم و تکریم اور آداب حاضری سے بے خبر ہیں۔ ابن ماجہ میں حدیث آئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف فرما رہے تھے۔ دوران طواف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے کعبہ درست ہے کہ تو بھی پاک ہے۔ تیری فضائیں بھی پاکیزہ ہیں۔ گرد و نواح کا ماحول بھی پاک ہے۔ لیکن۔ والذی نفس محمد بیدہ لحرمۃ المومن اعظم عند اللہ حرمۃ منک مالہ ودمہ ابن ماجہ ۲۹۵ اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ کہ مرد مومن کی عزت و حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی بہت زیادہ ہے۔ —— جب یہ واقعہ ہو گیا

کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مردمومن کی عزت وحرمت کعبہ
سے بھی کہیں بلند ہے۔ اب کعبہ کی عزت اور اس کی تعظیم وتکریم کے تقاضے کیا ہیں۔
ہر کس وناکس کو معلوم ہیں۔ کعبہ کی سمت منہ کر کے تھوکنے والے شخص کے پیچھے نماز
پڑھنے کو بھی مکروہ سمجھا جاتا ہے۔ کعبہ کی طرف پاؤں کر کے سونا گوارہ نہیں کیا جاتا۔
کعبہ کی سمت چہرہ یا پشت کر کے رفع حاجت کرنا بھی شریعت میں منع ہے۔ یہ تعظیم
کعبہ کے تقاضے ہیں۔ اور وہ مردمومن جس کی تعظیم وتکریم عنداللہ کعبہ اور قبلہ سے بھی
بلند ہے۔ اس کی عزت وحرمت کا کیا عالم ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اے شخص تو مردمومن کی قبر پر بیٹھا ہے۔ اس
بے حرمتی اور بے ادبی سے صاحب مزار کی روح کو تکلیف اور اذیت پہنچ رہی ہے۔ حدیث
لہٰذا ولا یؤذیک = تو نیچے اتر آ۔ اس لئے کہ صرف تو ہی صاحب مزار کو تکلیف نہیں
دے رہا۔ بلکہ صاحب مزار بھی تجھے اذیت دے رہا ہے۔ مزار کی بے ادبی کی صورت میں صاحب مزار
کو تکلیف پہنچانے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ صاحب مزار کس
طرح اذیت دے سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کی وضاحت یوں فرمادی کہ جو شخص مردمومن کی
قبر کی بے حرمتی کرتا ہے۔ تعظیم وتکریم کے تقاضے پورے نہیں کرتا۔ اس طرح اس کی روح کو تکلیف
واذیت میں مبتلا کرتا ہے۔ تو صاحب مزار اس اذیت کے پیش نظر اس کے لئے بددعا کرتا ہے۔

جہاں صاحب مزار قرآن پڑھنے والوں۔ ذکر الٰہی کرنے والوں۔ اور اس کے لئے صدقہ خیرات اور
ایصال ثواب کے تحائف بھیجنے والوں کے لئے دعا کرتا ہے۔ وہاں آداب زیارت کی خلاف ورزی
اور بے حرمتی کرنے والوں کے لئے بددعا کرتا ہے۔ یاد رکھئے صاحب مزار کی بددعا تکلیف اور
اذیت پہنچائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ یا اسی لئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تو اسے
تکلیف دے۔ اور نہ وہ تجھے تکلیف دے۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوگئیں کہ صاحب مزار کو
اعمال صالحہ کے ایصال ثواب کی صورت میں نہ صرف راحت پہنچائی جا سکتی ہے۔ بلکہ افعال قبیحہ
اور اعمال بد کے ارتکاب سے صاحب مزار کی روح کو تکلیف اور اذیت بھی پہنچتی ہے۔ اور نہ ص

(ردعمل)

اسے اذیت پہنچتی ہے۔ بلکہ وہ تحمل کے طور پر آنے والوں کے لئے بددعا بھی کرتا ہے۔ کہ اے اللہ میں نے ان کو کیا تکلیف پہنچائی ہے۔ کہ میرے مزار پر آکر مجھے اس طرح تکلیف پہنچا رہے ہیں

حاضرین محترم۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی اگر ہم اپنے سامنے رکھیں۔ تو حضور علیہ السلام نے اپنے مزار اقدس کے حوالے سے بھی ایک تقاضا بیان کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ لا تجعلوا بیوتکم قبوراً ولا تجعلوا قبری عیداً وصلوا علیّ = ابوداؤد شریف جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ = میرے مزار کو میلہ گاہ نہ بنانا۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے مزار پر انوار کی حاضری کے بھی آداب بتائے۔ اپنی ذات ستودہ صفات پر صلوۃ وسلام پڑھنے کے آداب بھی بتائے۔ لیکن ساتھ ہی کھلے انداز کے ساتھ ایک وضاحت فرمادی۔ لا تتخذوا قبری عیداً ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۴۳ - کتاب المساجد ابوداؤد میں حدیث آئی ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنے گھروں کو قبر نہ بنانا۔ کہ وہاں نماز پڑھنا چھوڑ دو۔ اور میرے مزار کو میلہ نہ بنانا۔ یعنی اس کو میلہ گاہ نہ بنالینا۔

جس طرح میلہ خوشیوں کا موقع ہوتا ہے۔ جشن منائے جاتے ہیں چہل پہل اور رونق کا سماں ہوتا ہے۔ اسی طرح میرے مزار اور میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنالینا۔ صلحاء امت اور اللہ کے نیک بندوں کے مزارات پر جانے کا فلسفہ واضح کرتے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا۔ فانھا تزھد فی الدنیا و تذکر الآخرۃ مشکوۃ صفحہ ۱۵۴ میں تمہیں ابتداً مزارات اور قبروں کی زیارۃ سے منع کیا کرتا تھا۔ کیونکہ اس وقت شرک کو غلبہ حاصل تھا۔ اب جب اسلام کا غلبہ ہوگیا ہے تو کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں الا فزوروھا۔ کہ جاؤ مزارات کی زیارت کیا کرو۔ فانھا تزھد فی الدنیا و تذکر الآخرۃ - ۱۵۴ مشکوۃ۔ کہ مزار کی زیارت کرنے سے دل میں دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے۔ اور آخرت کے ساتھ محبت اور انس پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو مزارات پر حاضر ہونے کا فلسفہ کہ کس مقصد کے لئے جانا چاہئے۔ یعنی صرف اس مقصد کے لئے جانا چاہئے کہ دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو۔ حب الٰہی کی دہ

دولت حاصل ہو۔ جنہیں صاحب مزار اپنے دامن میں لئے بیٹھا ہے۔ اطاعت حق کی وہ نعمت جس سے صاحب مزار اس قابل ہوا کہ وہ مخلوق و عوام اور جملہ خلائق عالم کا مرجع بن گیا۔ اس دولت کو مانگنے کے لئے جاؤ۔ عشق الٰہی کی نعمت مانگنے کے لئے جاؤ۔ اطاعت اور بندگی حق کا ذوق مانگنے کے لئے جاؤ۔ حضور کے عشق اور محبت کا درد مانگنے کے لئے جاؤ۔ دنیا کی محبت کی لعنت سے اجتناب مانگنے کے لئے جاؤ۔ اخروی زندگی سے تعلق مانگنے کے لئے جاؤ۔ اپنے نفس کے تزکیہ کی خاطر جاؤ۔ و اپنے من کی اصلاح کی خاطر جاؤ۔ اپنے اخلاق کی تہذیب کی خاطر جاؤ۔ الغرض مزار پر جانا دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی رغبت اور محبت کے حصول کے لئے جاؤ۔ جب مزار پر حاضری کا مقصد معین واضح کر دیا گیا۔ تو مقصد اپنے طریقہ کو از خود متعین کر دیتا ہے۔ کہ جب اس مقصد کو حاصل کرنا ہے۔ تو اس کے حصول کیلئے کونسا طریقہ کار ذریعہ کے طور پر اپنایا جائیگا۔

حاضرین محترم جب ہم عرس کی حقیقت بھی سمجھ چکے۔ صاحب مزار کی روح کے احوال بھی سمجھ چکے اس کی خوشی اور اس کی اذیت کی کیفیتوں کو بھی سمجھ چکے مزارات پر حاضری کے مقصود اور فلسفہ کو بھی سمجھ چکے۔ جب سب کچھ ہمارے سامنے آگیا۔ تو آئیے اب ہم عرس کی موجودہ صورت حال پر بھی نظر ڈالتے چلیں۔ ہمیں آج حقیقت پسندانہ نظر کے ساتھ اس امر کا جائزہ لینا ہوگا۔ آئیے ہم اس امر کا جائزہ لیں کہ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کا عرس جس طرح رفتہ رفتہ مقامی بلکہ مرکزی ثقافتی میلہ کا رنگ اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔ اس کی ذمہ داری حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ پر ہے یا ہم عقیدت مندوں پر۔ اس کی ذمہ داری کس پر ہے۔ جب نبی اکرم ﷺ اپنے مزار اقدس پر حاضری کی تعلیم دیتے ہیں۔ من زار قبری وجبت لہ شفاعتی۔ جو میرے مزار پر آئیگا۔ اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہو جائیگی۔ مزار پر آنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ لیکن میلہ پر جانے کی ترغیب نہیں دیتے۔ جو رسول اپنے مزار کو میلہ گاہ بنانے کی تعلیم نہیں دیتا۔ وہ یہ کس طرح گوارا کر سکتا ہے کہ اس رسول کا کوئی نام لیوا۔ کسی مرد مومن کے مزار کو عرس کی بجائے۔ میلہ گاہ میں بدل دے۔ کیا عرس کے موقع پر طویل مسافتوں سے چادروں کے جلوس۔ ڈھولوں اور باجوں کے ساتھ حضرت داتا کے مزار پر نہیں آتے؟

مزاراتِ مشائخ اور مزاراتِ اولیاء پر چادر چڑھانا جائز ہے۔ لیکن صرف مزار کی تعظیم اور تکریم کی حد تک۔ اعترافِ عظمت کے اظہار کی حد تک۔ لیکن یہ جواز کہاں سے نکل آیا کہ کئی کئی میلوں سے چادروں کے جلوس نکالے جائیں۔ ان جلوسوں کے آگے ڈھول بج رہے ہوں۔ اور شہر بھر کے نوجوان لوگ خدا جانے کس کس کیفیت میں ناچ گانے کی صورت میں چادر کے ساتھ آ رہے ہوں۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کی روحِ عالیہ کس طرح آپ لوگوں کی لائی ہوئی چادروں پر خوش ہوتی ہوگی۔ کیا اسی مقصد کیلئے داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے یہاں پر شمعِ اسلام کو فروزاں کیا تھا۔ کیا اسی مقصد کیلئے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو تبلیغِ حق کا پیغام دیا تھا۔ یہ ہم سب کیلئے لمحہ فکریہ ہے ـــــ عرس تو اس لئے ہوتے ہیں۔ کہ دور دراز سے اہل اللہ آئیں۔ خدا کو یاد کریں۔ اور مقدس روح کی برکات سے مستفیض ہو کر اپنے ظاہر اور باطن کو سنوار کے جائیں۔ عرس اس لئے نہیں ہوتے۔ کہ گرد و نواح میں گانے بجانے کا اہتمام کیا جائے۔ یہ درست ہے۔ کہ احاطہ مزار میں قباحتیں نہیں ہیں۔ لیکن احاطہ مزار کو چھوڑ کر عرس کے موقع پر جو کچھ شہر میں ہو رہا ہے۔ اور کئی سالوں سے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اور اس سمت میں جو رجحانات مسلسل پاتے جا رہے ہیں۔ آخر ان کی ذمہ داری کس کس پر عائد کی جائیگی ـــــ میں اگر دین کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیتا ہوں۔ تو ایک مبلغ کی حیثیت سے میری پہلی ذمہ داری یہی ہے۔ کہ میں حرام اور حلال کو واضح کر کے بتا دوں لیکن اگر اپنے پیٹ کے کاروبار چلانے کے لیے۔ اپنی ذاتی منفعتوں کے لیے۔ اپنی ذاتی مصلحتوں کے لیے۔ عوام کے خوف سے حق اور باطل کو کھول کر واضح نہیں کرتا۔ تو سب سے پہلے آگ کی لگام قیامت کے دن میری زبان میں ڈالی جائیگی۔ یہ ذمہ داری بنیادی طور پر علماء کی ہے۔ مبلغین اور مقرروں کی ہے۔ یہ ذمہ داری عوام کی بھی ہے۔ یہ ذمہ داری منتظمین کی بھی ہے۔ یہ ذمہ داری اربابِ بست و کشاد کی بھی ہے۔ آخر میں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اس وقت مشائخ کے عرس جو ثقافتی میلوں کی صورت

اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں عظمت مشائخ کے علمبرداروں کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ یاد رکھیئے جب عرس عرس نہیں رہتا۔ بلکہ ثقافتی میلہ بن جاتا ہے۔ تو پھر صاحب مزار کی روح اتنی بیزار ہوتی ہے۔ آپ کے ان احوال سے۔ ان کیفیات سے کہ اہل نظر کشف کی بنیاد پر دیکھ کر کئی مرتبہ بتا چکے کہ بسا اوقات۔ صاحب مزار کی روح اس ماحول کو چھوڑ کر کہیں دور چلی جاتی ہے۔

نور الحبیب صـ ۱۱ جلد ۱ ستمبر ۱۹۸۹ء شمارہ ۷

Abbas

۱۶-۰۸-۲۰۰۶

Muoulana Qari Muhammad Abbas Nizami Dist. Teh. Pakpattan

افاداتِ فقیہِ اعظم رح

فائدہ ۴

عالم بیداری میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت " مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ میں
ہے۔ أنَّ أبا هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول
من رآني في المنام فسيراني في اليقظة لا يتمثل الشيطان بي۔
یقیناً حضرت ابا ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کہ میں نے سنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ
فرماتے ہیں۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا۔ تو عنقریب مجھے وہ بیداری میں بھی دیکھ لے
گا۔ شیطان ہرگز میری شکل نہیں بن سکتا۔

حضرت علامہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الحاوی للفتاوی
ص ۲۵۸ ج ۲ میں لکھتے ہیں۔ اخرج البخاري ومسلم وابو داود عن ابي هريرة
قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من رآني في المنام فسيراني في اليقظة ولا
يتمثل الشيطان بي واخرج الطبراني مثله من حديث مالك بن عبد الله
الخثعمي ومن حديث ابي بكرة واخرج الدارمي مثله من حديث ابي
قتادة الانصاري قال قوم هو على ظاهره فمن راه في النوم فلا بد ان يراه
في اليقظة — قال ابن العربي حمل عنده ورؤية الانبياء والملائكة وسماع
كلامهم ممكن للمؤمن كرامة وللكافر عقوبة — وشيع من جملة من
الاولياء في زماننا وقبله انهم راوا النبي صلى الله عليه وسلم في اليقظة حيا
بعد وفاته صلى الله عليه وسلم = امام بخاری اور مسلم اور ابو داؤد نے حضرت
ابوہریرہ سے اس حدیث کی تخریج کی۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے مجھے
خواب میں دیکھا۔ تو عنقریب وہ مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا۔ اور شیطان میری شکل
ہم شکل نہیں ہو سکتا۔ علامہ طبرانی نے اس حدیث کی تخریج مالک بن عبد اللہ

اور ابوبکر سے کی۔ اور علامہ دارمی نے اس کی تخریج ابو قتادہ الفاری سے کی اصحاب
ظواہر نے کہا ہے۔ کہ جو شخص خواب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ وہ
عنقریب عالم بیداری میں مشرف ہوگا۔ ابن عربی نے اپنی طرف سے کہا۔ انبیاء
کی ارواح فرشتوں کی زیارت اور ان کا کلام سننا مومن کے لئے بطور کرامت ہو سکتا
ہے۔ اور کافر کے لئے بطور عقوبت (سزا) ہو سکتا ہے۔ اور ہمارے زمانہ اور ہم
سے پہلے زمانے کے اولیاء کی جماعت کے بارے میں سنا گیا ہے۔ کہ انہوں نے نبی اکرم ؐ
کی عالم بیداری میں زیارت کی۔ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے تھے۔
صاحب الیواقیت والجواہر درجات انسانی کو بیان فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔
کہ حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے درمیان دو لاکھ سنتالیس
ہزار نو سو ننانوے (۲۴۷۹۹۹) درجات ہیں۔ جو شخص ان تمام درجات کو طے کر
لے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یقظۃً ومشافحۃً زیارت ہو سکتی ہے = الیواقیت
والجواہر جلد اول ۱۳۳ = مطبوعہ مصر
شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں = وصیت میکنم ترا اے برادر بردام ملاحظہ
صورت ومعنی او اگرچہ باشی تو متکلف ومستحضر پس نزدیک ست کہ الفت گیرد
روح تو بوے۔ پس حاضر آید ترا وے صلی اللہ علیہ وسلم عیاناً و یابی اورا و حدیث کنی
باوے و جواب دہد ترا وے وچوں حدیث گوئید باد و خطاب کنذ ترا فائز شوی بدرجہ
صحابہ عظام ولاحق شوی بایشاں انشاء اللہ تعالیٰ (مدارج النبوۃ جلد اول ۶۲۳)
اے بھائی میں تجھے وصیت کرتا ہوں۔ کہ اس محبوب حقیقی کی صورت ومعنی میں ہمیشہ
مستغرق رہ۔ اگرچہ یہ کام بڑا دور کا اور تکلیف دہ ہے۔ مگر ہو سکتا ہے۔ عنقریب
جب کہ تیری روح ان سے مکمل طور پر محبت والفت کرے۔ تو وہ بھی حضور سامنے ظاہراً باہراً
جلوہ گر ہوں۔ اور ان کو تو پالے۔ اور جو باتیں ان کی خدمت میں عرض کرے۔ وہ اس کا جواب
تجھے عنایت فرمادیں۔ اور جب تجھ سے گویا ہوں۔ اور خطاب فرمائیں۔ تو تو صحابہ کے درجہ

پر فائز ہوگا۔ اور ان سے ایک ہوگا۔

سرکار بغداد کا سرکار مدینہ کا دیدار کرنا ۔ علامہ نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف
بن جریر لخمی شافعی المعروف با بن جہضم الہمدانی ۶۶۰ھ میں اپنی تالیف شہرہ
کتاب بہجۃ الاسرار ص ۲۵ مطبوعہ مصر میں رقمطراز ہیں۔ الشیخ محی الدین
عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی سنۃ ثلاث وخمسین وخمس مائۃ بقولہ
علی الکرسی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل الظہر یوم الثلاثاء السادس
عشر من شوال سنۃ احدی وعشرین وخمسمائۃ فقال لی یا بنی لم لا
تتکلم قلت یا ابتاہ انا رجل اعجمی کیف اتکلم علی فصحاء العرب ببغداد
قال لی افتح فاک ففتحتہ فتفل فیہ سبعًا وقال لی تکلم علی الناس وادع
الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ فصلیت الظہر وجلست و
حضرنی خلق کثیر فارتج علی فرأیت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ قائمًا
بازائی فی المجلس فقال لی یا بنی لم لا تتکلم فقلت یا ابتاہ فقد ارتج علی
فقال افتح فاک ففتحتہ فتفل فیہ ستا فقلت لم لا تکملہا سبعًا فقال
ادبا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم توارای عنی ۔

شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۵۵۳ھ میں کرسی پر جلوہ فرما
کر ارشاد فرما رہے تھے۔ کہ میں بروز منگل قبل الظہر ۱۶ شوال المکرم ۵۲۱ھ کو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ پس مجھے ارشاد فرمایا اے میرے
بیٹے لوگوں سے گفتگو (وعظ) کیوں نہیں کرتے میں نے عرض کی اے پیارے ابا جان میں
ایک عجمی ہوں۔ بغداد کے فصحاء عرب کو کیسے وعظ سناؤں فرمایا اپنا منہ کھول
پس میں نے منہ کھولا۔ تو اس میں سات مرتبہ لعاب دہن ڈالا۔ اور فرمایا گفتگو کرو
اور لوگوں کو حکمت و موعظت الحسنہ سے اپنے رب کی طرف بلاؤ۔ پس میں نے نماز
ظہر ادا کی۔ اور بیٹھ گیا۔ اور مخلوق خدا کا جم غفیر اپنے ارد گرد پایا۔ بایں

حالت مجھ پر گفتگو بہت گراں تھی۔ پس میں نے حضرت علی ابن ابی طالب کو اپنے سامنے
اسی مجلس میں جلوہ گر دیکھا۔ تو انہوں نے بھی یہی ارشاد فرمایا۔ اے میرے بیٹے کس لیے
گفتگو نہیں کرتے میں نے عرض کی اے ابا جان اندریں حالت مجھے گفتگو بہت دشوار
وگراں ہے۔ فرمایا اپنا منہ کھول پس میں نے منہ کھول دیا۔ تو انہوں نے چھ مرتبہ لعاب
دہن ڈالا۔ میں نے عرض کیا حضور ابا آپ نے سات مرتبہ سنت رسول کے مطابق پورا
کیوں نہ کیا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی خاطر پھر مجھ سے غائب ہو گئے
نیز الحاوی للفتاوی صـ ۲۵۹ جلد ۲ میں علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے اسی طرح
نقل فرمایا ہے۔ ومثلہ فی تفریح الخاطر صـ ۴۲ (مطبوعہ مصر)

" شیخ ابوالعباس المرسی کا بارگاہِ رسالت میں قرب و زیارت " شیخ عبدالغفار
بن نوح القوصی اپنی کتاب الوحید میں تحریر فرماتے ہیں۔ شیخ ابوالعباس المرسی
کو بارگاہِ نبوت میں بڑا قرب حاصل تھا۔ یہاں تک کہ جب حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ
وسلم کی ذاتِ گرامی پر سلام عرض کرتے۔ تو آپ حضور سلام کا خود جواب عطا
فرماتے۔ اور جو کوئی بات کرتے تو اس کا جواب بھی آنحضرت عطا فرماتے اور شیخ تاج
الدین بن عطاء اللہ اپنی کتاب لطائف المنن میں فرمایا۔ کہ ایک شخص نے شیخ ابو
العباس المرسی کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ اے میرے سردار میرے ساتھ اپنے اس ہاتھ
دائیں سے مصافحہ کریں۔ کیونکہ آپ سے کئی آدمیوں اور کئی شہروں میں ملاقات کا
شرف حاصل ہوا مگر آپ نے اس ہاتھ سے کسی سے مصافحہ نہ کیا۔ تو فرمایا۔ کہ اللہ کی قسم
میں اس ہاتھ سے کسی سے مصافحہ نہ کیا۔ مگر رسول اللہ سے اور اگر پلک جھپکنے کا وقت
بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پردہ میں ہو جائیں۔ تو میں اس وقت خود کو مسلمانوں
میں سے شمار نہیں کرتا — الحاوی للفتاوی صـ ۲۶۰ جلد ۲ =

شیخ عبداللہ الدلاصی رح کو نماز میں زیارت " شیخ عبدالغفار بن نوح قوصی
نے اپنی کتاب التوحید میں لکھا۔ مکہ مکرمہ میں جن بزرگوں کی زیارت سے شرف

ہوا۔ ان میں ایک شیخ عبداللہ دلاصی بھی ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ میری پوری زندگی سوائے ایک نماز کے کوئی نماز صحیح نہیں۔ اور وہ یہ کہ میں مسجد حرام میں نماز صبح کیلئے حاضر ہوا۔ امام نے تحریمہ کہی۔ تو میں نے بھی تکبیر تحریمہ کہی۔ تو مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سامنے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اور آپ کے پیچھے عشرہ مبشرہ تھے۔ میں نے ان کے ساتھ ادا کی۔ اور یہ واقعہ ۶۷۳ھ کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی رکعت میں سورۃ مدثر تلاوت کی جب کہ دوسری رکعت میں عم یتساءلون تلاوت کی۔ پھر سلام کے بعد یہ دعا فرمائی۔ اللھم اجعلنا ھداۃ مھدیین غیر ضالین ولا مضلین لا طمعا فی برک ولا رغبۃ فی ما عندک لان لک المنۃ علینا بایجادنا قبل ان لم نکن فلک الحمد علی ذالک لا الہ الا انت فلما فرغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلم الامام الحاوی للفتاوی جلد ۲ صـ ۲۶۰

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا سے فارغ ہو ہوگئے تو امام نے بھی سلام کہہ کر نماز کو ختم کیا۔ ولی کی بارگاہ میں فقیہ کو زیارت رسول ﷺ

کتاب مذکور صـ ۲۶۱ جلد ۱ میں مکتوب ہے۔ وحکی عن بعض الاولیاء انہ حضر مجلس فقیہ فروی ذالک الفقیہ حدیثا فقال لہ الولی ھذا الحدیث باطل فقال الفقیہ ومن این لک. ھذا فقال ھذا النبی صلی اللہ علیہ وسلم واقف علی رأسک یقول انی لم اقل ھذا الحدیث وکشف للفقیہ فراٰہ

بعض اولیاء سے حکایت بیان کی گئی ہے۔ کہ وہ ایک فقیہ کی مجلس میں تشریف لائے تو فقیہ نے ایک حدیث روایت کی تو اس ولی نے فرمایا۔ یہ حدیث نہیں باطل ہے فقیہ نے کہا۔ تجھے کیسے اس حدیث کا بطلان معلوم ہوا۔ تو ولی نے کہا۔ کہ دیکھو نبی پاک تیرے سر کے اوپر تشریف فرما ہیں۔ اور فرما رہے ہیں کہ میں نے حدیث نہیں کہی اس فقیہ کو بھی کشف ہوا۔ تو وہ بھی آنحضرت کی زیارت سے مشرف ہوگیا۔

نورالحبیب صـ ۳۴۱ ذوالحجہ ۱۴۰۵ (خلیل و ذبیح)

آقائے دو جہاں کے بالوں کی برکت = عن انس بن مالک قال لما رمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجمرۃ و نحر نسکہ وحلق ناول الحالق شقہ الایمن فحلقہ ثم دعا ابا طلحۃ الانصاری فاعطاہ ایاہ ثم ناولہ الشق الایسر فقال احلق فحلقہ فاعطاہ ابا طلحۃ فقال اقسمہ بین الناس = صحیح مسلم ص۴۲۱ جلد ا مشکوٰۃ ص۲۳۲ = حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔ فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ کی رمی کی قربانی کی۔ اور سر مبارک منڈوایا۔ تو سر مونڈنے والے کے سامنے اپنی داہنی طرف پیش فرمائی تو اس نے مونڈ لی۔ پھر آپ نے حضرت ابو طلحہ انصاری کو بلایا۔ تو مونڈے ہوئے بال مبارک اسے عطا فرمائے پھر اپنی بائیں جانب اس کے سامنے کی۔ اور فرمایا کہ مونڈ تو اس نے بائیں طرف کو بھی مونڈ لیا۔ تو یہ بال مبارک بھی حضرت ابو طلحہ ہی کو مرحمت فرمائے۔ اور ارشاد فرمایا۔ کہ انہیں لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ —————— فتوح الشام ص۱۵۱ جلد ا میں علامہ واقدی المتوفی ۲۰۷ھ رقمطراز ہیں۔ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ رومی لشکر کے ساتھ گھمسان کی جنگ لڑ رہے تھے۔ تو دوران لڑائی آپ کی ٹوپی مبارک کہیں گر پڑی۔ اور پکار پکار کہہ رہے تھے۔ میری ٹوپی۔ میری ٹوپی۔ یعنی آپ کو لڑائی کے بجائے ٹوپی کی فکر ستا رہی ہے۔ جنگ سے فتحیاب ہونے کے بعد کسی نے سوال کیا۔ کہ حضور دشمن سے مقابلہ کے دوران میں آپ کو ٹوپی کی فکر لاحق تھی۔ کیا آپ کی ٹوپی جہاد سے مقدم تھی۔ یعنی حضرت خالد نے فرمایا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا سر مبارک منڈوایا تو میں نے آپ حضور کے کچھ بال مبارک لئے۔ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے خالد۔ ان بالوں کو کیا کرو گے۔ میں نے عرض کی۔ انہیں بطور تبرک اپنے پاس رکھوں گا۔ اور اپنے دشمنوں پر وقت لڑائی ان کے توسل سے مدد چاہوں گا۔ تو مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تک یہ بال تیرے پاس رہیں گے۔ تب تک ہمیشہ فتحیاب ہوتا رہے گا۔ میں نے انہیں اپنی ٹوپی کے سامنے والے حصے میں سی لیا۔ اب جب

کبھی دشمن سے مڈبھیڑ ہوتی تو ان کی برکت سے دشمن کو ہزیمت ہوتی۔ اور میں ہر میدان میں ہمیشہ کامیاب و کامران ہوتا ہوں ـــــ

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ الشفاء ص۲۱۸ جلد ا میں اس کی مثل فرماتے ہیں حضرت خالد بن ولید کی ٹوپی میں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سے کچھ بال رکھے ہوئے تھے۔ تو آپ جیسا کبھی کسی میدانِ جہاد میں جاتے تو ان کی برکت سے ضرور فتحیاب ہوتے ـــــ ایک لڑائی میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہ ٹوپی گھر بھول گئے۔ جب آپ کی رفیقۂ حیات زوجۂ محترمہ نے وہ ٹوپی گھر پائی۔ تو فکر لاحق ہوئی کہ خالد ٹوپی تو گھر بھول گئے ہیں۔ اس لئے میدانِ جنگ میں حصولِ فتح میں دقت کا سامنا ہوگا۔ چنانچہ ان کی بیوی نے مجاہدانہ لباس پہن کر گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کارزار میں پہنچیں۔ مجاہدین کی صفوں کو چیرتی ہوئی۔ حضرت خالد تک پہنچ کر وہ ٹوپی پیش کی۔ حضرت خالد نے فرمایا کہ واقعی لڑائی میں دشواری کا سامنا تھا۔ اب انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔ چنانچہ حضرت خالد نے یہ ٹوپی پہنی تو جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ جہاں کفار غلبہ حاصل کر رہے تھے۔ وہاں انہیں ہزیمت کا سامنا تھا۔ اور ٹوپی کے بالوں کی برکت سے دشمن پر فتح نصیب ہوئی ـــ

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال مبارک و ناخن تبرک کے طور پر صحابہ کرام میں تقسیم کیے۔ ان میں سے بعض حضرات تو یہ تبرک اپنی قبروں میں لے گئے۔ تاکہ وہاں کی مشکلات آسان ہوں۔ جیسے حضرت امیر معاویہ و عمرو بن عاص وغیرہم اور بعض حضرات چھوڑ گئے۔ تاکہ قیامت تک مسلمان ان کی زیارت کرتے رہیں۔ چنانچہ آج تک مختلف مقامات پر یہ بال موجود ہیں۔ اور ان کی زیارت ہو رہی ہیں۔ صحابہ کرام ان بالوں کو پانی میں ڈبو کر دوا کے طور پر پلاتے تھے۔ مندرجہ بالا دلائل و حقائق سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات خصوصاً حضور علیہ السلام کے بال و ناخن مبارک سنبھال کر رکھنا۔ ان کی زیارت سے شاد کام ہونا۔ ان کے توسل سے دعا کرنا ان سے شفا حاصل کرنا۔ اور حشر میں ذریعہ نجات سمجھ کر ساتھ لے جانا سب جائز و بہتر ہے۔

نور الحبیب ص ۲۹ ذوالحجہ ۱۴۰۶

۱۹-۰۸-۲۰۰۶

معجزہ ردِّ شمس ۱ - فائدہ نمبر ۱۵ = معجزہ حبس شمس و ردِّ شمس ظاہر
من الشمس ہے۔ حضور والا شان سید انس و جان کے زمانہ اقدس سے قبل بھی یہ اعجاز
حضرت یوشع بن نون و حضرت سلیمان بن داؤد علیہم السلام کے زمانہ میں ہوا۔

حضرت یوشع بن نون کیلئے آفتاب روکا گیا۔

تفسیر جلالین ص۹۷ آیت فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ کے ما تحت لکھا ہے
وَوَقَفَتْ لَهُ الشَّمْسُ سَاعَةً حَتّٰى فَرَغَ عَنْ قِتَالِهِمْ ۔ یوشع بن نون کے لئے کچھ
وقت سورج رک گیا۔ یہاں تک کہ آپ لڑائی سے فارغ ہو گئے۔ تفسیر خازن ص۴۴۷
جلد ۱ - تفسیر ابن کثیر جلد اول تفسیر صاوی ص۲۷۵ جلد ۱ اور صحیح مسلم ص۸۵ جلد ۲
مشکوٰۃ شریف ص۳۵۲ میں مرقوم ہے کہ حضرت یوشع بن نون قوم جبار سے مصروف
جہاد تھے۔ جمعہ کا دن تھا۔ آپ بیت المقدس کو فتح کرنے ہی کو تھے۔ کہ سورج غروب
ہوا چاہتا تھا۔ لہٰذا مغرب قانوناً جنگ بند کرنا تھی۔ کیونکہ ان کی شرع میں ہفتہ کے
دن لڑائی حرام تھی۔ اور چونکہ رات دن کے تابع ہوتی ہے۔ اس لئے بعد غروب لڑائی ختم
ہو جاتی۔ تو فتح ناممکن تھی۔ تب حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے سورج کو
مخاطب ہو کر فرمایا۔ اَنْتِ مَأْمُوْرَةٌ وَاَنَا مَأْمُوْرٌ اَللّٰهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيَّ شَيْئًا فَحُبِسَتْ
عَلَيْهِ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ تو بھی مامور من اللہ ہے۔ اور میں بھی۔ اے اللہ آفتاب کو مجھ پر کچھ
دیر کے لئے روک دے۔ پس روک دیا گیا۔ سورج آپ پر یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فتح
عطا فرمائی =

حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے سورج لوٹایا گیا

صاحب تفسیر خازن ص۳۹ جلد ۴ آیت رُدُّوْهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ
کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔ عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال معنی رُدُّوْهَا عَلَيَّ یقول بامر اللّٰہ
تعالیٰ للملائکۃ الموکلین بالشمس ردوھا علیّ فردوھا علیہ فصلی العصر فی وقتھا
حضرت علی فرماتے ہیں۔ کہ معنی ردوھا علیّ کا یہ ہے۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے
سورج پر موکلین ملائکہ سے فرمایا کہ تم اللہ کے حکم سے آفتاب کو مجھ پر لوٹا دو۔ تب انہوں

نے آپ کیلئے سورج کو لوٹایا تو آپ نے نمازِ عصر وقت پر ادا فرمائی ——
تفسیر مدارک اس آیت کے ماتحت یوں لکھا موجود ہے۔ ای قال للملائکۃ
ردوا الشمس علیّ لاصلی العصر فردت الشمس لہ وصلی العصر = آپ نے فرشتوں
کو فرمایا۔ کہ سورج کو واپس لاؤ۔ تاکہ میں نمازِ عصر ادا کروں۔ تو آپ کے لئے۔ سورج
لوٹایا گیا۔ اور نمازِ عصر ادا فرمائی۔ ومثلہ = تفسیر حسینی صفحہ ۲۳۰ جلد ۲ تفسیر
صاوی صفحہ ۳۵۵ جلد ۳۔ میں ہے۔ وقیل الضمیر فی قولہ ردوھا عائد علی الشمس والخطاب
للملائکۃ الموکلین بھا فردوھا فصلی العصر فی وقتھا ومثلہ کمالین علی جلالین صفحہ ۳۸۲
اور کہا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے قول ردوھا کی ضمیر سورج کی طرف لوٹتی ہے۔ اور اس
کا خطاب موکلین فرشتوں سے ہے۔ پس انہوں نے آفتاب واپس لوٹایا۔ تو حضرت
سلیمان نے بروقت نماز ادا کی —

آنحضور ﷺ کے لئے خورشید روکا گیا۔ اور دو دفعہ لوٹایا بھی گیا =

تفسیر خازن صفحہ ۲۳۲ جلد ۱ قال القاضی وقد روی ان نبینا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم
حبست لہ الشمس مرتین احداھما یوم الخندق حین شغلوا عن صلوۃ العصر
حتی غربت الشمس فردھا اللہ حتی صلی العصر ذکر ذلک الطحاوی وقال رواتہ
ثقات والثانیۃ صبیحۃ الاسراء حین انتظر العیر لما اخبر بوصولھا مع شروق الشمس
قاضی نے کہا۔ کہ ضرور روایت کیا گیا ہے۔ کہ بے شک نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے
دو دفعہ سورج روکا گیا۔ ایک مرتبہ خندق کے دن جبکہ آپ اور آپ کے اصحاب
مشغول تھے۔ اور نماز عصر ادا نہ کر سکے۔ حتی کہ سورج غروب ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ
نے آپ کے لئے سورج لوٹایا۔ اور آپ نے نماز ادا کی۔ اس کو علامہ طحاوی نے بیان
کیا۔ اور فرمایا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ ——— اور دوسری دفعہ معراج
کی رات صبح کو جب آپ حضور نے قریش کے قافلہ پہنچنے کی خبر دی کہ سورج طلوع
ہوتے ہی قافلہ پہنچ جائیگا۔ کفار انتظار کرنے لگے۔ کہ دیکھتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سچ کہتے ہیں یا جھوٹ۔ قافلے پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا ثابت کرنے کے لئے۔ سورج کو طلوع ہونے سے روک لیا۔ حتیٰ کہ طلوع آفتاب سے پہلے جائے مقررہ پر پہنچ گیا۔

تفسیر صاوی صفحہ ۲۷۶ جلد ۱ میں ہے۔ فقد حبست لنبینا صلی اللہ علیہ وسلم مرتین یوم الخندق حین شغل هو واصحابه عن صلوة العصر حتی غربت الشمس فردها الله علیه حتی صلو العصر و صبیحة لیلة الاسراء حین انتظر قدوم العیر و فی روایة مرة لعلی بن طالب حین کان النبی صلی الله علیه وسلم نائما علی فخذه ولم یکن صلی العصر فما استیقظ حتی غربت الشمس فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم ان علیا فی طاعتک وطاعة رسولک فاردد علیه الشمس حتی یصلی العصر = پس ضرور روکا گیا۔ آفتاب ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے دو مرتبہ خندق کے دن۔ جبکہ آپ اور آپ کے صحابہ مشغول تھے۔ اور نماز عصر ادا نہ کی۔ اور شب معراج کی صبح روکا گیا۔ جبکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے قافلہ کی آمد کی خبر دی

اور ایک روایت میں زیادہ کیا گیا ہے۔ کہ ایک دفعہ حضرت علی بن ابی طالب کے لئے سورج لوٹایا گیا۔ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ران (زانو) پر سر مبارک دھرے آرام فرما ہوئے۔ اور حضرت علی نے نماز عصر ابھی ادا نہ کی تھی۔ پس آپ بیدار نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ پس کہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اے اللہ بے شک علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا۔ تو اس پر سورج کو لوٹا دے۔ تاکہ عصر ادا کر سکے۔ ———— ان روایات سے روز روشن کی طرح واضح ہوا۔ کہ کاروان قریش کی آمد پر سورج روکا گیا۔ اور خندق کے دن نماز عصر کی ادائیگی اور حضرت علی کی نماز عصر کیلئے دو دفعہ آفتاب لوٹایا گیا۔

تفسیر حسینی صفحہ ۳۰ جلد ۲۔ شواہد النبوۃ صفحہ ۱۶۰ جذب القلوب صفحہ ۸ مراۃ المناجیح صفحہ ۴۰۳ جلد ۵۔ شفا شریف صفحہ ۱۸۵ جلد ۱۔ میں بالفاظ متقاربہ یہ مضمون درج ہے۔

عبارت شفا سے ہے۔ قاضی ابوالفضل عیاض رحمۃ اللہ لکھتے ہیں۔ وخرج الطحاوی
فی مشکل حدیث عن اسماء بنت عمیس من طریقین ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
کان یوحی الیہ وراسہ فی حجر علی فلم یصل العصر حتی غربت الشمس فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصلیت یا علی۔ قال لا فقال اللھم انہ کان فی طاعتک
وطاعۃ رسولک فاردد علیہ الشمس قالت اسماء فرایتھا غربت ثم رایتھا
طلعت بعد ما غربت ووقفت علی الجبال والارض وذلک بالصہباء فی خیبر
قال وھذان الحدیثان ثابتان ورواتھما ثقات۔ ——— اور بیان کیا
امام طحاوی نے مشکل الحدیث میں حضرت اسماء بنت عمیس سے دو طریقوں سے
بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی ہو رہی تھی۔ اور آپکا سر اقدس
حضرت علی کی گود میں تھا۔ ابھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نماز عصر ادا نہ کی تھی۔ حتی کہ
سورج غروب ہو گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی کیا تو نے نماز عصر
پڑھی ہے۔ عرض کی نہیں۔ پس کہا اے اللہ علی تیرے اور تیرے رسول کی اطاعت میں
تھا۔ اس پر آفتاب کو لوٹا دے۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں۔ میں نے پہلے سورج غروب
ہوتے دیکھا۔ پھر اسے غروب کے بعد طلوع ہوتے بھی دیکھا۔ تو اسکی دھوپ پہاڑوں
اور زمین پر چمکی رہی تھی۔ اور یہ واقعہ مقام صہباء خیبر میں پیش آیا۔ امام طحاوی
نے کہا۔ یہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں۔ اور ان کے راوی ثقہ ہیں۔ احمد بن صالح فرماتے
ہیں۔ کہ اہل علم کے لئے مناسب نہیں۔ کہ اس حدیث کی مخالفت کریں۔ کیونکہ یہ معجزات
ونشانات نبوت میں سے ہیں۔

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک۔
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی۔ (امام احمد رضا)

مجمع البحار ص ۳۵۹ جلد ۳۔ وفیہ طلعت الشمس بعد غروبہ لیصلی حین فاتہ
العصر اذا کان راسہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجرہ حال الوحی = اور آپ کے معجزات

میں سے آفتاب کا حضرت علی کیلئے بلا از غروب طلوع ہونا ہے۔ جبکہ آپ کی نماز عصر فوت ہو چکی تھی۔ اور آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک نزول وحی کے سبب حضرت علی کی گود میں تھا۔ —— واقعہ ھذا بالتفصیل خصائص کبری از علامہ حافظ جلال الدین سیوطی، مدارج النبوۃ شاہ عبدالحق محدث دہلوی، حجۃ اللہ علی العالمین مصنفہ علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہم الرحمۃ نیز مواہب اللدنیہ اور خصر الاقمار وغیرہم میں ملاحظہ ہو۔

نور الحبیب صـ ۲۳ جمادی الآخر۔ رجب المرجب ۱۴۰۶

فقیہ اعظم پاکستان ۱۹۸۶ =

-o-

حضور نبی اکرم ساری کائنات سے زیادہ عقلمند = صلی اللہ علیہ وسلم - فائدہ ۳

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف صـ ۳۲ جلد ا میں رقم طراز ہیں ۔ انہ کان اَعْقَلُ النَّاسِ وَاَذْکَاھُمْ = بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ عقلمند اور ذہین تھے۔ اور کتاب مذکور کے صفحہ مذکورہ میں ہے۔ وقد قال وَھب بن منبہ قرأت فِی اَحَدٍ وَّ سَبْعِیْنَ کِتَابًا فی جمیعھا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَرْجَحُ النَّاسِ عقلًا وَاَفْضَلُھُمْ رَأْیًا وفی روایۃ اخری فوجدت فی جمیعھا ان اللہ تعالیٰ لم یعط جمیع النَّاسِ من بَدْءِ الدنیا الی انقضائھا من العقل فی جنب عقلہ صلی اللہ علیہ وسلم الاکحبۃ رمل من بین رمال الدنیا = —— حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اکہتر ۷۱ کتابیں پڑھی ہیں۔ ان ہر ایک میں یہ لکھا پایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ عقلمند اور سب سے بہتر رائے والے تھے۔ اور ایک دوسری روایت میں یوں ہے۔ کہ خدائے قدوس کی جانب سے ابتدائے آفرینش سے اختتام دنیا تک تمام عالم کو عطا کئے گئے۔ عقل و دانائی۔ کی مقدار حضور علیہ السلام کے مقابلے میں یوں ہے۔ جیسے ذرہ ریت تمام دنیا کے ذروں کے مقابل ——

P.T.O

نسیم الریاض علامہ خفاجی صفحہ ۴۵۹ جلد ۱ شرح شفا علامہ ملا علی قاری۔ یعنی
تمام کائنات کے عقلمندوں کے عقل اصحاب الرائے کی آراء دانشوروں فہیموں
ادیبوں، زبان آوروں۔ شاعروں۔ صحافیوں۔ نکتہ وروں۔ مقالہ نگاروں فلسفیوں
داناؤں، حکیموں۔ تذکرہ نویسوں۔ کی تمام کی تمام صلاحیتیں عقلیں، فہم و
ادراک فراست و استدلال آقائے دوجہاں۔ فخر کون و مکان۔ باعث تخلیق این
و آں۔ کے عقل و فراست اور رائے کے مقابلے میں ہیچ بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ کیا
نسبت ہے۔ پانی کے قطرہ کی سات سمندروں کے ساتھ اور کیا حقیقت ہے۔ ریت
کے ذرے کی دنیا کے بے شمار ریت کے ٹیلوں اور ذروں سے
جو فلسفیوں سے حل نہ ہوسکے۔ اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکے۔
وہ راز اک کملی نے سمجھا دیے چند اشاروں میں۔
مدارج النبوۃ صفحہ ۳۶ جلد ۱ میں محقق علی الاطلاق شاہ عبدالحق محدث دہلوی
رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ وہب بن منبہ کہ تابعی ثقہ اخباری علامہ صدوق صاحب
کتب و اخبار بودہ گفت ہفتاد و یک کتاب از کتب قدماء خواندہ ام و یافتم در جمیع
آں کتب کہ سبحانہ تعالیٰ نداد تمامہ ناس از آغاز دنیا تا انجام آں از عقل در
در جنب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر مانند ذرہ از ریگستان دنیا و محمد صلی اللہ علیہ وسلم راجح
ترین مردم است در عقل و فاضل ترین ایشاں در رائے رواہ ابو نعیم فی الحلیہ و
ابن عساکر فی تاریخہ و در عوارف نقل کردہ از بعضے علماء کہ عقل صد جزء
است نود و نہ ازاں در محمد صلی اللہ علیہ وسلم است و یک جز ازاں در تمامہ مومناں
گفت بندہ مسکین رزقہ اللہ الثبات والیقین اگر مے گفتند کہ عقل ہزار جزء است نہصد
و نود و نہ ازاں در محمد صلی اللہ علیہ وسلم است و یکے ازاں در تمامہ مردم گنجائش داشت
چہ ہر گاہ بے نہایتے۔ کمال او ثابت شد ہر چہ گویند رواست ایں جا۔ اگر سینہ حاسداں
بسوزد و دل اہل زیغ بشکنند چہ توان کرد انا اعطینک الکوثر فصل لربک

ـــ ھوالابتر ط = یعنی نہایت پختہ ذہن کے مالک تابعی اور بہت بڑے علامہ حضرت
وہب بن منبہ جو کتب حدیث میں بڑے وسیع المطالعہ تھے۔ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے قدما
کی اکہتر ۷۱ کتابوں میں پڑھا اور یہ لکھا پایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو ابتدائے آفرینش
سے آخر تک حضور علیہ السلام کے فہم کے مقابلے میں بس اتنی سی عقل دی جیسے ریت کا
ایک ادنیٰ ذرہ۔ تمام دنیا کے ریگستانوں کے مقابلے میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے
تمام مردوں میں عقل اعتبار سے اعلیٰ ترین اور فہم وفراست کے لحاظ سے افضل ترین ہیں
ابونعیم نے حلیہ میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں روایت کیا۔ نیز عوارف میں بعض علمای
سے منقول ہے۔ کہ عقل کی سو اجزاء ہیں۔ ان میں ننانوے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں۔ اور
باقی ایک جز تمام اہل ایمان کو دی گئی۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔
کہ اگر علماء یہ فرماتے کہ عقل کی ہزار اجزاء ہیں۔ ان میں نوسو ننانوے ۹۹۹ جناب محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کو ودیعت ہوئیں۔ اور ایک جز تمام دنیا کے لوگوں کو دی گئی تو اس کی بھی گنجائش تھی
کیونکہ بے شمار کمالات اور لا احصاء اوصاف اس ذات پاک کے لئے ثابت ہیں۔ لہذا ایسا
کہنا بھی جائز ہوتا۔ اس مقام پر اگر حاسدوں کے سینے جل کر راکھ ہو جائیں اور ٹکڑے ٹکڑے
دل مزید گمراہی کے تلاطم میں ڈوبیں تو ہم ان کا کیا علاج کر سکتے ہیں۔ کیونکہ خدا احکم
الحاکمین رب العالمین نے اپنی کتاب مستطاب میں ارشاد فرمایا۔ انا اعطینک الکوثر سے ابتر
تفسیر عزیزی ص ۲۸ جلد ۲ میں مرقوم ہے۔ در برابر عقل آنحضرت علیہ السلام نبود
مگر مانند یک دانہ از ریگ نسبت بہ جمیع ریگستانہائے دنیا کما رواہ ابونعیم الخ = یعنی پوری
دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقل کے برابر کسی کی عقل نہیں مگر یوں جیسے تمام دنیا کے
ریگستانوں کے مقابلہ میں ریت کے ایک ذرے کو نسبت ہے سلہ ـــــ
تاریخی اعتبار سے بھی اگر دیکھا جائے۔ تو سرکار دوعالم فداہ وامی صلی اللہ علیہ وسلم
کے فہم و تدبر اور عقل وفراست کا چرچا تھا۔ بلکہ قبل از بعثت جس طرح آپ اخلاق کریمانہ
صداقت وامانت کے اوصاف سے متصف تھے۔ اسی طرح آپ کے فہم وفراست کا بھی خوب

مشہور تھا۔ تاریخِ اسلام ص ۶۲ جلد ا حاشیہ میں علامہ عبدالرحمٰن شوق نے آپ
کے نکاحِ اوّل جو کہ حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رض۔ سے ہوا۔ کا تذکرہ کرتے ہوئے
سیرتِ حلبیہ کا حوالے سے تحریر کیا ہے کہ خطبہ نکاح کی ابتداء آپ کے چچا ابوطالب
نے اس طرح کی۔ سب سے پہلے ساری ستائش اللہ کو ہے جس نے ہمیں حضرت ابراہیم
کی نسل اور حضرت اسماعیل کا فرزند ہونے سے ممنون کر کے اس گھر کا خادم بنایا۔
جو حج اور امن کا گھر ہے۔ اور ہمیں لوگوں کا حاکم بنایا۔ اس کے بعد میرا بھتیجا محمد صلی اللہ
علیہ وسلم بن عبداللہ اگرچہ دولت مند نہیں۔ مگر نسبتی شرافت عقل و دانائی اور اخلاق
و عادات میں جس شخص سے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ اس پر غالب آتا ہے یا مال
و دولت تو بدلنے اور دور ہونے والی چیز ہے۔ الخ۔ تاریخ اسلام ص ۶۵ جلد ا
رحمۃ للعالمین ص ۲۵ جلد ا =

اس خطبۂ نکاح میں خط کشیدہ عبارت سے واضح ہے کہ قبل از بعثت بھی
آپ کا کوئی شخص عقل و دانائی میں ثانی نہ تھا۔ علاوہ ازیں سیرۃ و تاریخ کی کتابوں
میں قریش مکہ کا ایک بہت بڑا۔ اور تاریخی واقعہ موجود ہے کہ آنحضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی عمر شریف ۳۵ سال کی تھی۔ جب کہ قریش نے کعبہ کی عمارت کو جس کی دیواریں
سیلاب کی وجہ سے پھٹ چکی تھیں۔ از سر نو تعمیر کیا۔ عمارت کے بنانے میں تو سب
قبائل شامل تھے۔ مگر حجرِ اسود کے قائم کرنے کا موقع آیا۔ تو سخت اختلاف رونما
ہوا۔ کیونکہ ہر قبیلہ کی خواہش تھی۔ کہ حجرِ اسود نصب کرنے کی سعادت اسے نصیب ہو۔ مسلسل
چار دن تک برابر جھگڑا ہوتا رہا۔ اور سخت قیل و قال جاری رہی۔ اس قضیے نے یہاں تک
طول پکڑا۔ کہ سب قبائل جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ آخر ابوامیہ بن مغیرہ جو کہ قریش میں
سب سے معمر تھا۔ اس نے رائے دی۔ کہ کل میں کسی شخص کو حکم (ثالث) مقرر کر کے اس
کے فیصلے کو مان لیا جائے۔ اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ حکم وہ آدمی ہوگا۔ جو سب سے پہلے علی الصبح
بابِ بنی شیبہ سے کعبہ میں آئے۔ چنانچہ سب قبائل نے اس رائے سے اتفاق کرتا ہوا۔

تسلیم کر لیا کہ حکم کا فیصلہ سب کو منظور ہوگا۔ صبح سویرے سب سے پہلے باب بنی
شیبہ سے حضور رسالت مآب ﷺ تشریف لائے۔ قریش آپ کو دیکھتے ہی پکار اٹھے
ھذا الصادق والامین رضیناہ۔ یہ صادق اور امین آ گئے۔ ہم ان کے فیصلے سے راضی
ہیں۔ آپ نے اپنی زبردست زیرکی اور معاملہ فہمی سے ایسی تدبیر فرمائی۔ کہ تمام
قریش اس مدبرانہ فیصلے کی داد دینے لگے۔ آنحضرت نے چادر بچھا کر حجر اسود اٹھا
کر اس پر رکھ دیا۔ پھر ہر قبیلہ کے سردار کو بلا کر فرمایا۔ چادر کو پکڑ کر اٹھائیں۔ پھر
آپ نے خود اپنے دست انور سے اٹھا کر نصب فرما دیا۔ آپ کی اس تدبیر سے قبائل قریش
کشت و خون سے بچ گئے۔ اس اہم اور تاریخی واقعہ نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ خداوند عالم
نے جو قوت و ذہانت عقل و فراست اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت آپ کو ودیعت فرمائی اس
کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی ۔

نور الحبیب ص ۲۳ جمادی الثانی ۱۴۰۵ اسلامی معاشرہ

M Abbas
۲۰--۱۸--۲۰۰۶

Moulana Qari Muhammad Abbas Nizami
Distt Teh. Pakpattan

شانِ رسالت ﷺ

(مختلف واقعات)

۱- حیاتِ ابدی کی زندہ شہادتیں :- ارباب سیر بیان کرتے ہیں۔ کہ چھیالیس سال بعد بعض شہدائے احد کی قبروں کو کھولا گیا۔ تو وہ ویسے ہی تر و تازہ تھے۔ جیسے آج اور ابھی دفن کیا گیا ہو۔ ان میں سے کئی زخموں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ زخموں پر سے ہاتھ اٹھایا گیا۔ تو تازہ گرم خون بہہ نکلا۔ جب ان کے ہاتھ کو چھوڑا جاتا تو وہ زخموں پر ہی واپس پہنچ جاتے ——— عطار بن خالد مخزومی اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں شہدائے اُحد کی زیارت کو گیا۔ میں نے سن رکھا تھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ انہیں سلام کرو۔ کیونکہ یہ زندہ ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ میں نے سلام کا جواب کہا۔ اور جواب سُنا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ بلاشبہ ہم تمہیں پہچانتے ہیں۔

حضرت جابر سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ جب اُحد کا دن سر پر آ پہنچا تو میرے والد نے رات کو بلایا۔ اور کہا۔ کہ میں اپنے آپ کو صحابہ سے پہلا مقتول خیال کرتا ہوں۔ اور میں اپنے بعد ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑے جا رہا۔ جو مجھے تم سے زیادہ پیاری ہو۔ میرا قرض ادا کرنا۔ اور اپنی بہنوں سے حسن سلوک کا رویہ کرنا۔ صبح کے وقت ہم نے دیکھا۔ کہ سب سے پہلے وہی درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک اور شہید بھی قبر میں دفن کیے گئے۔ چھ مہینے بعد میں نے نکالا۔ کہ انہیں الگ نئی قبر میں دفن کردوں۔ فاذا ھو کیوم وضعتہ تو وہ اسی طرح تھے۔ جس طرح میں نے دفن کیا تھا۔

ایک صلیبی جنگ میں مشہور فقیہ حضرت عبدالرحمن نے مرتبہ شہادت پایا۔ قانونِ قدرت سے مسلمانوں کو مغلوب ہونا پڑا۔ ایک انگریز افسر خاتمہ جنگ کے لاشوں

کا معائنہ کر رہا تھا۔ کہ آپ کے روشن و تاباں چہرے نے اُسے متوجہ کر دیا۔ استفسار پر پتا چلا۔ کہ یہ مسلمانوں کے معروف عالم اور فقیہ العصر کی نعش مبارک ہے۔ انگریز نے پاؤں کی ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ کہ تم جو شہادت پانے والوں کو حیاتِ ابدی کی نوید دیا کرتے تھے۔ اب کیوں پڑے ہو۔ حرکت کیوں نہیں کرتے۔ حضرت عبدالرحمٰن اُسی وقت اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور بآوازِ بلند فرمایا۔ اَنَا حَیٌّ بِرَبِّ الْکَعْبَۃِ یعنی مرشد فرمایا۔ رب کعبہ کی قسم میں زندہ ہوں۔ اور پھر اُسی وقت اُسی طرح لیٹ گئے۔

اسی لیے شہید کیلئے ابدی زندگی کی نوید ہے۔ اُسے مردہ کہنے اور سمجھنے پر پابندی لگا دی گئی ہیں۔ اُس کی حیات کی حقیقت کو انسانی شعور سے ماوراء کہا گیا ہے۔ کفارہ گناہ اور ترقی درجات کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ جہاد اور شہادت کو کامیاب تجارت جامع اور غیر منقطع عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ راہ جہاد کے ہر فعل کو نیکی بتایا گیا ہے۔ شہید کے لیے۔ چھ باتوں کے امتیازات مختص کر دیئے گئے ہیں۔ اوّل۔ خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ ۲۔ شہادت کے وقت اپنی جگہ جنت میں دیکھ لیتا ہے۔ ۳۔ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ ۴۔ قیامت کی ہولناکیوں اور گبھراہٹ سے مامون و محفوظ رہتا ہے۔ ۵۔ اس کے سر پر تاج رکھا جائے گا۔ جس کا ایک یاقوت دنیا کی تمام دولت سے قیمتی ہوگا۔ ۶۔ ۷۰ ستر رشتہ داروں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جائیگی۔

نورالحبیب ص جمادی الاوّل ۱۴۰۷ (الجہاد)

۲۔ سیج کی برکت ۔ وہ بادہ نوش تھا۔ اور رنگین شراب کا لبریز جام اس کے سامنے تھا۔ رات کی تاریکی جب گہری ہوگئی۔ بادہ پیما عرب دن بھر کی لو۔ اور تیز دھوپ میں کام کرنے والے۔ ہوا کے جھونکے پا کر نیند کی آغوش میں جھومنے لگے۔ تو اس کے پہلو میں سویا ہوا شرابی جاگ اٹھا۔ ہر روز کی طرح وہ بڑی پھرتی سے اس لال پری کی جانب لپکا۔ مگر پھر ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اسے کچھ یاد آ گیا۔ ـــــ وعدہ ـــــ ایک انجانا سبب

اس کی نگرانی پر مامور رہے ۔ نہیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ میں اپنے عہد سے مکر جاؤں شراب کا نشہ عقل کو ماؤف اور دل و دماغ کی طاقت کو مفلوج کر لیتا ہے۔ مگر باہوشی بے عقلی۔ پاگل پن۔ اور دیوانگی سے دور رہنا۔ ہر صحیح الدماغ انسان کو پسند ہے لیکن میں نے تو صرف سچ بولنے کا وعدہ کیا ہے۔ گھٹی میں پڑی ہوئی پرانی عادت بولی ——

تو کیا میں اس وقت چند گھونٹ لینے کے نتیجے میں مالکِ دو جہاں کی بارگاہ کا اقراری مجرم بن جاؤں یہ نہیں ہو سکتا۔ ہرگز نہیں کبھی نہیں ۔

گم صم دیر تک انتظار کرنے کے بعد یاد آیا۔ کوئی اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔ اس کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات جذبات اور نفسانی میلان کے تحت ہونے والی باتیں۔ یاد آنے لگیں۔ طبیعت بہکنے لگی۔ ارادہ متزلزل ہونے لگا۔ اندرونی طور پر کسی ہیجان سے مغلوب ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس فاحشہ عورت کی طرف جانے کیلئے جس کے ساتھ اس کا ماضی وابستہ رہا تھا۔ مگر اپنے دروازے سے قدم باہر نکالتے ہوئے اس کے جسم میں ایک جھرجھری سی ہونے لگی۔ کسی ان دیکھے احساس نے جھنجھوڑ دیا ۔ کیا بھول گیا اپنا وعدہ۔ کہاں گیا تیرا پاسِ عہد۔ کیا ہوئی تیری زبان کی وقعت پلٹ پڑا۔ اور کسی شکست خوردہ شہ زور کی طرح اپنے بستر پر آ گرا۔ نہیں مجھ میں یہ ہمت کہاں ہے کہ عدالتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں کھڑا ہو کر اپنی بدکاری کا اعلان کروں۔ ایسا ہو گیا۔ تو گویا بدفعلی سے جس منہ کو میں نے کالا کیا ہے۔ اسے لیکر بارگاہ عالیہ میں جانے کا۔ جرم بھی مجھ پر عائد ہو گا۔ میں اس کی تاب کیسے لا سکتا ہوں ۔

رات کا نصف حصہ گزر جانے کو آیا۔ آج اس کی آنکھوں میں شراب کی سرخی کے ڈورے نہیں تھے جسم کا کھنچاؤ۔ جو رات کا اتنا وقت گزرنے پر طاری ہوتا تھا۔ وہ بھی نہیں تھا۔ اب تو رات کا وقت آ گیا ہے۔ جب کہ ساری دنیا سوئی ہوتی ہے۔ اور خدا سے ڈرنے والوں میں زاہدانِ شب زندہ دار عبادت و ریاضت کے لئے بیدار رہتے ہیں۔ یا مجھ جیسے لوگ —— کس طرف نکلوں

کسی کی دیوار پھاند دوں۔ کسی کے گھر میں نقب لگاؤں۔ یہی تو میرا اصل ذریعۂ آمدنی ہے۔ ورنہ میں دن بھر کی محنت و مشقت سے حاصل ہی کتنا کر پاتا ہوں۔ زندگی کی وسیع ضرورتوں کی تکمیل کیلئے بالائی آمدنی بھی تو ہونی چاہیئے۔ خاموش ماحول۔ پرسکون فضا۔ کوئی آواز اور آہٹ نہیں۔ مگر ایک جنگ کا سماں ہے۔ آخر یہ کیسی جنگ ہے۔ جس میں کوئی چیخ پکار نہیں۔ شور اور ہنگامہ نہیں۔ شکست و ریخت نہیں۔ کیا ایسی بھی جنگ ہوتی ہے۔ عزیز! انسان کے فکر و عمل کی تو یہ ایک عدالت ہے۔ جہاں مخالف نظریات کا مقدمہ پیش ہوتا ہے۔ اور اسی بات کو بالکل انتہائی سادہ اصطلاح میں بولو۔ تو جنگ کہنا غلط نہیں۔ ذہن و فکر اور اعمال و افعال کی سطح پر خیر اور شر دونوں قوتیں کبھی متصادم ہوتی ہیں۔ ٹکراتی ہیں۔ پھر ان دونوں میں سے جو غالب ہوتی ہے۔ وہی انسان پر اپنی حکمرانی کرتی ہے۔ آج اس نے رات کی تاریکی سے کوئی غلط فائدہ نہیں اٹھایا۔ کیونکہ اس اندھیرے میں بھی غیبی محاسبہ کی ایک تیز روشنی اس کے یقین کو جگمگا رہی تھی۔ صبح ہوئی۔ یہ اس کیلئے ایک عجیب صبح تھی۔ جس کے طلوع سے پہلے اس کے قلب و ذہن کے افق پر ایک اور آفتاب جگمگا رہا تھا۔ صداقت اور سچائی کا آفتاب جو طلوع ہونے کے بعد پھر کبھی غروب نہیں ہوتا۔ واقعی اس کے لئے یہ زندگی کی بالکل عجیب رات تھی۔ جب کہ اس نے شراب بھی نہیں پی۔ ۲۔ بدکاری سے بھی محفوظ رہا۔ ۳۔ اور اس نے چوری بھی نہیں کی۔

نماز فجر کے بعد مسجد نبوی کے مقدس صحن میں محبوب رب العالمین حضور محمد رسول اللہ صحابہ کرام کے جھرمٹ میں جلوہ فرما رہے تھے۔ ایک شخص حاضر ہوا۔ رات بھر کی بیداری کا خمار آنکھوں سے جھلک رہا تھا۔ یہ تو وہی شخص ہے۔ جو کل دربار نبوی میں حاضر ہوا تھا۔ یا رسول اللہ مجھ میں چار بری خصلتیں ہیں۔ بدکار ہوں۔ چوری کرتا ہوں۔ شراب پیتا ہوں۔ جھوٹ بولتا ہوں۔ اگر آپ حکم فرمائیں۔ تو آپ کی خاطر ان میں سے ایک کو چھوڑ سکتا ہوں۔ معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ جھوٹ نہ بولا کرو۔ وہی شخص آج پھر آیا ہے۔ فداک امی وابی یا رسول اللہ۔ میں نے آپ کے حضور میں۔ صرف ایک خصلت بد جھوٹ چھوڑنے کا عہد کیا تھا۔

مگر قربان آپ کی حکمت نبوت پر۔ اے طبیب روحانی و جسمانی۔ میں نے شراب نوشی بدکاری اور چوری سے توتوبہ نہیں کی تھی۔ مگر جب ان پرانی عادتوں پر عمل کرنے کا ارادہ کیا۔ تو خیال آیا کہ پھر کسی کرکے۔ یا تو دوبارہ آپ کی بارگاہِ اقدس میں جھوٹ بولوں یا سچ بولوں تو بارگاہِ رسول کا اقراری مجرم بن کر اللہ کے عتاب و عقاب میں گرفتار ہوں۔ ؟

یارسول اللہ۔ صرف ایک سچ نے میری تمام برائیوں کا راستہ بند کر دیا۔ سیرت کے اوراق شاہد ہیں۔ کہ اس کی باتیں سن کر سرکارِ محمد رسول اللہ۔ مسکرا پڑے تھے۔ اور ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ کہ حضور کا تبسم رحمتِ الٰہی کے مژدۂ جانفزا کے سوا کچھ نہیں ہے

جب مسکرائے جان سی کلیوں میں آگئی ـــــ جب لب کشا ہوئے تو گلستان بنا دیا۔

(ماخوذ تفسیرِ عزیزی) (نور الحبیب صفحہ ۲۰ جمادی الاول ۱۴۰۲ ۱۹۸۲ء)

(۲۱-۰۸-۲۰۰۶) ـــــــــــ ٥ ـــــــــــ

امام اعظم ـــــ سیرت و کردار =

فقہ حنفی کے بانی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ بڑے ہو کر تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ لیکن زہد و تقویٰ کو ہاتھ سے نہ جانے۔ امام شعبی نے آپ کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دی تو آپ نے بڑے انہماک اور محنت سے تمام متداول علوم حاصل کر لیے۔ مختلف علوم اسلامی میں آپ کے اساتذہ اور فقہاء کی تعداد چار ہزار بتائی جاتی ہے۔ قرآن و حدیث پڑھ چکے تو اپنی ساری توجہ فقہ اسلامی کی طرف مبذول کر دی۔ اور اسلامی احکام و مسائل کو اس نہج پر قلمبند کیا۔ کہ آج عالم اسلام کے دو تہائی سے بھی زیادہ مسلمان آپ ہی کے فقہی مسلک کے پیروکار ہیں۔ آپ کے فقہی تعلیمات کے قبول عام ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ آپ نے جو کچھ لکھا۔ اور کہا۔ خود بھی کر کے دکھایا۔ اور ظاہر ہے۔ کہ اعمال اقوال سے زیادہ متاثر کن ہوتے ہیں۔

۱ ـ ایک دفعہ آپ نے حفص بن عبدالرحمٰن کو کچھ کپڑا فروخت کرنے کے لئے بھیجا اور ساتھ ہی ایک تھان کے بارے میں انہیں آگاہ کر دیا۔ کہ اس میں یہ نقص ہے۔ لہٰذا گاہک کو بھی بتا دینا۔

اتفاق سے جناب حفص گاہک کو تھان کا نقص بتانا بھول گئے۔ جب لوگ کہ امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے اس تھان کے بارے میں استفسار کیا۔ جناب حفص نے اس نازک موقع پر بھی راست گوئی اختیار کی۔ اور امام اعظم کو صاف بتا دیا۔ کہ حضرت مجھے آپ کی تاکید یاد نہیں رہی تھی۔ امام اعظم نے دریافت کیا۔ گاہک کو جانتے پہچانتے ہو۔ جناب حفص کو اس بابت بھی لاعلمی تھی ـــــ اب امام اعظم کا تقویٰ ملاحظہ کریں۔ کہ آپ نے اس مال کی تمام کمائی جو تیس ہزار درہم تھی۔ خیرات کر دی ـــ

۲ ـ ایک مرتبہ امام اعظم رح کسی بیمار کی عیادت کو جا رہے تھے۔ حضرت شقیق بن ابراہیم بلخی بھی ساتھ تھے۔ ایک شخص نے دور سے امام اعظم کو دیکھ لیا۔ اور شرمندگی کے مارے۔ راستہ چھوڑ دیا۔ جب حضرت امام رح نے اس کو دیکھا۔ تو بلا کر پوچھا۔ تم نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے کہا۔ میں نے دس ہزار درہم قرض ادا کرنا ہے۔ بہت زیادہ مدت گزر چکی۔ مگر میں ادا نہیں کر پایا۔ اب آپ کے سامنے آتے ہوئے۔ ندامت محسوس ہوتی ہے۔ امام اعظم نے فرمایا۔ اگر معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے۔ تو جاؤ میں نے تمہیں سارا قرض معاف کیا۔ اور تم مجھے یہ بات معاف کر دینا۔ جو مجھے دیکھ کر تیرے دل میں آئی ہے۔ حضرت شیخ بلخی رح فرماتے ہیں اس واقعہ کے بعد مجھے یقین ہو گیا۔ کہ آپ حقیقی زاہد ہیں۔

۳ ـ آپ کے زمانہ میں کسی کی بکری چوری ہو گئی۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا۔ بکری کی عمر کتنی ہے۔ بتایا گیا چار سال۔ آپ نے چار سال تک گوشت نہ کھایا۔ مبادا وہی مسروقہ بکری ذبح کی گئی ہو۔

۴ ـ آپ کی تدفین کے بیس روز تک آپ کے مزار پر جنازہ پڑھا جاتا رہا۔

نور الحبیب عفت ۱۲ جمادی الاوّل ۱۳۹۷ مئی ۱۹۷۷

(signature)

بروز سوموار رجب المرجب ۱۴۲۷
۲۱-۰۸-۲۰۰۶

Moulana Qari ...mmad Abbas Nizami ... Dist Teh. Pakpattan

(تاجدارِ صحابہ (فرزند) ابو قحافہ رضی اللہ عنہم کا شجرہ نسب)

فہر بن مالک (قریش)

غالب

لوئی

مرہ

کلاب — تیم

ازواج مطہرات سیدنا صدیق اکبرؓ

قصی	۱- حضرت قتیلہ بنت عبدالعزی ۲- ام رومان بنت عامر	سعد
عبد مناف	۳- اسماء بنت عمیس ۴- حبیبہ بنت خارجہ	کعب
ہاشم	(صاحبزادے)	عمرو
عبدالمطلب	۱- حضرت عبدالرحمن ۲- حضرت عبداللہ ۳- محمد بن ابی بکر	عامر
عبداللہ	(صاحبزادیاں)	عثمان

حضرت محمد ﷺ (۱- ام المومنین عائشہ صدیقہ ۲- حضرت اسماء ۳- ام کلثوم) حضرت ابوبکر صدیق

(۱) جذبہ ایثار روشنی ڈالیں۔ غزوہ تبوک کے موقع پر سارا گھر کا سامان ۔

۲- قرآن مجید میں صدیق اکبر کا مقام (۳) بلال کو آزاد کرنا ۔ (۴)

(الصدیق) نور الحبیب صفحہ ۶ جمادی الآخر ۱۴۰۱

۲۱-۰۸-۲۰۰۶

— ○ —

مسئلہ فدک اور حضرت سیدنا ابوبکرؓ

تحریر
محمد کرم شاہ
(الازہری)

ہمارے بعض دوست بڑے طمطراق سے یہ کہتے رہتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے باغ فدک چھین لیا۔ ان پر ظلم کیا۔ ان کی دل آزاری کی۔ اور حضرت عمرؓ بھی اس کام میں آپ کے ہمنوا اور مؤید تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس موقع پر جس طرح شائستگی اور شرافت کی تمام حدود کو وہ پھاند جاتے ہیں۔ ان کے ذکر سے میں دانستہ احتراز کرتا ہوں۔ ——— میرا مطمح نظر مسئلہ کو الجھانا نہیں سلجھانا ہے۔ میں شکوک و شبہات کو ہوا دے کر ماحول کو غبار آلود نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ نگار حقیقت کے رخ زیبا سے نقاب الٹنا چاہتا ہوں۔ حق و باطل میں امتیاز کرنا آپ کا کام ہے۔ سب سے پہلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کہ فدک کیا ہے۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ اس کے بعد قدم بقدم سوئے منزل بڑھتے چلے جائیں گے۔ اہل اسلام کو جو اموال و املاک کفار سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں (۱) غنیمت (۲) فئی مال غنیمت اس کو کہتے ہیں۔ جو لڑائی اور لشکر کشی کے بعد حاصل ہو۔ اور مال فئی۔ اس کو کہتے ہیں۔ جو لشکر کشی کے بغیر حاصل ہو۔ مال غنیمت اور مال فئی کی یہ تعریف متفقہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ دونوں قسموں کے اموال کا شرعی حکم قرآن کریم میں وضاحت سے مذکور ہے۔ اس لئے ہمیں پریشان ہونے اور ورق گردانی کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

دسویں پارے کی پہلی آیت میں اموال غنیمت کے احکام صراحتاً ذکر کئے گئے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔ واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل۔ (سورۃ انفال ۴۱) اور جان لو۔ کہ جو کوئی چیز تم غنیمت میں حاصل کرو۔ اللہ تعالیٰ کے لئے۔ اس کا پانچواں حصہ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کیلئے

رشتہ داروں اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جسے ہم نے اتارا اپنے محبوب بندہ پر۔ اس آیت میں غور کرنے سے واضح ہو گیا کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں گے۔ چار حصے حسب الحکم مجاہدوں اور غازیوں میں تقسیم کیے جائیں گے۔ اور پانچواں خمس کے مصارف اس آیت میں کھول کر ذکر کر دیے گئے ہیں۔

مال فئی کے احکام سورۃ حشر کی آیت نمبر ۷ میں ذکر کیے گئے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔ ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔ اس سے واضح ہو گیا کہ جو اموال فئی ہوں۔ ان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حصہ ہے حضور کے رشتہ داروں کا اور کے یتیموں کا۔ اور مسکینوں کا۔ اور مسافروں کا۔ اموال فئی میں ان تمام لوگوں کو حصہ دار بنانے کی حکمت یہ بیان فرما دی تاکہ مال چند اغنیاء میں ہی گردش نہ کرتا رہے۔ اور سمٹ کر چند افراد کے ہاتھوں میں جمع نہ ہو جائے۔ بلکہ اس کی گردش کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو تاکہ دولت کی تقسیم سے ملت کے زیادہ سے زیادہ افراد مستفید ہوتے رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء کے مختصر جملہ میں اسلامی نظام معیشت کی روح اور اس کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے سرمایہ دارانہ معیشت میں دولت سمٹ کر چند افراد کے پاس جمع ہو جاتی ہے۔ چند مٹھی بھر لوگ از حد متمول ہو جاتے ہیں۔ اور قوم کے باقی افراد عسرت و تنگدستی کا شکار بن جاتے ہیں۔ اسلام نے سرمایہ داری کی پہلے ہی بیخ کنی کر دی اور اسلامی معاشرہ کا مزاج اس طرح تیار کیا۔ کہ وہاں سرمایہ داری پنپ ہی نہ سکے۔ دولت کو چند ہاتھوں میں۔ مجتمع ہونے سے روکنے کے لیے۔ قبل از وقت احتیاطی تدابیر اختیار کیں اور حفاظتی بند باندھ دیے۔ اس طرح نہ دولت سمٹے گی۔ نہ قوم از حد امیر اور از حد غریب طبقوں میں بٹے گی۔ نہ ان میں حسد و تباغض کی آگ سلگے گی۔ اور نہ وہ وقت آئے گا

کہ غربت کے ماروں کا پیمانۂ صبر چھلکنے لگے اور وہ بے اختیار بے قابو ہو کر آمادۂ بغاوت ہو جائیں اور اپنے ہاتھوں اپنی قوم کے خون کے دریا بہا دیں۔ غنیمت اور فئی کا مفہوم اور ان کے قرآنی احکام ذہن نشین کر لینے کے بعد آگے چلئے۔ ——— اہل سنت و جماعت کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کیونکہ اموال فئی کے حق دار بہت سے اقسام کے لوگ ہیں۔ ان کو متعین کرنا ممکن نہیں۔ آج ایک لڑکا یتیم ہے۔ کل وہ بالغ ہو کر خوشحال ہو جاتا ہے۔ آج ایک شخص مسکین ہے۔ کل وہ دولت مند بن جاتا ہے۔ جب تک پہلا یتیم تھا۔ اور دوسرا مسکین تھا۔ وہ ان اموال میں حصہ دار تھے آج ان کی جگہ دوسرے لوگ جو یتیم اور غربت سے متصف ہیں۔ وہ حصہ دار بن جائیں گے۔ یہی حال ذوی القربیٰ کا ہے۔ یہی حکم ابن سبیل کا ہے۔ جب صورت احوال ایسی ہو تو وہ اموال وقف کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ان اموال و املاک کا نظم و نسق خود حاکم وقت یا اس کی طرف سے مقرر کردہ شخص کیا کرتا ہے۔ ——— یہ مسلمہ امر ہے۔ کہ فدک جنگ اور لشکر کشی سے نہیں۔ بلکہ صلح سے مسلمانوں کے تصرف میں آیا تھا۔ اور آیت میں بیان کردہ حکم کے مطابق یہ کسی ایک شخص یا ایک خاندان کی نجی ملکیت نہیں۔ بلکہ اس میں مذکورہ بالا۔ سارے اصناف حصہ دار ہیں۔ ورنہ دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں آ جائیگی۔ قرآن نے کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء سے ارتکاز زر سے بچنے کیلئے؟ جو احکام نافذ کئے ہیں۔ ان کی خلاف ورزی لازم آئیگی۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک اس جہان فانی میں رونق افروز رہے۔ حضور اپنی نگرانی میں اس علاقہ کی آمدنی کو حقداروں میں تقسیم فرماتے رہے۔ اور حضور کی رحلت کے بعد جب حضرت صدیق اکبر مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ تو ان باغات اور مزروعہ اراضی کی نگہداشت اور اس کی آمدنی کی تقسیم آپ کے سپرد ہوئی۔ آپ اپنے عہد خلافت میں حسب ارشاد خداوندی اور حسب سنت نبوی اس فریضہ کو سرانجام دیتے رہے۔ اور یہ سلسلہ حضرت فاروق اعظم اور بعد میں آنے والے خلفاء راشدین کے زمانوں میں بھی اسی طرح جاری رہا۔ اور اسی طرح اسلامی نظام معیشت کی برکتوں اور سعادتوں سے اسلامی معاشرہ سیراب اور بہرہ مند ہوتا رہا۔ حضرت صدیق اکبر۔ اور حضرت فاروق اعظم کا یہ عمل حقیقت میں ارشاد خداوندی کی تعمیل تھی۔ اور سنت نبوی کی صحیح معقول

میں الحاملت تھی۔ اور ان حضرات پر کسی قسم کا الزام و اتہام وارد نہ ہو سکتا تھا۔ بلکہ وہ لائق صد تبریک و تحسین تھے۔ کہ انہوں نے ہر قسم کے دباؤ کا مقابلہ کیا۔ لیکن فرمان الٰہی اور سنت محمدیہ سے سر مو انحراف نہ کیا۔ ہاں اگر وہ کہ ایسا نہ کرتے تو وہ قابل سرزنش ہوتے۔ بلکہ اس وقت کا زندہ اور بیدار معاشرہ احکام الٰہی اور سنت نبوی کی اس خلاف ورزی کو ہرگز برداشت نہ کرتا۔ لیکن ہمارے ہاں۔ تو گنگا الٹی بہہ رہی ہے۔ تنقید کے تیروں سے ان مردانِ پاک سرشت کو گھائل کیا جا رہا ہے۔ جنہوں نے عہدِ وفا کو نبھایا۔ راہ حق پر استقامت و ثبات کے انمٹ اور درخشاں نقوش ثبت کیے۔ یہ تو ہوا۔ اہل سنت کا موقف نظری بھی اور عملی بھی ——

— ٥ —

اب رہے معترضین تو ان کا عقیدہ شریفہ یہ ہے۔ کہ فدک جو فئی ہے۔ جو حضور کی ذاتی ملکیت تھی۔ حضور کی رحلت کے بعد اس کی وارث صرف حضرت سیدہ تھی۔ اور شیخین نے ان کو فدک کی آمدنی سے محروم کر کے حضور کی نورِ نظر اور لخت جگر پر بڑا ظلم کیا۔ اور ان کی حق تلفی کی۔ اب غور فرمائیے اگر ایسا ہوتا۔ تو آیت یوں ہوتی۔ ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ فھو لرسولہ، کہ ان گاؤں والوں سے جو مال فئی حاصل ہو۔ اس کا مالک اس کا رسول ہے۔ بات ختم ہو جاتی۔ اور کسی کو چون چرا کی مجال نہ رہتی۔ لیکن قرآن کی آیت تو اس طرح وہاں نہیں۔ وہاں تو وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل کی لمبی چوڑی عبارت بھی موجود ہے۔ یہ لوگ اپنے دل سے پوچھیں۔ کہ یہ کلمات کیا قرآن کی آیت کا حصہ نہیں۔ اور کیا ان کلمات کا واضح مدعا نہیں۔ جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ یا یہ الفاظ صرف سنانے کیلئے اور لوگوں کو مرعوب کرنے کیلئے ہیں۔ عمل سے ان کا کوئی سروکار نہیں۔ جب تک ہم قرآن کو اپنے خداوند کریم کا کلام مانتے ہیں۔ ہم اس آیت کا انکار نہیں کر سکتے۔ اور اگر انکار نہیں کر سکتے۔ تو پھر اس داستان سرائی کیلئے وجہ جواز کیا ہے۔ یہ ایک سیدھی اور صاف بات ہے۔ اس میں کوئی کجی نہیں۔ کوئی زیغ نہیں۔ کوئی پیچ نہیں۔ یہ ایک روشن حقیقت ہے۔ جو شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ پھر ہم آفتاب سے تابندہ تر حقیقت کا کیوں انکار کریں۔ اور بے سروپا تاویلات اور من گھڑت موضوعات کی دلدل میں پھنس کر

کیوں۔ خود بھی قیامت کے روز شرمسار ہوں۔ اور قرآن و اسلام کی تعلیمات کو زک پہنچا کر باطل کو بلا وجہ غُرّانے کا موقع دیں۔ ——— لیکن جہاں بات کا بتنگڑ بنانا اور بال کی کھال اتارنا محبوب مشغلہ ہو۔ وہاں حق کی سادگی اور پرکاری کو کون خاطر میں لاتا ہے۔ سچی بات کو سننا کون گوارا کرتا ہے۔ وہاں تو ایسی ایسی اینچ اور دور از کار تاویلوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ اپنی غلطی کا اعتراف تو بڑے دل گردے کا کام ہے۔ جن کا پیش نظر صرف ملت کا شیرازہ منتشر کرنا ہو۔ جن کے پیش نظر اپنی لیڈری کو چمکانا ہو۔ جس لغزش کے پیچھے دیرینہ جذبۂ انتقام کی آگ سلگ رہی ہو۔ وہاں عقل بیچاری ایسی ایسی اختراعیں کرتی ہیں۔ حقائق اور حقوق کو پس پشت ڈال کر محض جذبات کو ابھارتی ہے۔ اور اس کے لئے۔ دروغ بافی میں کمال کا مظاہرہ کرتی ہے۔ کہ اچھے بھلے سراب کو چشمۂ آب حیوان سمجھنے لگتے ہیں۔ اگر ایک لمحہ کیلئے بھی یہ مان لیا جائے۔ اگرچہ ایسا ماننا حکم خداوندی کی صریح نافرمانی ہے۔ کہ فدک حضور کی ملکیت تھا۔ اور وصال کے بعد ان املاک کی حیثیت ایسی تھی۔ جو وارثوں میں بانٹ دی جاتی ہے۔ تو پھر وراثت کا حق صرف حضرت سیدہ بتول سلام اللہ علیہا کو کیسے پہنچتا ہے اس میں سارے وارث حصہ دار ہوں گے۔ حضرت عباس امہات المومنین۔ اور دیگر ورثا بھی شریک ہوں گے۔ صرف حضرت سیدہ کو وارث تسلیم کرنا۔ اور باقی ورثا کو محروم کر دینا مقصود آیات قرآنی کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اور ہم سیدہ بتول کے بارے میں اس کا تصور تک نہیں کر سکتے۔

جب ان لوگوں کے یہاں بھی قدم نہیں جمتے اور مقصود بر آتا دکھائی نہیں دیتا۔ تو پھر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے اپنی حیات طیبہ میں ہی فدک کی وسیع و عریض املاک اپنی بیٹی کو ہبہ کر دی تھیں۔ اور انہوں نے اسے قبول کر لیا تھا۔ اس لئے فدک وغیرہ کی واحد حقدار حضرت سیدہ ہی تھیں۔ آپ غور فرمائیں کہ بارگاہ رسالت میں یہ کتنی بڑی گستاخی ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا۔ کہ (معاذ اللہ) حضور نے باقی تمام ورثا کو محروم کرنے کے لئے فدک اپنی حیات طیبہ میں ہی حضرت سیدہ کو دے دیا۔ دوسرے ورثا کو محروم کر دیا۔ اس گئے گزرے زمانے میں بھی اگر کوئی شخص ایسی بات کرتا ہے۔ تو اپنے ایک وارث کے نام ساری جائداد کا انتقال کرا دیتا ہے۔ اور باقی وارثوں کو محروم کر دیتا ہے۔ تو اس کو

اس عمل کو انتہائی مذموم اور صریح ظلم قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس کی اس بات سے سارے خاندان کا امن
وسکون برباد ہو جاتا ہے۔ ان میں خونریزیوں اور مقدمہ بازیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع
ہو جاتا ہے۔ ذرا سوچیے۔ وہ نبیٔ برحق جو آیا ہی ظلم و زیادتی کو مٹانے کیلئے تھا۔ جو آیا ہی عدل و انصاف
کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے تھا۔ اس کی آمد کی برکت سے ٹوٹے ہوئے دل جڑ گئے۔ دریدہ قباؤں کے
چاک رفو ہو گئے۔ خاندانی عداوتوں کے آتش کدے گلزار بن گئے۔ ایسے امن وسعادت کے پیغامبر کے
بارے میں ایسا تصور تک کرنا بھی انتہائی رذالت اور کمینگی ہے۔ اہل بیت کی عقیدت کا ہر چند دعویٰ کر
ناموس رسالت پر حملہ آور ہونا کہاں کی ایمانداری ہے۔ اگر نبی نے خود نعوذ باللہ، اپنے خاندان کے افراد
میں ظلم وعدوان کا آغاز کیا۔ تو ظلم وستم کی پسی ہوئی ستائی ہوئی مخلوق اپنے درد کا درماں کرنے اور اپنے
زخموں پر مرہم لگوانے کہاں جائے۔ کئی دوسری باتیں بھی ہیں کہ دعویٰ کی تردید کرتی ہیں۔ —

فدک کا علاقہ جو بطور فیٔ حضور کے تصرف میں آیا۔ کوئی معمولی سا علاقہ نہ تھا۔ یہ ایک
وسیع وعریض خطہ ہے۔ جس میں زرخیز میدان شاداب باغات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ بقول
ملا باقر مجلسی اس کی سالانہ آمدنی چوبیس ہزار دینار تھی۔ یعنی اس وقت کے حساب کے مطابق
دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ۔ اگر حضور علیہ السلام نے یہ خطہ حضرت سیدہ کو ہبہ کر دیا تھا۔ تو پھر آپ یا
مدینہ منورہ کی متمول اور دولت مند خواتین میں سر فہرست ہوں گی۔ حالانکہ عہد رسالت میں آپ کی
عسرت اور تنگی گزران کے قصے زبان زد خاص وعام ہیں۔ آپ خود اپنے دست مبارک سے پیستیں
گھر میں جھاڑو خود دیتیں۔ کھانا پکاتیں۔ حتیٰ کہ بسا اوقات پانی کا بھرا ہوا مشکیزہ اپنے کندھوں
پر اٹھا کر لاتیں۔ جس کی سالانہ آمدنی ڈھائی لاکھ روپیہ ہو۔ وہ تو دس بیس غلام اور کنیزیں خرید
کر رکھ سکتا ہے۔ نیز یہ روایت بھی عند الفریقین مسلم ہے۔ کہ ایک دفعہ چند کنیزیں اور غلام
بارگاہ رسالت میں لائے گئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایما پر حضرت سیدہ لونڈی مانگنے کے
لیے حضور کی خدمت میں گئیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ اے فاطمہ اے میری لخت جگر۔ جب تک
اہل صفہ کی ضروریات پوری نہ ہو جائیں۔ میں تمہیں لونڈی کیسے دے سکتا ہوں۔ البتہ تمہیں لونڈی
سے بہتر ایک تحفہ پیش کرتا ہوں۔ جب سونے لگو۔ تو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ۔ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ۔

۳۴ مرتبہ اللہ اکبر۔ کا ورد کر لیا کرو۔

اس کے علاوہ کئی بار ایسے مواقع آئے۔ کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو خدمت دین کے لئے مال پیش کرنے کی دعوت دی اور ہر صحابی نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر بطیب خاطر مال قربانی پیش کی لیکن کسی روایت میں یہ موجود نہیں۔ کہ حضرت سیدہ نے (ان کے قول کے مطابق) جس کی سالانہ آمدنی اڑھائی لاکھ روپیہ تھی۔ انہوں نے کبھی کہیں اس میں حصہ لیا۔ غزوہ تبوک کا واقعہ تو بالاتفاق خیبر و فدک کی فتح کے بعد کا ہے۔ اس وقت تو یقیناً آپ اتنی بڑی جاگیر کی مالک تھیں۔ مسلمانوں کی مالی حالت بڑی مخدوش تھی۔ تبوک کی مہم اخراجات کا تقاضا کر رہی تھی۔ سید عالم ؐ نے جہاد کی تیاری کیلئے مالی قربانی پیش کرنے کا جب اعلان کیا۔ تو حضرت عثمان ہزاروں دینار لے کر آ گئے۔ اور حضور کے قدموں میں آ کر ڈھیر کر دیئے۔ حضور انہیں اپنی جھولی میں ڈال کر مسجد کے صحن میں بکھیرتے تھے۔ اور حضرت عثمان کو دعاؤں سے نوازتے تھے۔ حضرت عمر اپنا نصف مال لے کر حاضر ہو گئے۔ اور حضرت صدیق کی تو شان ہی نرالی تھی۔ اپنا سارا اثاثہ اٹھایا۔ اور اپنے آقا کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حتیٰ کہ اپنا لباس بھی اتارا۔ اور بوریا کا لباس پہنا۔ ان حضرات کے علاوہ دیگر صحابہ نے بھی ایثار و خلوص کے خوب مظاہرے کئے۔ لیکن کیا کوئی ایسی روایت آپ ہمیں دکھا سکتے ہیں۔ جس میں درج ہو۔ کہ حضرت خاتون جنت نے بھی اس میں کوئی حصہ ڈالا ہو۔ ایسا بھی نہیں۔ کہ صحابہ کرام کے چندوں کے بعد ضرورت نہ رہی ہو۔ بلکہ قرآن تو صاف بتاتا ہے۔ کہ بعض مجاہد میدان جنگ میں شرکت کے لئے حاضر ہوئے لیکن سواری کا انتظام نہ ہو سکا۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ لا اجد ما احملکم علیہ۔ میرے پاس تمہارے لئے سواری کا جانور نہیں ہے۔ ناچار انہیں واپس ہونا پڑا۔ اس وقت ان کے رنج و الم کی یہ حالت تھی۔ کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ تولوا واعینھم تفیض من الدمع حزنا کہ وہ لوٹے اس حالت میں۔ کہ ان کی آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا۔ اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو حضرت سیدہ اتنی جاگیر کی مالک ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک پیسہ خرچ کرنے کی روادار نہ تھیں۔ اس بات کو کوئی ایمان دار تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جس گھرانے سے دنیا نے جود و کرم اور بخشش و عطا کا سبق سیکھا ہو۔ وہاں بخل اور کنجوسی کا گزر کہاں۔ ۲ دوسری صورت یہ ہے کہ

کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب اُس کے اہل بیت اور اولاد کو دنیا کی لذتوں سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ وہاں
تو آخر دم تک کئی کئی دن فاقہ سے گزرتے تھے۔ کئی کئی ماہ چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ ان روشن حقائق
کے سامنے کیا اس کذب و افتراء کا پردہ چاک نہیں ہو جاتا۔ کہ حضور نے اپنی صاحبزادی کو تمام دوسرے
حق داروں کو محروم کرتے ہوئے اتنی بڑی جاگیر ہبہ کر کے مالک بنا دیا۔ محبت کے بلند بانگ دعاوی کے شور
وغل میں ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور عظمت اہل بیت رضوان اللہ علیہم پر اس بے دردی اور بے باکی
سے شبخون مارا ہے ان مورخوں کو یہی زیب دیتا ہے۔

اب آئیے۔ ان روایات کی طرف جن کا سہارا لے کر گلشن اسلام کے ان سدا بہار اشجار ثمر بار
پر یورش کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت سیدہ صدیق اکبر
کے پاس گئیں۔ اور میراث کا مطالبہ کیا۔ اور یہاں تک کہا۔ یا ابن ابی قحافۃ اترثک اباک ولا ارث
ابی —— اے ابو قحافہ کے بیٹے آپ تو اپنے باپ کے وارث بنیں۔ اور میں اپنے باپ کے ورثہ سے محروم
رہوں۔ یہ بات قرین قیاس نہیں۔ کہ حضور کی جدائی کا زخم ابھی تازہ ہو۔ اور آپ نے حصول میراث
کیلئے تگ و دو شروع کر دی ہو۔ نیز آپ کی شان سے بعید ہے کہ آپ خود بنفس نفیس دولت کدہ
صدیقی میں تشریف لے گئی ہوں۔ اور دعویٰ دائر کیا ہو۔ جس طرح عام طور پر بعض کم علم خیال کرتے ہیں
حقیقت یہ ہے۔ کہ آپ نے کسی آدمی کے ذریعہ اپنے اس مطالبہ کو خلیفہ برحق کے گوش گزار کیا۔

(1) امام بخاری کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ یعنی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ
حضرت سیدہ فاطمہ نے حضرت ابوبکر کے پاس آدمی بھیجا اور حضور کی میراث کا مطالبہ کیا۔ اس تصریح کے بعد
دوسرے مقامات پر جہاں مطالبہ کرنے کی نسبت خود حضرت سیدہ کی طرف کی گئی ہے۔ وہ مجاز ہو گا۔
حضرت سیدہ کا پیغام حضرت صدیق اکبر کو پہنچا تو آپ نے جواب دیا۔ وہ بھی امام بخاری کے الفاظ میں
سن لیں ← حضرت سیدہ کے جواب میں حضرت ابوبکر نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ کے
رسول ؐ نے ارشاد فرمایا ہماری مالی وراثت نہیں ہوتی۔ جو مال ہم چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ صدقہ ہوتا
ہے۔ اور آل محمد ؐ اس مال سے کھا سکتی ہے۔ ابوبکر نے کہا۔ بخدا میں حضور کے صدقات میں کوئی
تبدیلی نہیں کروں گا۔ جس طرح وہ عہد نبوت میں تھے۔ بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۲۶

یہاں سے ص ۲۰۰ پر

ارجمند حضرت محمد بن حنفیہ کو ازراہ وصیت فرماتے ہیں = و تفقہ فی الدین فان الفقہاء
ورثۃ الانبیاء ان الانبیاء لعم یورثوا دیناراً ولا درھماً و لکنھم ورثوا العلم ومن
اخذ منہ اخذ بحظ وافر من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۲ ص ۳۴۶

اے میرے فرزند دین میں فہم حاصل کرو۔ کیونکہ فقہا ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ بے شک انبیاء
دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے۔ بلکہ وہ علم ورثہ میں دیتے ہیں۔ اور جس نے علم نبوت سے کچھ حاصل
کیا اس کو حظ وافر نصیب ہوا (تیسری روایت ملاحظہ ہو)

یہ حضرت امام جعفر صادق کا اپنا ارشاد ہے۔ اس سے حدیث بخاری کی تصدیق اور وصیت کی تقویت
کی تصویب ہوتی ہے۔ حضرت امام نے فرمایا۔
ان العلماء ورثۃ الانبیاء و ذلک ان الانبیاء لم یورثوا درھماً ولا دیناراً و لکنھم اورثوا
احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشیئ منھا فقد اخذ حظاً وافراً اصول کافی ص ۱۷

بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ کیونکہ انبیاء درہم و دینار ورثہ میں نہیں چھوڑتے وہ احادیث
(احکام شریعت) اور اسرار کتاب ہی اپنی وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں۔ پس جس شخص نے اس کے علم
سے کچھ حاصل کیا۔ اس کو حظ وافر نصیب ہوا = اہلسنت کی کتب میں یہ ارشاد نبوی کثیر الشہداء صحابہ سے
مروی ہے۔ بعض کے اسمائے گرامی ذہن نشین کر لیجئے۔ ۱۔ حضرت حذیفہ بن یمان ۲۔ زبیر بن عوام
عباس۔ علی۔ عمر۔ عثمان۔ عبدالرحمن بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص۔ ابو دردا او ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم
جب یہ بات نہیں بنتی تو کہتے ہیں۔ کہ یہ حدیث آیات قرآن کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن میں یوصیکم اللہ
فی اولادکم = تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں وصیت فرماتا ہے۔ اور تم میں نبی اور امتی دونوں داخل
ہیں۔ اور حدیث صرف وہ معتبر ہوتی ہے۔ جو قرآن کے مطابق ہو (یہ فرمایا آپ نے) مخالف قرآن
حدیث معتبر نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول قرآن کی تصدیق کیلئے تشریف لاتا ہے۔ اس کی تردید اور
تکذیب کے لئے نہیں۔ اس لئے جو حدیث قرآن کی کسی آیت کے معارض ہوگی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی
کا ارشاد نہیں ہو سکتی۔ ——— لیکن میرے محترم! کبھی آپ نے قرآن کی تفسیر اور
اور قرآن کی تردید میں جو فرق ہے۔ اس پر بھی غور کیا۔ اگر بیٹا باپ کو قتل کردے۔ تو اگرچہ وہ اس کا بیٹا ہے

جہاں سے

لیکن کہا۔ اس آیت کی رو سے آپ اس کو وارث بنائیں گے۔ اسی طرح خدانخواستہ اگر کسی مسلمان کا بیٹا [illegible]۔ تو یہاں سے صفحہ ۲۰۱ پر دیکھیں۔

یہاں سے صفحہ ۱۹۸ والی عبارت شروع ہوتی ہے =

(2)

= ویسے ہی رہیں گے۔ اور میں ان میں ایسا ہی کروں گا۔ جس طرح ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان اسباب کی تصدیق کی۔ اور فرمایا۔ اے ابوبکر ہم آپ کی فضیلت و بزرگی کو جانتے ہیں۔ پھر آپ نے اس رشتہ داری کا ذکر کیا۔ جو انہیں حضور کے ساتھ تھی۔ اور ان کے حق کا ذکر کیا۔ حضرت صدیق اکبر نے یہ سن کر فرمایا۔ کہ اس ذاتِ پاک کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے۔ کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔ کہ میں اللہ تعالیٰ کے رسول ؐ کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کروں۔ آپ خود سوچئے۔ کہ اس جواب میں کوئی قابل اعتراض بات ہے۔ یا بے ادبی کا ادنیٰ سا کنایہ بھی اس میں پایا جاتا ہے۔ کیا اس سے اہلبیت کی حق تلفی کی نیت کا گمان ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ نے حضرت بتول بنت رسول ؐ کی خدمت میں یہ عرض کی۔ کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول آپ کے ابا جان اور میرے آقا و مولا کا ارشادِ گرامی یہ ہے۔ اور مجھ میں یہ تاب نہیں۔ کہ میں ارشاداتِ نبوی سے سرمو انحراف کر سکوں۔ آپ خود ہی انصاف فرمائیے۔ کہ اس جواب میں کون سا جملہ یا لفظ قابل اعتراض ہے۔ بعض لوگ فرطِ جوش اور شدتِ تعصب میں۔ یہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ حدیث حضرت صدیق اکبر کی خود ساختہ ہے۔ انہوں نے فقط حضرت سیدہ کا حق غصب کرنے کے لئے۔ یہ حدیث گھڑی ہے۔ حیرت ہے کہ ایسے بے سروپا کلمات زبان سے نکالتے ہوئے۔ انہیں غضب خدا کا خوف یا عاقبت اندیشی کی فکر نہیں ہوتی۔ یہ حدیث صرف حضرت صدیق ؓ سے ہی مروی نہیں۔ صرف کتب اہلسنت میں ہی مذکور نہیں۔ بلکہ صحابہ کی کثیر تعداد سے مروی ہے۔ اور معترضین حضرات کی معتبر کتب حدیث میں بھی ائمہ اہلبیت سے مرقوم ہے۔ ملاحظہ کریں۔ اصول کافی صفحہ ۱۸ اس پر حضرت امام جعفر صادق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی روایت کرتے ہیں۔ قال رسول اللہ ؐ ان العلماء ورثة

الانبیاء ان الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درہماً ولکن اورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر۔

(اصول کافی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں

بے شک انبیاء دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے۔ بلکہ وہ علم ورثہ میں دیتے ہیں۔ جس نے ان کے علم سے

حصہ لیا۔ اسے بڑا وافر حصہ ملا۔ دوسری روایت ملاحظہ فرمائیے۔ = حضرت سیدنا علی المرتضیٰ

شیر خدا اپنے فرزند = یہاں سے دیکھیے ص ۱۹۹

③ سابقہ = — ═

مرتد ہو جائے۔ تو اس کا بیٹا ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ لیکن کیا وہ مرتد بیٹا اپنے مسلمان باپ

کا وارث ہوگا۔ ہرگز نہیں۔ = کیا وہ احادیث جن میں قاتل اور مرتد کے وارث نہ ہونے کا حکم مذکور

ہے۔ کیا آپ اس لیے۔ انہیں مسترد کر دیں گے۔ کہ وہ قرآن کی اس آیت کے منافی ہیں۔ ہرگز نہیں۔

بلکہ ان احادیث کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ ان احادیث نے اس بات کی تفسیر کر دی۔ کہ کون سا بیٹا اپنے

باپ کا وارث ہو سکتا ہے۔ اور کون سا نہیں۔ یہ احادیث آیت قرآنی کے مفسر ہیں۔ مغیر یا ناسخ

نہیں۔ اسی طرح ایک اور آیت میں غور کریں۔ ارشاد الہی ہے۔ احل اللہ البیع وحرم الربوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے

بیع خرید و فروخت کو حلال کر دیا۔ لیکن سود کو حرام۔ اگر اس آیت کو سند بناتے ہوئے۔ کوئی شخص شراب کو

اور مردار کی خرید و فروخت اور کاروبار شروع کر دیتا ہے۔ کیا آپ اس کے استدلال کو صحیح مانیں گے۔ اور وہ

احادیث جن میں ان حرام چیزوں کے کاروبار سے روکا گیا ہے۔ انہیں قرآن کا ناسخ اور مخالف گردان کو مسترد

کر دیں گے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ یہ فرمائیں گے۔ کہ بیع حلال ہے۔ لیکن ان احادیث نے تفسیر کر دی کہ کن اشیاء

کی بیع حلال ہے۔ اور کن کی حرام ہے۔ اسی طرح ان احادیث میں جو معترضین حضرات کی کتب میں بھی

بروایت آئمہ معصومین منقول ہیں۔ اس آیت کی مفسر ہیں نہ ناسخ۔ = نیز جہاں خطاب ہوتا

ہر جگہ حضور اور امت دونوں مراد نہیں ہوا کرتے۔ بلکہ بعض مقامات پر صرف امت کو خطاب ہوتا ہے۔ مثلاً اسی

آیت سے چند سطر پہلے ارشاد ہے۔ وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامٰی فانکحوا ما طاب لکم

من النساء مثنٰی وثلث ورباع۔ = اس آیت میں مخاطبین کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن

میں حضور داخل نہیں۔ کیونکہ حضور کو نو تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔ یہاں معترضین حضرات فرماتے ہیں کہ انبیاء کے اموال میں اگر احکام وراثت جاری نہیں ہوتے۔ تو پھر وارث سلیمان داؤد کا کیا مطلب ہوگا۔ کہ سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث بنے؟ نیز حضرت زکریا علیہ السلام کیوں یہ دعائیں مانگتے رہے۔ فهب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب۔ الٰہی مجھے ایک فرزند عطا فرما۔ جو میرا بھی وارث ہو۔ اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو۔ اس کے متعلق گزارش ہے۔ کہ پہلی آیت میں جس وراثت کا ذکر ہے۔ وہ داؤد علیہ السلام کے اموال کی وراثت نہیں۔ بلکہ کتاب و شریعت کی وراثت ہے۔ کیونکہ اگر مال کی وراثت کا ذکر ہوتا۔ تو آپ کے دوسرے اٹھارہ بھائی بھی آپ کے ساتھ برابر کے حصہ دار ہوتے۔ صرف ایک بیٹے کو اپنی جائیداد کا دے دینا۔ اور باقی بھائیوں کو سرے سے محروم کر دینا شانِ نبوت کے سراسر خلاف ہے۔ اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام ایسے بیٹے کیلئے دامن پھیلا کر دعا مانگا کرتے تھے۔ جو ان کی نبوت کی ذمہ داریوں اور علوم و حکمت کا وارث ہو۔ ورنہ ان کے پاس ایسے خزانے کہاں تھے۔ جن کے لئے وہ اتنے بے چین رہتے ہوں۔ اور یعقوب علیہ السلام کو گزرے تو صدیاں بیت چکی تھیں۔ اور ان کے بارہ فرزند تھے۔ ہر ایک فرزند کی کثیر اولاد تھی۔ اور ان صدیوں میں ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہوگی۔ اگر کوئی بہت بڑا خزانہ حضرت یعقوب نے چھوڑا ہوگا۔ تو وہ تقسیم در تقسیم سے ناپید ہو چکا ہوگا۔ تو آل یعقوب کی وراثت جس کے لئے آپ التجا کر رہے ہیں۔ وہی نبوت کے فرائض ہیں۔ اور علوم و حکمت کے جواہر آبدار ہیں۔ جن کے ضائع ہونے کا آپ کو اندیشہ رہا کرتا تھا۔ اور جو ان کے نزدیک دنیا کے تمام خزانوں سے زیادہ بیش بہا تھے۔

آخر میں یہ فقیر بخاری شریف کی ایک حدیث کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ ایسے بکثرت اچھالا جاتا ہے۔ اور سادہ لوح لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرائی جاتی ہے۔ کہ حضرت سیدہ حضرت صدیق اکبر سے ناراض ہو گئی اور عمر بھر کیلئے۔ ان سے قطع تعلق کر لیا ——— بخاری شریف میں پانچ مرتبہ فدک کا تذکرہ ہے بخاری شریف جلد اول ۵۲۶ کی حدیث کے الفاظ بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ ورق الٹ کر ایک بار پھر یاد تازہ کریں اس میں حضرت سیدہ کی ناراضگی کا کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ صدیق اکبر کے موقف کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور صدیق اکبر آخر یہ کہتے ہیں کہ مجھے اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ حضور کے رشتہ دار مجھے اپنے رشتہ داروں سے کہیں زیادہ پیارے ہیں۔ اسی طرح

صفحہ ۵۷۵ جلد ۲ پر حدیث مذکور ہے۔ جس میں صراحت سے ذکر ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان املاک کو حضرت علی رضہ اور حضرت عباس کے تصرف میں اس شرط پر دیا تھا۔ کہ وہ ان سے حاصل ہونے والی آمدنی اسی طرح خرچ کریں۔ جس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق خرچ کیا کرتے تھے۔ بعد میں یہ ساری املاک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قبضے میں آئیں۔ پھر آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن اور آپ کے بعد حضرت امام حسین کے قبضہ میں رہیں۔ اور یہ حضرات اپنے اپنے اوقات میں۔ اس آمدنی کو سنت نبوی کے مطابق صرف کرتے رہے۔ حضرت سیدنا امام حسین رضہ کی شہادت کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت علی بن زین العابدین اور حضرت امام حسن کے صاحبزادے حسن دونوں ان کا باری باری انتظام کرتے پھر زید بن حسن کو یہ خدمت تفویض کی گئی۔

اس حدیث میں بھی کہیں حضرت سیدہ کی ناراضگی کا ذکر نہیں۔ بلکہ یہاں سے تو پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت سیدنا عمر نے ان علاقوں کا انتظام حضرت علی المرتضیٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ اور یہ سلسلہ چلتا رہا۔ مذکورہ بالا حضرات اس کی آمدنی کو سنت نبوی کے مطابق صرف کرتے رہے۔ انہوں نے بھی۔ اس مرتبہ کی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اگر یہ ورثہ ہوتی۔ تو حضرت سیدہ کے سارے وارثوں میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم ہو جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ ان حضرات کے مسلسل عمل نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم کے اس فیصلہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اور دل میں اگر خوف خدا موجود ہے۔ تو نہیں۔ قطعاً ان حضرات پر زبان طعن دراز کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ ←→ ایک لطیفہ سماعت فرمائیے خلیفہ عباسی سفاح جب پہلا خطبہ دینے کیلئے کھڑا ہوا۔ تو ایک آدمی جس نے اپنے گلے میں قرآن مجید حمائل کر رکھا تھا۔ اٹھا اور کہنے لگا۔ انا شدتک اللہ الا حکمت بینی وبین خصمی بہذا المصحف۔ اے خلیفہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر التجا کرتا ہوں۔ کہ میرے درمیان اور میرے دشمن کے درمیان اس قرآن کی رو سے فیصلہ کرو۔ خلیفہ نے پوچھا۔ تمہارا دشمن کون ہے۔ کہنے لگا (ابوبکر فی منعہ فدک) ابوبکر میرا دشمن ہے۔ جس نے فدک اہل بیت کو نہیں دیا۔ سفاح نے پوچھا۔ اظلمک کیا ابوبکر نے تجھ پر ظلم کیا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ اسی طرح پھر عثمان کے بارے میں۔ گفتگو ہوئی۔ اور اس نے کہا کہ عثمان نے بھی مجھ پر ظلم کیا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ کیا علی نے بھی تم پر ظلم کیا۔ اب اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اور اس سے کوئی جواب نہ بن آیا۔ عملی طور پر حضرت علی مرتضیٰ اور آئمہ اہل بیت نے بھی وہی کچھ کیا۔ جو حضرت صدیق

اور حضرت فاروق نے کیا تھا۔ نہ ہی زمین کی حیثیت میں تبدیلی کی۔ نہ اس زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی میں کسی قسم کا رد و بدل کیا۔ نہ کسی کے لیے از راہ وراثت مالکانہ حقوق تسلیم کیے۔ تو یہ بے انصافی کی حد ہے۔ کہ آپ ان حضرات کو تو کچھ نہ کہیں اور اپنا سارا غصہ حضور کے پیارے اور محبوب اور وفا شعار ساتھیوں پر نکالیں۔ جن کا جرم یہ ہے۔ کہ انہوں نے سنت نبوی سے انحراف نہ کیا۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ ان کا یہ جرم نہیں۔ ورنہ اس جرم میں تو کئی اور حضرات بھی شریک ہیں۔ اور ان سے یہ لوگ اپنی محبت و عقیدت کا دم بھرتے ہیں۔ ابوبکر اور عمر کا اصل قصور یہ ہے۔ جسے وہ کسی قیمت پر معاف نہیں کر سکتے۔ کہ انہوں نے مشرق و مغرب میں اسلام کا نام بلند کر دیا۔ آتشکدے سرد کر دیے۔ صلیبوں کو سرنگوں کر دیا۔ شام کے لالہ زاروں اور ایران کے مرغزاروں سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دلنواز صدائیں بلند ہونے لگیں۔

اسی طرح بخاری شریف کے دوسرے مقامات پر بھی جو احادیث ہیں۔ ان میں کہیں حضرت سیدہ کے غصے اور ناراضگی کا ذکر تک نہیں کیا۔ البتہ ایک حدیث جو ص۴۳۵ پر مذکور ہے۔ وہ غور طلب ہے۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے انہیں بتایا۔ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور کی وفات کے بعد ابوبکر صدیق سے میراث کا مطالبہ کیا۔ حضرت صدیق اکبر نے حضور علیہ السلام کی حدیث پیش کی۔ لا نورث ما ترکنا صدقۃ الخ۔ اور پھر معذرت خواہی کرتے ہوئے گزارش کی۔ لیکن میں کسی ایسی چیز کو ترک نہیں کر سکتا۔ جس پر حضور کا عمل تھا۔ مگر میں اس پر عمل کروں گا۔ کیونکہ مجھے یہ خوف ہے۔ کہ اگر میں نے حضور کے کسی حکم کو چھوڑا تو مجھ میں کجی پیدا ہو جائیگی۔ کتنی صاف بات ہے۔ اور کس حسین انداز سے اپنی معذوری کا اظہار کیا ہے۔ آپ کی ساری زندگی۔ اتباع سنت کا زندہ ثبوت ہے۔ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔ کہ حضرت سیدہ ابوبکر صدیق کی اس بات پر ناراض ہو گئیں۔ اور صدیق اکبر سے قطع تعلق کر لیا۔ ان الفاظ میں غور طلب چند امور ہیں۔ کیا یہ حضرت سیدہ کا قول ہے کہ میں ابوبکر پر ناراض ہوں۔ ہرگز نہیں۔ اور نہ ہی یہ حضرت عائشہ کا قول ہے۔ بلکہ ان کے بعد کے راویوں میں سے کسی راوی نے اپنے خیال کے مطابق یہ قیاس آرائی کی۔ لیکن یہ قیاس آرائی شان بتول کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ آپ کے سامنے رسول کریم کا قول پیش کیا جائے

اور آپ اسے بخوشی قبول کریں۔ بلکہ الٹا ناراضگی کا اظہار کریں۔ آپ ذرا قرآن کریم کی اس آیت
پر غور کریں۔ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے۔ "فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم" اے میرے
محبوب تیرے رب کی قسم وہ لوگ مسلمان ہو ہی نہیں سکتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے متنازعہ امور میں آپ
کو حکم تسلیم نہ کرلیں۔ اور جو آپ فیصلہ فرما دیں۔ اس کے بارے میں ان کے دل میں ناگواری کا کوئی
اثر نہ ہو۔ اور وہ آپ کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

جب ایک عام انسان پر لازم ہے کہ وہ حضور کے فیصلہ کے سامنے بلا چون و چرا انداز ہو جائے
اور اس کے بارے میں کسی قسم کا ملال دل میں نہ لائے۔ تو حضرت خاتون جنت کے متعلق یہ کہنا کہ آپ ارشاد
نبوی سن کر ایسی غضبناک ہو گئیں کہ قطع تعلق کر لیا۔ ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ راوی کا یہ بیان ہے
اور نیک سے نیک آدمی بھی غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور سے
واپس آئے۔ اور اپنی قوم کو بچھڑے کی پرستش کرتے ہوئے دیکھا۔ تو غصہ سے بے قابو ہو گئے۔ اور یہ
خیال کیا۔ کہ شاید اس میں حضرت ہارون علیہ السلام کی غفلت کا دخل ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں تھا۔
تو اس طرح کی غلط فہمیاں جب اکابر کو ہو جاتی ہیں۔ تو راوی حدیث باشک عادل اور ثقہ کیوں نہ ہو۔
اس قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو جائے۔ تو قطعاً بعید از فہم نہیں۔ لیکن اگر ان الفاظ کو حقیقت پر محمول کیا
جائے۔ تب بھی ایسی روایات بکثرت موجود ہیں۔ جن سے سیدہ کی خوشنودی کا ثبوت ملتا ہے۔ صرف ایک
حوالہ پر ہی۔ اکتفا کرتا ہوں۔ علامہ کمال الدین میثم البحرانی نہج البلاغہ
کی شرح جلد ۵ میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ حضرت سیدہ کی گفتگو سن کر صدیق اکبر
نے کہا۔ یا خیرۃ النساء وابنۃ خیر الآباء واللہ ما عدوت رای رسول اللہ ص ولا عملت الا بامرہ۔
اے خواتین عالم کی سردار اے تمام باپوں کے تاجدار کی لخت جگر۔ خدا کی قسم میں نے حضور نبی اکرم ص
کی رائے سے ذرا تجاوز نہیں کیا۔ میں نے وہی کچھ کیا۔ جس کا حضور نے حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے کہا
حضور علیہ السلام فدک سے آپ کی ضروریات زندگی (خوراک) لیا کرتے تھے۔ بعد باقی کو مستحقین
میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ اور مجاہدین کو سواریاں اس سے مہیا فرماتے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اس
بات کا وعدہ کرتا ہوں۔ کہ میں بھی وہی کچھ کروں گا۔ جس طرح حضور علیہ السلام کیا کرتے تھے۔ یہ سن کر آپ نے

راضی ہو گئیں۔ اور اس بات پر عمل پیرا رہنے کا پختہ وعدہ کر لیا۔ اس کے بعد علامہ کمال الدین لکھتے ہیں۔ جس سے امام بخاری کی روایت کی بھی تصدیق ہوتی ہے، وکان یاخذ غلتہا فیدفع الیہم منہا ما یکفیہم ثم فعلت الخلفاء بعدہ کذالک۔ حضرت ابوبکر صدیق کا یہ معمول تھا کہ فدک وغیرہ کا غلہ لیتے۔ اور اہل بیت کے افراد میں حسب ضرورت تقسیم کرتے۔ آپ کے بعد آنے والے خلفاء بھی اسی طرح کرتے رہے۔

شرح نہج البلاغۃ جلد ۵ ص ۱۰۷

جب ان حقائق کا آپ نے مطالعہ فرما لیا۔ تو حضرت صدیق اکبر پر لگائے جانے والے الزام کی مکمل طور پر بیخ کنی ہو گئی۔ اور اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات اقدس و اطہر پر جو بہتان تراشی کی جاتی ہے۔ اس کا بھی نام و نشان باقی نہ رہا ۔:۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ الطاہرین ازواجہ المطہرات واصحابہ المومنین وعلی سائر الصحابۃ والتابعین اجمعین ۔:۔

نور الجیب ص ۹ جمادی الثانی ۱۴۰۸ (الصدیق)

۲۳-۰۸-۲۰۰۶

Maulana Qari Muhammad Abbas Nizami
Distt. Teh Pakpattan

اللہ جل

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

معراج النبی

M abbas
۲۳-۰۸-۰۶

حضرت فقیہ اعظم بصیرپوری

۱۲-۹

عرشِ اعظم کا مہمان ﷺ

بہر محمد کرم حسن ۵

جہاں تک میں خداوندِ قدوس کے کلام مقدس قرآن مجید کا مطالعہ کیا ہے۔ تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جن آیاتِ طیبات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رفیع کا ذکر کیا ہے۔ خواہ وہ آیات قرآن کے ابتدائی حصے میں ہیں۔ درمیانی حصے میں ہیں۔ یا آخری حصے میں ان تمام آیات میں ایک چیز بطور قدر مشترک نظر آتی ہے۔ کہ جہاں رب ذوالجلال نے اپنے محبوب کی تعریف کی ہے۔ ہر جگہ پہلے اپنی ذاتِ والا صفات کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کے بعد اپنے محبوب کی شان کی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان پر احسانِ عظیم فرمایا کہ ایسی عظمتوں والا رسول ان کی رہنمائی کیلئے مبعوث فرمایا۔ تذکرہ ہے بعثتِ مصطفوی کا لیکن پہلے اپنا ذکر فرمایا۔

میری وہ ذات ہے جس نے درِیتیم کے سر پر ختم نبوت کا تاج سجا کر کائنات کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر ہے۔ آپ کے دین برحق کا ذکر ہے۔ اس دین متین کی کامیابیوں اور عظمتوں کا اعلان ہے۔ لیکن ان تمام باتوں سے پہلے خود اپنا ذکر کیا۔

سبحٰن الذی میری وہ ذات ہے جس کی یہ شان ہے۔

اے میرے محبوب ہم نے تمہیں رحمۃ العالمین کی خلعت فاخرہ سے نواز کر مبعوث فرمایا۔ اس مفہوم کو ادا کرنے سے پہلے کئی اور مختلف اسلوب اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ یہ کہا جا سکتا تھا۔ اَنْتَ رحمۃ اللعالمین۔ اے محبوب تو تمام جہانوں کیلئے سراپا رحمت ہے ہم بعثتُ رحمۃ العالمین۔ اے حبیب تو رحمت عالمیان بنا کر مبعوث کیا گیا۔ اور بھی کئی انداز ہو سکتے تھے۔ یہ بتلانے کیلئے کہ خدا کا محبوب رحمۃ العالمین ہے۔ لیکن نگاہ قدرت نے تمام اسالیب کو نظر انداز کر دیا۔ اور اپنے حبیب کی شان رحمت بیان کرنے کیلئے یہ انداز اختیار کیا۔ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین اے حبیب مکرم ہم نے تمہیں تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ —— اسی طرح سبحان الذی اسرٰی بعبدہٖ پاک ہے وہ ذات ہر عیب سے ہر نقص سے ہر کمزوری و خامی سے ہر بے بسی و لاچاری سے جس ذات اقدس واطہر نے اپنے مقبول بندے کو سیر کرائی۔ ذکر ہے معراج مصطفےٰ کا لیکن پہلے اپنی سبوحیت کا ڈنکا بجایا۔ ان تمام آیات میں یہ قدر مشترک ہمیں نظر آ رہی ہے۔ اس کی بے شمار حکمتیں اور

اور کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ صرف ایک حکمت عرض خدمت ہے۔ شہنشاہ عرب و عجم کی شان و شوکت
اور وصف و کمال کی رفعتوں کا یہ عالم ہے کہ ہر نگاہ اس کی تجلیات کے سامنے خیرہ ہو جاتی ہے۔ ہر
فکر اس کی عظمتوں کے سامنے سر بسجود ہونے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ ساری رفعتیں عقل
انسانی کی رسائی سے ماوراء تھیں۔ ان پر اعتراض کیا جا سکتا تھا۔ ان پر انگشت نمائی ہو سکتی تھی۔
ہر بد فہم حضور کی شان کو اپنی ناقص عقل کے معیار پر پرکھنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ لیکن مولا
کریم نے شان مصطفیٰ بیان کرنے سے پہلے اپنی ذات والا صفات کا ذکر کر کے یہ سارا راستے مسدود
کر دیئے۔ اور عقل کی بیساکھیوں کا سہارا لینے والے کوتاہ فہم دانشوروں کو بتا دیا کہ یہ عظمتیں دینے
والا میں ہوں۔ یہ رفعتیں عطا کرنے والا میں ہوں۔ میرے حبیب کی شان و شوکت اور عظمت و فضیلت کو
اپنی ناقص عقل کے معیار پر پرکھنے سے پہلے میری قوت و قدرت کی بیکرانیوں کو ایک نظر دیکھ لینا جو
تمہاری عقل کوتاہ بین کی رسائی سے ماوراء ہیں۔ صرف سفر اسریٰ ہی باعث تحیر نہیں۔ صرف واقعہ معراج
نے انسانی عقل کو ورطہ حیرت میں نہیں ڈالا۔ بلکہ میرے آقا کی ہر ادا اتنی بلند ہے کہ فکر انسانی وہاں پر
نہیں مار سکتی۔ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ۔ یہاں دو چیزوں
کا ذکر ہے۔ ایک ہے دعویٰ۔ اور دوسرا ہے اس کی دلیل۔ دعویٰ یہ ہے کہ میں ہر عیب سے پاک
ہوں۔ میرے دامن عظمت پر کسی عیب کی گرد و غبار کا نام و نشان نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ پیش کی
کہ میں وہ صاحب قوت و جبروت ہوں۔ میں وہ علی کل شیء قدیر ہوں۔ جس نے اپنے محبوب کو رات
کے تھوڑے سے حصے میں سیاحتِ لا مکان کرائی — اللہ تبارک و تعالیٰ کے دیدار کی تمنا رکھنے والے ایک
دو سو ہزار نہیں۔ لاکھوں شب فراق میں۔ اس کے جلوؤں کو دیکھنے کے لیے۔ ماہی بے آب کی طرح تڑپ
رہے ہیں۔ کروڑوں اس تمنا۔ اور آرزو میں پھڑک رہے ہیں۔ کہ وہ گھونگھٹ اٹھے۔ اور ہم بھی اس جمال
حقیقی کے جلوؤں سے اپنے دل اور آنکھوں کو منور اور روشن کر سکیں۔ تمام مشتاقانِ دیدار الٰہی
کے ترجمان اور تمام محبانِ بارگاہِ صمدیت کے امام حضرت موسیٰ علیہ السلام تاب نہ لا سکے۔ صبر کا دامن
چھوٹ گیا۔ شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر کوہ طور کی نورانی فضاؤں میں گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولما جاء
موسیٰ لمیقاتنا — جب موسیٰ شوق دیدار کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہماری ملاقات کیلئے خود چل کر آیا

تو طور کی رب ارنی۔ خالق کائنات میں تیرے کلام کی لذت سے آشنا ہو چکا ہوں۔ اپنے رخ زیبا سے نقاب بھی الٹ دے۔ تاکہ میں بے چین و بے قرار لگا ہوں۔ تیرے جلووں کو دیکھ کر قرار و سکون کی دولت سے مالا مال ہو سکوں۔ جواب ملا۔ لن ترانی۔ اے موسیٰ تم نہیں دیکھ سکو گے۔ تمہارے بس کا روگ نہیں۔ تمہاری آنکھوں میں وہ قوت اور صلاحیت نہیں کہ ان جلووں کو برداشت کر سکیں۔ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو۔ اگر تم تجلی صفاتی کو برداشت کر سکے۔ تو پھر تجلی ذاتی کے دیدار کا موقع آئے گا۔ پھر اس کے بعد جو ہوا آپ جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے موسیٰ علیہ السلام کے شوق دیدار کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ موسیٰ خود چل کر آیا۔ موسیٰ خود متمنی و طالب بن کر آیا۔ میرے دیدار کا سائل بن کر آیا۔ اور جب اپنے حبیب کے ذکر کی باری آئی۔ فرمایا۔ میں نے اپنے محبوب کو اپنا دیدار کرانے کیلئے خود اپنے پاس بلایا۔ فرمایا جاؤ۔ جبرئیل۔ آج سدرۃ کے مقام پر تمہارا ذوق کش رہنا ہمیں منظور نہیں۔ آج تسبیح و تحلیل کو چھوڑ دو۔ ذکر اذکار کو ترک کر دو۔ رکوع و سجود سے بے نیاز ہو جاؤ۔ آج ستر ہزار نورانی فرشتوں کی بارات لے کر میرے محبوب کی بارگاہِ ناز میں جاؤ۔ تو جبرئیل نورانی فرشتوں کے جھرمٹ میں حاضر خدمت ہوئے۔ حضور آرام فرما ہیں تمام ملائکہ کا سردار جرأت نہیں کرتا۔ کہ حضور کو کیسے جگاؤں۔ یا رسول اللہ خدائے پاک نے آپ کو بلا بھیجا ہے۔ ٹھٹھک ٹھٹھک کر کھڑے ہیں۔ کس کی مجال ہے۔ کہ جرأت کرے انہیں خواب ناز سے جگائے۔ اور بے ادبی کا ارتکاب کرے۔ آخر دل میں خیال آیا۔ کہ اپنے کافوری پر حضور کے قدموں کے ساتھ لگاؤں۔ ان کی ٹھنڈک محسوس ہو گی۔ تو حضور بیدار ہو جائیں گے۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا۔ کیا قامت الساعۃ اے جبرئیل۔ و اسرافیل اور یہ فرشتوں کا انبوہ کثیر۔ یہ سب اہتمام کیسا۔ کیا قیامت قائم ہو گئی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے دنیا کے خاتمے کا اعلان کر دیا ہے۔ عرض کی اے میرے آقا قیامت نہیں آئی۔ بلکہ اس قیامت کے مالک نے آپ کو اپنے حضور یاد فرمایا ہے۔ حضور روانہ ہوئے۔ جیسا کہ آپ علمائے کرام سے سنتے رہے ہیں۔ چھٹے آسمان پر شوق دیدار کا متوالا موسیٰ علیہ السلام کھڑا تھا۔ حضور گزرتے ہیں دیکھتے ہیں۔ کہ جس محبوب کو دیکھنے کی تمنا لے کر وادی طور میں گیا تھا۔ اور لن ترانی کا جواب سن کر ناکام واپس آیا تھا۔ وہ سعادت تو حاصل نہ ہوئی۔ یہاں کھڑا رہتا ہوں۔ یہاں انتظار کرتا ہوں۔ اللہ کا دیدار کر کے آئیں گے۔ تو ان کی

آنکھوں کو دیکھ لوں گا۔ جو یار کے جلوؤں سے شاد ہو کر واپس آئیں گی۔ عشق مجازی سے سرشار مجنوں نے کہا تھا۔

میں اپنی محبوبہ لیلیٰ کے چھوڑے ہوئے کھنڈرات کے پاس سے گزرتا ہوں۔ کبھی اس گری ہوئی بوسیدہ دیوار کو چومتا ہوں۔ کبھی اس گرے ہوئے دروازے کو چومتا ہوں۔ میں پاگل اور احمق نہیں ہوں۔ میں نادان نہیں ہوں۔ اور نہ ہی ان دیواروں میں کوئی حسن و خوبی ہے جن کی کشش مجھے چومنے پر مجبور کر رہی ہے۔ ان در و دیوار نے میرے دل پر قبضہ نہیں جما لیا میری محبوبہ نے یہاں چند دن گزارے تھے۔ اور ان دیواروں نے اس کے پیکر رعنا کی زیارت کی تھی۔ بس اس کی یادگاریں مجھے چومنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ اگر تمہیں بھی یہ سعادت نصیب ہوئی ہوتی۔ تو تم بھی کم از کم لیلیٰ کے در و دیوار کو چوم کر اپنے دل کی تسکین کا سامان مہیا کرتے۔

معلوم نہیں لوگوں کا دماغ چل گیا ہے۔ شراز دے کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اتنا دیا۔ اتنا نہیں دیا۔ یہاں تک گئے۔ وہاں تک نہیں گئے۔ اللہ کے بندو۔ تم کن الجھنوں میں پڑے ہوئے ہو۔ ایک بے چاری چیونٹی کی کیا مجال ہے۔ کہ شہباز کی پرواز کا اندازہ لگاتی پھرے۔ کہ وہ اتنا اڑ سکتا ہے اتنا نہیں اڑ سکتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ خفض عربی میں کہتے ہیں۔ اونچی چیز کو نیچا کرنا۔ جناح کہتے ہیں۔ ان پروں کو جن کو حرکت دینے سے کوئی پرندہ یا شہباز پرواز کرتا ہے۔ اور بلندیوں تک پہنچتا ہے۔ لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ ان مادی آلائشوں سے اپنے آپ کو پاک کرو۔ اور اوپر اڑو۔ یہ زنجیریں جو تمہیں جکڑ رہی ہیں۔ انہیں کاٹ ڈالو۔ اور اوپر اڑو۔ لوگوں کو تو یہ دعوت دی جا رہی ہے۔ کہ زمین کی پستیوں کی طرف مائل ہونے کی بجائے اور اوپر اڑو۔ اور یہاں حکم ہو رہا ہے وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ اے آسمان کی پہنائیوں اور عرش کی بلندیوں پر پرواز کرنے والو۔ اپنے ان شہپروں کو جن کی پرواز کے سامنے عرش کیا لامکان کی بلندیاں بھی کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ نیچے کرو کس لئے۔ جو تیرے دامن رحمت میں پناہ لینے والے۔ تیرے نقوش پا کو اپنا خضر راہ بنائے

والے۔ تیری ہر گفتار کو اپنی متاع حیات سمجھنے والے۔ تیری ہر ادا پر دل و جان قربان کرنے والے۔ اپنے ان غلاموں اور پروانوں کیلئے پیچھے الرد۔ اگر تم اپنی ہمت کے مطابق مصروف پرواز ہو گئے تو کیسے ابو بکر صدیق بنے گا۔ کیسے بلال کو مقام بندگی ملا ہوگا۔ کیسے ابو حنیفہ امام اعظم بنے گا۔ کیسے عبدالقادر غوث الوریٰ بنے گا۔ کیسے معین الدین شہنشاہ ہند بنے گا۔ کوئی وہاں پہنچے تو تم سے فیض حاصل کرے۔ کس کا مقابلہ ہمت وہاں پر ہاتھ مار سکتا۔ اگر تو اپنی شان کے مطابق مصروف پرواز رہا۔ تو اس فیضان کا سلسلہ منقطع ہو جائیگا۔ میں نے تو تمہیں رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ جاؤ وہاں بلال رہتا ہے۔ جاؤ وہاں جہاں صہیب رہتا ہے۔ جاؤ وہاں۔ جہاں سلمان رہتا ہے۔ جاؤ وہاں جہاں یاسر رہتا ہے۔ جاؤ وہاں جہاں ابن مکتوم رہتا ہے۔ وہاں جا کر آباد ہو جاؤ۔ تیرے نام پاک پر اپنی جان قربان کرنے والے رہتے ہیں۔ تاکہ وہ تیرا دامن رحمت پکڑ کے ساتھ وابستہ ہو کر میرے محبوب اور مقرب بن سکیں۔

اللہ کا محبوب جب واپس تشریف لاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سراپا انتظار و دید کھڑے ہیں۔ ذہن میں یہی خیال تھا کہ اس حسن حقیقی کو تو نہیں دیکھ سکے۔ لیکن اس کو دیکھنے والے کو دیکھنا بھی کوئی کم سعادت نہیں۔ اس چہرے کے انوار و تجلیات کو اپنے دل میں جذب کر رہے ہیں۔ جو حسن حقیقی کے حریم ناز سے ہو کر آ رہا ہے۔ ان چشمان ما زاغ کو دیکھ رہے ہیں۔ جو انوار الٰہی سے تابناک ہو کر واپس آ رہی ہیں۔ شوق کو تسکین پہنچانے کیلئے اور دل کی تشنگی کو بجھانے کی خاطر گفتگو کا سلسلہ شروع کیا۔ اے شب قرب جانے والے۔ تیری شب خرامی پر قربان۔ ایک کمتر غلام کے پاس بھی ٹھہریئے۔ ہمیں جی بھر کر دیدار کا لطف اٹھانے دیجئے یہ فرمائیے۔ آپ واپس جا رہے ہیں۔ کونسا حکم جلال الٰہی سے عطا ہوا۔؟

فرمایا خداوند قدوس نے پچاس نمازوں کا حکم دیا ہے۔ عرض کی یا رسول اللہ خالق کائنات کے حریم ناز کا دروازہ کھلا ہے۔ آپ کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں۔ واپس جائیے۔ اور اپنی امت کیلئے تخفیف کا سوال کیجئے۔ کیونکہ آپ کی امت پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی۔ یہ ساری گنہگار ٹھہرے گی۔ چنانچہ حضور واپس جاتے ہیں۔ حریم ناز میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں۔ یا رب العالمین میری

امتی مزید بے ہیں۔ کمزور ہیں۔ ضعیف ہیں۔ وہ اتنا بوجھ نہیں اٹھا سکیں گے۔ تو کریم نے کچھ تخفیف فرما دی۔ مولائے کریم نے پانچ نمازیں معاف فرمائیں۔ حضور واپس آئے پھر موسیٰ راستے میں کھڑے تھے۔ عرض کی کیا حکم ملا۔ فرمایا پانچ معاف ہو گئیں۔ پھر عرض کیا یا رسول اللہ پھر بھی کوئی نہیں پڑھے گا۔ آپ مہربانی فرما کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں اور تخفیف کی التجا کریں۔ آنے جانے کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ آخری مرتبہ خدائے رحمن و رحیم نے فرمایا۔ اے میرے محبوب میرے امتی پانچ نمازیں پڑھیں میں انہیں پچاس نمازوں کا ثواب دوں گا۔ ایک نماز کے بدلے دس نمازوں کا ثواب دوں گا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے وہ سوال و جواب شروع ہوا۔ موسیٰ نے عرض کی۔ ایک مرتبہ پھر دو قدم پیچھے جائیے۔ اور معافی کی التجا کیجیے آپ کے غلام نہیں پڑھیں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے۔ کہ میری امت میرا نام بھی لے گی۔ میری غلامی کا طوق بھی اپنے گلے کی زینت بنائے گی۔ خدا کی زمین پر چلے گی۔ اس کے دسترخوان نعمت پر رزق بھی کھائے گی۔ اور چوبیس گھنٹوں میں پانچ مرتبہ بھی اس کے حضور سجدہ نہیں کرے گی۔ مجھے حیا آتی ہے۔ کہ اپنے رب کے سامنے مزید تخفیف کی درخواست کروں۔ چنانچہ اس طرح اللہ کا محبوب پانچ نمازوں کا تحفہ لے کر واپس آیا۔

علمائے کرام اس کی توجیہ بتاتے ہیں۔ کہ مولائے کریم جانتا تھا۔ کہ آخر میں پانچ ہوں گی۔ پہلے ہی پانچ کا حکم کیوں نہیں دیا گیا۔ میں تو صرف اتنا عرض کروں گا۔ کہ محبوب یہ ہو سوال کرنے والا۔ اور مولائے کریم ہو عطا کرنے والا۔ بار بار سوال کرنے اور بار بار عنایت کرنے میں جو لطف ہے یکلخت بار عنایت کر کے رخصت کرنے میں وہ لطف نہیں۔ تم آتے رہو میں دیتا رہوں۔ تم سوال کرتے رہو میں تمہارا سوال کو منظور کرتا رہوں۔ اور دنیا کو معلوم ہو جائے کہ شان محبوبیت کا مقام کیا ہے۔ لوگ خواہ مخواہ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ اب تو وہ مرحلہ ہی گزر گیا۔ جب عقل نا تواں ان باتوں پر اعتراض کرتی ہے۔ سائنسی ایجادات کی بدولت جو باتیں آج ہو رہی ہیں۔ اگر یہی پچاس سال پہلے کی جاتیں۔ کوئی انسانی عقل ماننے کیلئے تیار نہ ہوتی۔ ایک ٹیلی ویژن کی مثال لے لیں اگر پچاس سال پہلے کسی کے سامنے اس کا تصور پیش کیا جاتا۔ کہ تم اپنے گھر کے بند کمرے میں ایک ڈبہ سا

رکھو گے۔ اس کے اوپر ایک شیشہ لگا ہوگا۔ اور تم جب بٹن دباؤ گے۔ جس اسٹیشن کی چاہو گے۔ تمام تصویریں منعکس ہو کر تمہارے سامنے آ جائیں گی۔ ان کی آوازیں بھی تم سن سکو گے۔ راستے میں فلک بوس پہاڑ ہو گئے۔ وسیع عریض وادیاں ہوں گی۔ تناور درخت ہوں گے۔ گھنی جھاڑیاں ہوں گی۔ بڑے بڑے مکانات ہوں گے۔ ان مکانات کی دیواروں پر پردے لٹکے رہے ہوں گے۔ لیکن کوئی چیز حجاب نہیں بنے گی۔ ٹی وی اسٹیشن پر جو کچھ ہو رہا ہوگا۔ بند کمرے میں اس آئینے پر منعکس ہوتا رہے گا۔ تو کیا کوئی شخص اس تصور کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہوتا۔

عقل انسانی آج اتنا آگے جا چکی ہے۔ جہاں مصطفیٰ کے نقوش پا ہیں ان کو مشعل راہ بنا کر عقل آگے بڑھتی جا رہی ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے۔ کہ جن کے آقا کے نقوش پا دنیا کی رہبری کا باعث ہیں۔ آج اس قوم کو پتنگ اڑانے سے فرصت نہیں۔ ان کا کام کیا ہے بسنت آ گئی ہے۔ جی ڈور بناؤ جی۔ پتنگ لوٹو جی۔ کسی کا بازو ٹوٹ رہا ہے۔ کوئی نیچے گر رہا ہے۔ کسی کی ٹانگ ٹوٹ رہی ہے۔ کوئی بجلی کی تاروں سے الجھ رہا ہے کوئی ویسے مر رہا ہے۔ کوئی پٹاخے چھوڑ رہا ہے۔ کوئی بڑے کیسٹ لگا رہا ہے۔ کوئی بھنگڑا ڈال رہا ہے۔ جس قوم کو مولا کریم نے اپنے محبوب کے ذریعے تسخیر عالم کا درس دیا تھا۔ وہ قوم پتنگ بازی میں مصروف ہے۔ دیگر خرافات میں مشغول ہے۔ اور جس قوم کو اس کا تصور تک نہیں دیا تھا۔ وہ آپ کے آقا کے نقوش پا کو دیکھ کر آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

آج آپ گندم کاشت کریں۔ دوسرے دن تو فصل نہیں پکا جاتی۔ دوسرے دن وہ فصل کاٹنے کیلئے تو آپ نہیں چلے جاتے۔ اگر گندم کے بیج کو اپنے منتہا کے کمال تک پہنچنے کیلئے چھ مہینے کا عرصہ درکار رہتا ہے۔ اس کے لئے۔ مختلف لوازمات پورے کرنے پڑتے ہیں۔ وقت بوقت اس کی آبیاری کرنی پڑتی ہے۔ تب جا کر اس کے سروں پر خوشہ لگتا ہے۔ پھر اس خوشے کی جیبوں کو دانوں سے بھرا جاتا ہے۔ تب وہ ستھری خوراک بننے کے قابل ہوتا ہے۔ تو جو آدمی بیج ڈال کر لمبی تان کر سو جائے۔ اور اس کی بوئی ہوئی فصل کاٹ کر لوگ اپنے ذخیرے بھر لیں۔ تو اس سے بڑھ کر بھی کوئی اور بدنصیب ہو سکتا ہے۔

نورالحبیب صفحہ ۲۹ جنوری ۱۹۹۰ جلد نمبر ۱ شمارہ ۱۱-۱۲

۲۴-۸-۲۰۰۶

فرمایا میں نے دیکھا ۔ سدرۃ کی شاخوں میں ایک شاخ سبز مروارید کی بنی ہوئی ہے جس کی بلندی ایک لاکھ سال راستہ ہے ۔ ایک شاخ کے اوپر ایک پتہ ہے جس کا پھیلاؤ سات زمینوں اور سات آسمانوں کو ڈھانپ لیتا ہے ۔ اس پتے پر نورانی بستر بچھایا گیا ہے ۔ بستر پر سرخ یاقوت کا منبر کھڑا کیا گیا ہے جس کی اونچائی ۸۰ ہزار سال راہ ہے ۔ یہ جبرئیل کا جائے مقام ہے ۔

نور الحبیب صفحہ ۲۶ رجب ۱۳۹۹ جون 1979

(۲) حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میں نے حضور سے پوچھا ۔ اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات آپ سے کیا کہا ۔ آپ نے فرمایا ۔ قال انی رب العزۃ جل جلالہ نظرت فی ذنوب امتک فلم اری الوجہ الا العفوا = میں نے آپ کی امت کے گناہوں پر نظر کی میں نے نہیں دیکھا مگر معافی کی نظر سے ۔

(۳) ابن عباس رضہ نے فرمایا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا محبوب مانگیے ۔ تاکہ میں عطا کروں ۔ عرض کی تو میری مراد اور مقصود کو اچھی طرح جانتا ہے ۔ ارشاد ہوا انت شفیعھم فیما یقصرون فی فرائضی انا اکون شفیقا لھم فیما یقصرون سنتک = اے محبوب ؐ آپ ان کے فرائض میں تقصیرات کا شفیع بن جایئے ۔ میں ان کی سنن میں تقصیرات پر شفیع ہوں ۔

(۴) حضرت ابوبکر صدیق نے حضور سے فاوحی الی عبدہ ما اوحی میں سے ایک کلمہ بتانے کی درخواست کی ۔ آنحضرت ؐ نے فرمایا ۔ اے ابوبکر خدا تعالیٰ نے مجھے فرمایا ۔ اگر میں نہ چاہتا اور مجھے یہ بات پسند نہ ہوتی کہ میں آپ کی امت سے بات کروں تو آپ کی امت کا کم یا زیادہ کچھ بھی حساب نہ لیتا ۔

(۵) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کلمات میں سے ایک کلمہ کی درخواست کی آپ نے فرمایا ۔ حق تعالیٰ نے میری امت کی شکایت کی کہ وہ خلوت میں گناہ کرتے ہیں ۔ اور جلوت میں اعمال الصالحات کرتے ہیں ۔ میری نظر ان کے باطن اور اسرار پر ہوتی ہے ۔ میں اپنی شان کرم سے انہیں بخشتا اور پردہ پوشی کرتا ہوں ۔

(۶) خدائے قدوس نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کب تک اپنی امت کا غم کھاتے رہیں گے۔ اور اپنے قلب اقدس کو اس غم سے اندوہناک رکھیں گے۔ ہم آپ کو آج کی رات ام ہانی کے گھر سے قاب قوسین کے مقام تک لائے ہیں۔ کل قیامت کے روز جس کی لمبائی پچاس ہزار سال راہ ہوگی۔ آپ کی امت کو بغیر کسی محنت کے و مشقت کے پل صراط سے جس کی لمبائی تیس ہزار سال راہ ہے۔ پلک جھپکنے میں گزار دیں گے۔

(۷) آنحضرت فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ الٰہی جبرئیل علیہ السلام کو ایک لاکھ پر دیئے۔ مجھے اس کے مقابل کیا دیا۔ ارشاد ہوا۔ آپ کے سر مبارک پر میں نے چھ لاکھ بال پیدا کئے ہیں۔ آپ کے سر کا ایک بال۔ جبرئیل علیہ السلام کے ایک لاکھ پروں سے مجھے عزیز تر ہے۔ آپ کے ہر بال کے بدلے۔ چھ لاکھ گنہگاروں کو قیامت کے روز آتش جہنم سے آزاد کروں گا۔ جبرئیل امین جب اپنے پروں کو کھولتے ہیں۔ تو تمام جہان کو گھیر لیتے ہیں۔ جب آپ اپنے گیسوئے شگفتہ کھولیں گے۔ اور ہاتھ پر رکھیں گے۔ قیامت کے روز آپ کی گنہگار امت تمام جہان کو گھیرے ہوگی۔ آپ کے ایک بال کے طفیل تمام کو بخش دوں گا۔

معارج النبوۃ۔ روح البیان نزہۃ المجالس بحوالہ۔

(تحریر محمد حبیب اللہ نعمانی) نور الحبیب ص۳۴ رجب ۱۳۹۹ھ جون ۱۹۷۹ء

(۸) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ شب معراج ایک فرشتہ دیکھا۔ جس کے سات لاکھ سر اور ہر سر پر ستر ہزار چہرے۔ اور ہر چہرے پر ستر ہزار منہ۔ اور ہر منہ میں ستر ہزار زبان۔ اور ہر زبان میں ستر ہزار بولیاں۔ گفتگو کرتا تھا۔ ایک بولی دوسری سے نہ ملتی تھی اس کے سات لاکھ پر تھے۔ روزانہ جنت کے دریائے نور میں سات سو مرتبہ غوطہ لگاتا تھا۔ باہر نکل کر اپنے پروں کو جھاڑتا ہر قطرہ سے قادر مطلق ایک فرشتہ پیدا فرماتا۔ جو قیامت تک تسبیح پڑھتا۔

نور الحبیب ص۲۶ رجب ۱۳۹۹ جون ۱۹۷۹

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو فرمایا۔ کہ جنت سے ایک براق لے کر تم

کی خدمت میں حاضر ہو۔ جبرئیل علیہ السلام جنت میں گئے۔ دیکھا کہ چالیس ہزار براق ریاض جنت سے کھا رہے ہیں۔ ان کی پیشانیوں پر لکھا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ان میں سے ایک براق ایسا بھی ہے۔ جو سر جھکا کر رو رہا ہے۔ اور اس کی آنکھوں سے بکثرت آنسو بہہ رہے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دریافت فرمایا تو اس نے جواب دیا۔

اے جبریل چالیس ہزار برس ہو گئے ہیں۔ میں نے اسم محمد کو سنا تھا۔ بس اس نام پاک کا سننا تھا۔ کہ اس صاحب نام کے عشق و محبت نے میرے دل کو وارفتہ کر دیا کھانا پینا سب بھول گیا۔ اب تو عشق یار کی آگ میں جل چکا ہوں۔ حضرت جبریل نے فرمایا میں تجھے شرف اس محبوب کی طرف پہنچاتا ہوں۔ اس براق کو سجا کر جبریل امین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں پیش ہوا

نزہتہ از نسقی و درہ

نور الحبیب صفحہ ۱۵ رجب المرجب ۱۳۹۸ھ جون ۱۹۷۸

(تحریر محمد رمضان محقق النوری)

دطاب

۲۵-۸-۰۶

اسلامی ماہ و سال

۱۵ رجب المرجب میں

سیدی فقیہ اعظم کا خطاب

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ سورۃ التوبہ ۳۶

میرے عزیزو! - قرآن کریم کی ایک آیۂ مقدسہ تلاوت کی ہے۔ اللہ رب العلمین جل جلالہ نے ارشاد فرمایا - بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ ظاہراً تو تمام مہینے ہی یکساں برابر اور ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ——— سورج طلوع ہوتا ہے۔ پھر غروب ہونے کے بعد دوبارہ نکلتا ہے۔ سے ایک دن اور رات مکمل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہ ایام ولیالی یکے بعد دیگرے مسلسل گردش میں رہتے ہیں۔ تو جب ان شب و روز کی تعداد ۲۹ یا ۳۰ ہو جائے تو ایک مہینہ مکمل ہو جاتا ہے۔

اسلامی اور دیگر سالوں کے مابین فرق

یوں تو دنیا میں کئی تاریخیں اور کئی اقسام کے سال ہیں۔ مگر دیگر اقوامِ عالم کے تاریخی سالوں کو دیکھا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح اور عیاں ہو جاتی ہے۔ کہ وہ تمام تاریخیں اور سال انسانی ساخت یا انسانی تجویز کے ماتحت ہیں۔ جن کے لئے کوئی عقلی شہادت پیش نہیں کی جا سکتی۔ کہ یہ مہینہ اتنے ایام کا کیوں ہے۔ اور وہ مہینہ اتنے ایام کا کیوں نہیں؟ - ویسے اسلامی سال کی طرح دوسرے سال بھی بارہ مہینوں کے ہی ہوتے ہیں۔ انگریزی سال کو دیکھ لیں وہ بھی بارہ مہینوں پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔ اور دیسی سال کے مہینے بھی بارہ ہی ہوتے ہیں۔ تیرہ ماہ کا ایک سال اکبر بادشاہ نے نکالا تھا۔ لیکن وہ رواج نہ پا سکا۔ تو بہر حال مہینے تمام سالوں کے گو بارہ ہی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر آپ انگریزی سال تو دیکھیں تو اس کا کوئی مہینہ ۲۸ یا ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔ جیسے فروری جبکہ کوئی مہینہ ۳۰ دن کا ہوتا ہوتا ہے۔ اور کوئی ۳۱ دن کا۔ اب اگر ان سے پوچھا جائے کہ ۲۸ کا مہینہ ۲۸ کا کیوں ہوتا ہے۔ ۲۹ کا ۲۹ کا کیوں؟ - ۳۰ کا ۳۰ اور ۳۱ دن کا مہینہ ۳۱

دن کا کیوں ہے ۔ تو اس کا اُن کے پاس کوئی جواب اور دلیل نہیں ۔ ماسوا اس کے کہ
انہوں نے اپنے خود ساختہ قواعد بنا رکھے ہیں ۔

اسی طرح بکری سال کے دیسی مہینوں کے ایام ان کے پنڈت اور برہمن خود ساختہ ہیں ۔ کسی مہینہ کے بارے میں کہہ دیتے ہیں ۔ کہ یہ بتیس ۳۲ دن کا ہو گیا ہے ۔ انگریزی سال کے مہینے تو زیادہ سے زیادہ ۳۱ دن تک جاتے ہیں ۔ جبکہ یہ دیسی سال کے مہینے ان سے بھی ایک قدم آگے ۳۲ تک جا پہنچتے ہیں ۔ مگر اللہ تعالیٰ جل وعلا نے اسلامی سال کے مہینوں کا اتنا خوبصورت اور پیارا نظام بنا رکھا ہے ۔ کہ انسان عالم ہو یا جاہل پڑھا ہو یا ان پڑھ ۔ حساب کی سوجھ بوجھ رکھنے والا ہو ۔ یا بے سمجھ غرضیکہ سب کے لئے قدرتی نظام مؤثر فرما دیا ہے ۔ اور ایک ایسی دائمی ڈائری اور ابدی جنتری عطا فرما دی ہے جس میں کسی بھی تجویز و ترمیم سے کمی بیشی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا ۔ فرمایا ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھراً یعنی رب العالمین کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے ۔ باقی رہا کہ بارہ ماہ کیسے ہیں ۔ تو پیارے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرما دی ہے ۔ بلکہ قرآن کریم میں بھی آیا ہے ۔ یسئلونک عن الاھلۃ ۔ فرمایا (یا رسول اللہ) لوگ آپ سے ہلالوں کے بارے میں پوچھتے ہیں ۔ ہلال پہلی یا دوسری تاریخ کے چاند کو کہا جاتا ہے ۔ یعنی یا رسول اللہ آپ کے صحابہ آپ سے ہلالوں کی بابت سوال کرتے ہیں ۔ کہ جب چاند پورا ہوتا ہے ۔ تو مکمل گول ہوتا ہے ۔ اور اس کی چمک دمک اور آب و تاب مکمل ہوتی ہے پھر رات کم ہوتا چلا جاتا ہے ۔ گھٹتے گھٹتے بالآخر نوبت یہاں تک جا پہنچتی ہے ۔ کہ وہ آہستہ آہستہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے ۔ پھر دوسرا یا تیسرا دن سورج غروب ہونے کے بعد مغرب کی طرف سے باریک سا تار کی مانند نمودار ہوتا ہے ۔ پھر دوسری رات کچھ بڑا ہو جاتا ہے تیسری رات قدرے اور بڑھ جاتا ہے ۔ اسی طرح ہر رات مزید بڑا ہوتا جاتا ہے ۔ حتیٰ کہ پھر پورا مکمل ہو جاتا ہے ۔ اور اس کے بعد پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے ۔ اب انہوں نے دریافت کیا کہ ایسے کیوں ہوتا ہے ۔ مگر اللہ رب العالمین نے حکیمانہ اسلوب اپناتے ہوئے با حکمت

جواب مرحمت فرمایا۔ کہ قل ھی مواقیت للناس والحج ۔ یعنی لوگ آپ سے ہلالوں کے بارے
میں سوال کرتے ہیں۔ کہ ان میں تغیر کیوں رونما ہوتا ہے۔ تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ
یہ لوگوں کے لئے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور قدرتی آلہ ہیں۔ اور پھر یہ آلہ بھی ایسا
ہے۔ جسے کوئی چھپا نہیں سکتا۔ جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ یہ محض قدرتی
نظام کے تحت چلتا ہے۔ اور یہ اسباب ہر ایک کو نظر آجاتا ہے۔ کوئی پڑھا ہوا ہو۔
یا ان پڑھ عالم ہو خواہ جاہل بلا امتیاز و بلا اختصاص سبھی اسے دیکھ لیتے ہیں۔

قمری مہینوں کے فوائد | ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قل ھی مواقیت للناس مواقیت
میقات کی جمع ہے۔ میقات اسم آلہ ہے۔ اور اس کا معنیٰ ہے۔ وقت جاننے کا آلہ یعنی
یا رسول اللہ فرما دو کہ یہ لوگوں کے لئے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے۔ للناس یعنی لوگوں کے
فائدے کیلئے ہے۔ کہ لوگ اس سے اپنی تاریخیں معلوم کر لیتے ہیں۔ اور اس سے تاریخوں کا ایسا
علم ہوتا ہے۔ کہ جس میں لڑائی جھگڑے کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ ان ہلالوں میں اور
ان سے تاریخیں معلوم کرنے میں دین و دنیا سے متعلق بہت سے فوائد ہوتے ہیں۔ کیونکہ
رمضان شریف کا علم بھی انہیں ہلالوں سے ہوتا ہے۔ عید الفطر، عید الاضحیٰ اور عید میلاد
النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بھی انہیں چاندوں کے ذریعے ہوگا۔ اسی طرح عورتوں کی عدت
کا مسئلہ ہے کہ اس کا علم بھی چاند کے ذریعے ہوتا ہے (ان صورتوں میں جہاں عدت
حیض سے نہیں بلکہ مہینوں سے ہوتی ہے) کسی صورت میں چار مہینے اور دس دن
عدت ہوتی ہے۔ اور کسی صورت میں تین ماہ۔ تو عدت کا معلوم ہونا بھی چاند سے متعلق
ہے۔ عورتوں کے حمل میں بھی چاند کے حساب سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اب نواں مہینہ ہے۔ تو
امید ہوتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اب بچہ عطا فرمائے گا۔ اسی طرح اس کے لاتعداد دیگر فوائد
بھی ہیں۔ آج لوگوں نے اس علم کو بھلا دیا ہے۔ اور انگریزی تاریخوں کے پیچھے پڑ گئے۔
اسی لئے تمام فوائد بھی بھلا بیٹھے ورنہ علم الفلاحت کھیتی باڑی اور زمینداری کا علم ہے اس
لحاظ سے بھی چاندوں کے بہت سے فوائد ہیں۔ کہ اس تاریخ تک بیج بولیں۔ تو پیداوار میں

اضافہ ہوگا ۔ اور اس کے بعد بوئیں تو پیداوار کم ہوگی ۔ کیونکہ چاند کی چاندنی میں اللہ پاک نے تاثیر رکھی ہے ۔ یہ پھلوں کے پکنے اور کھیتوں کی نشوونما میں ممد ثابت ہوتی ہے ۔

حج کا خصوصی ذکر | اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں لوگوں کے لئے بہت سے فائدے ہیں ۔ قل ھی مواقیت للناس یارسول اللہ فرما دو کہ یہ لوگوں کے لئے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے ۔ والحج اور بالخصوص حج کے لئے تو یہاں حج کا خصوصی طور پر الگ ذکر کیوں فرمایا گیا ۔ حالانکہ للناس میں ہی حج بھی آگیا ۔ کیونکہ لوگوں کے فوائد میں سے ایک بہت بڑی اور اہم فائدے کی چیز حج بھی ہے ۔ مگر اس کی تخصیص فرما دی گئی تاکہ حج ایک بڑی چیز ہے اس کا نام لے کر اسے بیان کیا جائے ۔ اس تخصیص بعد تعمیم میں ایک لطافت پائی جاتی ہے ۔ نیز اس سے حج کی خصوصیت اور فضیلت کا بھی علم ہوتا ہے ۔ حج کے لئے بھی قمری مہینوں کا اعتبار ہے ۔ اسلامی سال کے بارہویں اور آخری مہینے ذوالحجۃ المبارک میں حج ادا کیا جاتا ہے ۔

حج کے مہینے کون کون سے ہوتے ہیں | حج کے مہینے تین ہیں ۔ ۱۔ شوال المکرم ۲۔ ذوالقعدہ (۳) ذوالحجۃ المبارک پہلے دس دن شوال سے وقت حج شروع ہو جاتا ہے ۔ بایں معنیٰ کہ اس میں حج کا احرام باندھا جاسکتا ہے ۔ ان الشھر حج کا علم بھی ہلالوں سے ہی ہوتا ہے ۔ یہ قدرتی نظام ہے ۔ کہ چاند نظر آتا ہے ۔ پھر بڑھتے بڑھتے مکمل ہو جاتا ہے ۔ اور چار سو روشنی پھیلانے لگتا ہے ۔ پھر چھوٹا ہونا شروع ہو جاتا ہے ۔ حتیٰ کہ آہستہ آہستہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے ۔ پھر بعد ازیں مغرب کی طرف سے طلوع ہوتا ہے ۔ تو معلوم ہو جاتا ہے ۔ کہ ایک مہینہ مکمل اور دوسرا مہینہ شروع ہو چکا ہے ۔ علیٰ ھذا القیاس جب بارہ مہینے پورے ہو جائیں ۔ تو پتہ چل جاتا ہے کہ سال مکمل ہو گیا ۔ اور اسلامی سال کا یہ آخری بارہواں مہینہ ذوالحجۃ ہی حج کا خصوصی مہینہ ہے ۔ مہینے تو حج کے تین ہیں ۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ۔ لیکن حج کا وہ خاص مہینہ جس میں مناسک حج ادا کیے جاتے ہیں ۔ وہ ماہ ذوالحجۃ ہی ہے ۔ اس چاند کی نو تاریخ

کو تمام حجاج کرام میدانِ عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔ وقوفِ عرفہ کا یہ ایک خاص دن ہے
اگر اس دن یعنی نویں ذوالحجہ کے زوال سے لے کر اگلی یعنی دسویں ذی الحجہ کی رات
ختم ہونے تک کے درمیان محرم میدانِ عرفات میں نہ پہنچے۔ تو اس کا حج نہیں ہوگا
بلکہ یہ فوت شدہ حج آئندہ سال اسے کرنا ہوگا۔

افعالِ عمرہ ادا کر کے احرام کھول دے۔ کیونکہ سال بھر وہ احرام کی پابندی نہیں کر
سکے گا۔ وقوفِ عرفہ کی اس اہمیت کا پتہ جس سے محبوب پیارے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
الحج عرفۃ کہ حج عرفہ ہے۔ یعنی عرفہ کی اتنی خصوصیت ہے۔ کہ اگر نویں ذی الحجہ
کا سورج ڈھلنے سے لے کر اگلی رات طلوعِ فجر تک کے درمیان کسی وقت بھی محرم
حج میدانِ عرفات میں پہنچ جائے تو اس نے اس سال حج کو پالیا۔ اور اس کا حج ہو گیا۔
خواہ وہ بسلامتی ہوش وحواس موقفِ عرفات سے گزرے یا بے ہوشی و بے سمجھی
کی حالت میں اسے اس کے رفقائے سفر چارپائی پر ڈال کر یا کسی موٹر کار یا بس
وغیرہ میں بٹھا کر وقتِ مخصوص میں میدانِ عرفات میں داخل ہو جائیں۔ لیکن حج پھر بھی
ہو گیا۔ باوجود یکہ وہ بے ہوشی کے عالم میں ہے۔ اور اسے بالکل علم نہیں۔ کہ وہ میدانِ
عرفات میں پہنچ گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا کرم تو دیکھو۔ کہ حاجی کو
ہوش ہو یا نہ ہو اسے میدانِ عرفات کا علم ہو یا نہ ہو۔ حاجی کو حج کے اس عظیم ترین
رکن کا علم ہو یا نہ ہو۔ بس اس وقت اس مقام پر پہنچ جائے۔ تو یہ پیارے محبوب ﷺ
کے نعلین پاک کا تصدق ہے۔ کہ اس کا بھی حج ادا ہو گیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ قل ھی
مواقیت للناس والحج میں سے یہی اشارہ نکلتا ہو۔ اسی لئے للناس کے بعد والحج لا
کر تصریح فرما دی۔ اللہ اکبر تو مہینوں کی ان تبدیلیوں میں مختلف فوائد ہیں فرمایا
یوم خلق السمٰوٰت والارض = جس دن اللہ رب العزت نے زمین و آسمان بنا کے اور اس
نظام کو قائم فرمایا۔ اس دن سے لے کر تا قیامت شمسی سال کے بارہ مہینے ہی ہوتے ہیں۔
پھر کافروں نے کئی حرکتیں کیں۔ جن میں سے ایک یہ تھی۔ کہ مہینوں کو آگے پیچھے کرنا شروع
کر دیا۔

حرمت والے مہینے | اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ منھا اربعۃ حرم ۔ ان میں سے چار مہینے عزت و حرمت والے ہیں ۔ ویسے تو تمام مہینوں میں ہی گناہ سے بچنا چاہئے ۔ لیکن یہ چار مہینے تو بڑے ہی عزت و عظمت والے ہیں ۔ ان کا احترام اشد ضروری ہے ۔ حتیٰ کہ کافر و مشرک بھی ان چار مہینوں میں قتل و غارت کذب و افتراء دروغ گوئی اور ڈکیتی سے باز آ جاتے تھے ۔ یہ چار مہینے کون کون سے ہیں ۔ (۱) رجب المرجب یہ حرمت والا پہلا مہینہ ہے اور یہ باقی حرمت والے تین مہینوں سے جدا ہے ۔ اسی لئے اس کا نام رجب الفرد بھی ہے ۔ جس کا معنیٰ ہے اکیلا رجب (۲) ذیقعد (۳) ذوالحجہ ۔ ۴ محرم الحرام یہ تین مہینے اکٹھے ہیں ۔ جبکہ رجب ان سب سے جدا اور اکیلا ہے ۔ اسی لئے اسے رجب الفرد کہا جاتا ہے ۔ اور کافر و مشرک لوگ بھی اس مہینے اور دیگر حرام مہینوں کی تعظیم کرتے تھے ۔ ان مہینوں میں وہ قتل و غارت ۔ دنگا فساد اور ہر قسم کی شرارتوں سے پرہیز کرتے تھے ۔ بت پرست وہ بھی ان حرام مہینوں کے احترام میں فتنہ و فساد سے اجتناب کرتے تھے ۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سمجھایا ہوا یہ مسئلہ ابھی تک ان کے ذہن نشین تھا ۔ اس لئے وہ ان چار مہینوں کا احترام کرتے تھے ۔ مگر رفتہ رفتہ وہ کچھ عادتیں اور شرارتیں کرنے لگے ۔

نسیئی | شیطان نے مشرکین کے ذہن میں یہ وسوسہ ڈالا ۔ اور یہ شرارت انہیں سمجھا دی کہ تمہیں ذیقعد ذی الحج اور محرم میں تین ماہ اکٹھے قتل و غارت سے پرہیز کرنا پڑتی ہے ۔ اس طرح تمہاری معیشت کو زبردست دھچکہ لگتا ہے ۔ اور تمہاری اقتصادی و معاشی حالت بڑی دگرگوں اور کمزور ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ تمہارا تو کاروبار ہی یہی ہے ۔ اور تمہاری آمدنی کے اسباب و ذرائع بھی اس کے سوا کچھ نہیں مثلاً کوئی دکاندار ہو ۔ اور وہ پورے تین ماہ تک مسلسل دکان بند رکھے تو اس کا کیا حال ہو جائیگا ۔ کیونکہ اس کا ذریعہ معاش اور کاروبار ہی یہی ہے ۔ خواہ کوئی بھی کاروبار کیوں نہ ہو ۔ اگر تین ماہ تک مسلسل بند رہے ۔ تو اسے بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے

تو شیطان نے بھی ان کے دل ودماغ میں یہ وسوسہ ڈال کر دور جاہلیت میں عرب کے
مخصوص حالات وماحول اور محل وقوع کے پیش نظر) تمہارا جیسا کاروبار ہی لوٹ مار
قتل وغارت اور ڈکیتی ورہزنی ہے۔ تو مسلسل تین ماہ کاروبار بند رکھنے سے بہت
سی مشکلات کا تمہیں سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا کوئی حل تمہیں ڈھونڈنا
چاہیئے۔ اب شیطان کی معاونت سے انہوں نے اس کا ایک حل نکالا وہ کہنے لگے۔
اس کی صورت یہ ہے کہ ہمیں چار مہینے ہی پورے کرنے ہیں۔ تو ذیقعد اور ذی الحجہ
دو ماہ تو گزار لیتے ہیں۔ آگے محرم آئے تو اسے پیچھے کر دیتے ہیں۔ اور اس کی جگہ صفر کو
پہلے لے آتے ہیں۔ یہ تھی انسانی ساخت جس سے انسانوں کی بنائی ہوئی تاریخیں وجود
میں آتی ہیں۔ تو انہوں نے بھی اپنی انسانی سوچ اور ساخت سے مہینوں کی تقدیم وتاخیر
کا یہ قاعدہ وضع کر لیا۔ کہ محرم کو صفر بنا دیں، اور صفر کو محرم اس کا نام انہوں نے نسیئی
رکھا۔ قرآن حکیم میں ہے۔ انما النسیئ زیادۃ فی الکفر یضل بہ الذین کفروا۔ سورۃ توبہ ۳۷
نسیئی کا معنیٰ تاخیر اور ادھار ہے۔ بیع النسیئہ ادھار کی بیع کو کہا جاتا ہے۔ انہوں
نے محرم کو اس کا احترام دینے میں گویا ادھار کر لیا۔ کہ محرم میں ہم اس کا احترام نہیں کریں گے
اگلے مہینے کو جو حقیقتاً صفر ہے۔ اسے محرم فرض کر کے اس کا احترام کر دیں گے۔ اس لیے
اس کا نام نسیئی رکھا۔

اب ان احمقوں سے کوئی پوچھے کہ محرم کو صفر اور صفر کو محرم کیسے بنایا جا سکتا
ہے کیونکہ محرم تو محرم ہی اور صفر صفر ہی رہے گا۔ صرف نام تبدیل کر لینے سے کیا ہوگا۔
یہ تو اس طرح ہوا کہ جیسے بیوی کو ماں۔ اور ماں کو بیوی کہہ دیا جائے۔ تو ماں کو بیوی
کہہ دینے سے اور اس کا نام بیوی رکھ لینے سے وہ بیوی نہیں بن جائیگی۔ اور اس پر حلال
نہیں ہو جائیگی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ انما النسیئ زیادۃ فی الکفر۔ سوا
اس کے معنیٰ یہ کہ نسیئی کفر میں زیادتی اور اضافے کا باعث ہے۔ یضل بہ الذین کفروا۔
اس کے ذریعے کفار کو (مزید) گمراہ کیا جاتا ہے۔ یعنی شیطان وسوسے سے ڈال

اور اس قسم کے کام ان سے کروا کر انہیں گمراہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نسیئی کا رد فرمایا۔ کہ نسیئی کوئی شئے نہیں ہے۔ بلکہ جس دن سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اسی دن سے بارہ مہینے بنائے ہیں۔ علاوہ ازیں بھی کفار نے تغیر و تبدل اور تقدم و تاخیر کر کے بڑی گڑبڑ جاری ہوئی تھی۔ دن اور مہینے تبدیل ہو کر کہیں سے کہیں پہنچ گئے تھے۔ لیکن حدیث پاک کے مطابق جس سال حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا۔ اس سال قمری مہینوں کا نظام بجائے تغیر تبدل کے بعد پھر سے حد اعتدال پر آ گیا۔ اور اس سال حج کی تاریخ اور قمری تاریخیں اور مہینوں کے اس نظام کے مطابق تھی۔ جو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن وضع کیا تھا۔ اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج بالکل صحیح تاریخ پر ہوا۔ اور آئندہ رہتی دنیا تک ہمیشہ ہمیشہ کیلئے وہی صحیح تاریخی نظام مؤثر و متعین ہو گیا۔ اور جاہلوں کے بت جھوٹے معبود اور باطل نظریات کا قلع قمع ہو گیا۔ وہیں نسیئی بمع اپنے اثرات کے نیست و نابود ہو گئی۔

الغرض مہینے ۱۲ ہیں۔ ان میں سے چار عزت و حرمت والے ہیں۔

رجب المرجب | عزت و حرمت والے چار مہینوں میں سے ایک اہمیت والا مہینہ رجب المرجب ہے۔ اس مہینے کی دور جاہلیت سے ہی بڑی عزت ہے۔ اس کا نام الشہر الحرام ہے۔ اس میں بطور خاص کثرت سے عبادت کرنی چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرنا چاہیئے۔ تاکہ آگے رمضان شریف کے لیے ابھی سے تیاری شروع ہو جائے۔ فقہائے کرام نے یوں لکھا ہے۔ کہ رجب المرجب، شعبان المعظم اور رمضان المبارک کے ہر سہ ۳ چاندوں کا دیکھنا واجب ہے۔ کیونکہ ممکن ہے۔ کہ شعبان المعظم کی انتیس ۲۹ تاریخ کو مطلع ہلال ابر آلود ہو جائے۔ اور چاند کے طلوع اور عدم طلوع کا پتہ نہ چل سکے۔ ایسی صورت پیش آ جائے تو حکم یہ ہے۔ کہ شعبان کے ۳۰ دن پورے کر کے روزہ رکھا جائے۔ اور شعبان کی ۲۹ یا ۳۰ کا پتہ چلے گا۔ اگر اس مہینے کی پہلی تاریخ معلوم ہو گئی۔ اور شعبان کی یکم تاریخ کو جاننے کیلئے ضروری ہے۔ کہ اس سے پہلے رجب کے

چاند کا علم ہو۔ بہر صورت کم از کم ہوشن چاند دیکھنے بے حد ضروری ہیں۔ یوں تو ماہ رجب
شروع ہی سے بڑی عزت والا تھا۔ مگر اس کی عزت کو اس وقت چار چاند لگ گئے جب
اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مہینے میں اپنی پاک بارگاہ میں بعد از اعزاز
واکرام خاص طور پر حضرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے کیف اور بے نظیر و بے مثال
وصل و وصال عطا فرمایا۔ اور یوں معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نے اس کی عزت
و حرمت کو دوبالا کر دیا۔

معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم | اللہ رب العالمین نے قرآن کریم میں معراج شریف
کا ذکر فرمایا۔ پندرھویں پارہ کی آیت کریمہ ہے۔ سبحان الذی ——— الاقصیٰ —
اس آیت میں اسراء اور معراج مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہے۔ رات کے
وقت محبوب پیارے کو اللہ تعالیٰ نے مکہ شریف سے بلایا۔ اور آپ اس جگہ تشریف لے گئے جہاں
جہان کی انتہا ہو گئی۔ اس جگہ پر گئے۔ جس جگہ ساری حدیں ختم ہو گئیں۔ اور اس سے آگے
کوئی حد ہے ہی نہیں۔ اسریٰ بعبدہٖ۔ لیلاً۔ رات کے کچھ حصے میں اپنے محبوب کو
سیر کرائی من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ۔ مسجد حرام یعنی کعبہ شریف کی مسجد سے
لے کر مسجد اقصیٰ تک۔ اور تک کا یہ معنیٰ نہیں کہ آگے بس بلکہ تک کا مطلب ہے کہ زمین
پر جو سیر کرائی وہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ہے۔ اور مسجد اقصیٰ سے پھر پہلے فلک
تک پہلے آسمان پر بلایا۔ الی ما لا نہایۃ لہا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر
حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے رسول اور پیغمبر اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھیجے ان
سب کو محبوب پیارے کے استقبال کیلئے مسجد اقصیٰ میں جمع کر لیا۔ کیونکہ جب بادشاہ
کی آمد ہو تو اس کی آمد کے موقع پر بڑے بڑے استقبالیہ اجتماع منعقد ہوتے
ہیں۔ اور ملک بھر کے رؤسا نواب راجے۔ اور پورے علاقے کے معزز لوگ
اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہاں تو سب سے بڑا بادشاہ کی آمد تھی۔ تو پھر کیوں نہ اللہ رب العالمین
تمام انبیاء کو وہاں جمع کرتا۔ یہ اجتماع کمیت و کیفیت اور فضیلت کے اعتبار سے

سب سے بڑا اور عالی اجتماع تھا۔ مسجد اقصیٰ میں محبوب پیارے صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ اور تمام انبیاء کرام و ملائکہ عظام نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ ؎

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر — عیاں ہو معنیٔ اول و آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر — جو سلطنت آگے کر گئے تھے۔ (احمد رضا)

سرزمین شام و فلسطین میں جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے علاوہ بہت سے جلیل القدر پیغمبر ہوئے ہیں۔ گویا ان انبیاء کرام کا وہ ملک جہاں وہ اپنے اپنے زمانے میں معنوی اور روحانی بادشاہت کر گئے ہیں۔ اس جگہ محبوب پیارے تشریف لے گئے۔ سب انبیاء و رسل تشریف لائے۔ محبوب پیارے نے نماز پڑھائی۔ اور سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی آگے بہت لمبا بیان ہے۔ مختصر طور پر یہ کہ پھر حضور علیہ السلام آسمان پر تشریف لے گئے۔ اللہ رب العالمین نے محبوب پیارے کی تعظیم و تکریم کے لئے حضور کے اعزاز و امتیاز کیلئے ہر آسمان پر اپنے خاص خاص پیغمبر مقرر کئے جنہوں نے حضور کا استقبال کیا۔ اور استقبال کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے ہی پہنچا دیا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ اتنی جلدی حضور علیہ السلام سے پہلے کیسے پہنچ گئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ پہنچانے والا اللہ رب العزت ہے۔ جو علی کل شیء قدیر ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ پھر اس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ وہ حضور سے بڑھ گئے۔ اور ان کی رفتار حضور سے تیز اور قوت رفتار حضور سے زیادہ ہے۔ کہ سرکار بعد میں پہنچے اور وہ پہلے سے پہلے پہنچ گئے۔ حالانکہ چلے ایک ساتھ تھے۔ بیت المقدس سے تو یہ کہنا بھی غلط ہے۔ کہ ان کی طاقت زیادہ اور رفتار تیز ہے۔ رفتار حضور کی ہی زیادہ ہے۔ لیکن وہ پہلے اس لئے پہنچ گئے۔ کہ وہ اپنی نبوی اور روحانی قوت سے نہیں پہنچے۔ جب کہ آقا علیہ السلام اپنی طاقت و پرواز کے ساتھ نہیں۔ بلکہ آپ کے اعزاز و اکرام کیلئے بطور سواری پیش کیا گیا۔ اور آپ اس براق کے ذریعے تشریف لے گئے۔ تو یہاں

مقابلہ دیگر انبیاء کرام اور حضور علیہ السلام کی رفتار کا نہیں۔ بلکہ رفتارِ نبوت اور رفتارِ براق میں ہے۔ اور یقیناً نبوت کی رفتار براق کی رفتار سے تیز تر ہے۔ ورنہ اگر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پرواز سے تشریف لے جاتے تو کوئی نبی اور خود جبریل آپ کی گرد راہ بھی نہ پا سکتے۔ اور سارا استقبالیہ انتظامات دھرے کا دھرا رہ جاتے جب کہ مقصود یہ تھا۔ کہ آپ بڑے کروفر اور طمطراق سے تشریف لے جائیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دیگر انبیاء کرام کو آسمانوں تک پہنچنے کے لئے سواریاں پیش نہیں کی گئیں۔ تاکہ وہ اپنی طاقت سے پرواز کر کے براق سے پہلے اپنے اپنے آسمان پر پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کر سکیں۔ کیونکہ پروٹوکول کے قواعد و ضوابط اور آداب کے مطابق جب بادشاہ دورہ کرتے تو ہر صوبے کا گورنر اور سربراہ اپنے انتظامات کرنے کے لئے اس جگہ استقبال کیلئے پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ ہر آسمان پر شایانِ شان طریقے سے آپ کا استقبال اور مختلف انبیاء و رسل سے ملاقات ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ آپ ساری حدوں سے گزر کر عرشِ معلیٰ سے بھی پار تشریف لے گئے۔ اور پھر راتوں رات واپس بھی تشریف لے آئے۔

—————o—————

مسجد اقصیٰ تک سیر کا ذکر تو پندرہویں پارے کی اس آیت میں ہے۔ مگر اس سے آگے معراج کا ذکر سورۃ النجم کی پہلی آیت میں کیا۔ فرمایا۔ والنجم اذا ھوی۔ قسم ہے اس تارے کی جب وہ چمک پیدا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ستارے سے تعبیر فرمایا۔ ستارہ آسمان پر ہوتا۔ بلکہ علم ہیئت و حساب والے اور پرانے حکماء تو کہتے ہیں۔ کہ یہ تمام ستارے آٹھویں آسمان پر ہیں۔ بہرحال اس وقت ہمیں اس سے غرض کیا ہے کہ ستارے آسمانوں کے اوپر ہیں یا نیچے۔ لیکن اتنی بات تو مسلم و متفقہ اور مشاہدہ ہے کہ ستارے بلندیوں پر واقع ہیں۔ اور حضور علیہ السلام کو النجم ستارے سے تعبیر کرنے میں شبِ معراج میں آپ کی بلندیوں کی طرف اشارہ واضح ہے۔ اذا ھوی۔ جب وہ اترا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اترنے کا ذکر کیا۔ اور اترنا تب پایا جائے گا۔ اگر چڑھنا بھی پایا جائے۔ تو اس آیت میں اترنے کے

کے صراحتہً ذکر سے چڑھنا۔ اقتضاءً ثابت ہوتا ہے۔ والنجم اذا ھوی میں تشبیہ مرکب ہے۔ کیونکہ اس آیت میں حضور علیہ السلام کو محض ستارہ سے تشبیہ نہیں دی گئی۔ بلکہ آپ کی سفر معراج سے اس زمین کی طرف واپس تشریف آوری کی کیفیت کو ستارے کے نیچے اترنے کی مجموعی کیفیت سے تشبیہ دی گئی۔ یا النجم سے آپ کی ذات کو تشبیہ دی گئی۔ اور مشبہ یعنی النجم کو ذکر کر کے اس سے اراد مشبہ یعنی آپ کی ذات کا کیا گیا۔ تو اس میں استعارہ مصرحہ ہوا۔ پھر مشبہ کی ایک صفت مناسبہ یعنی اذا ھوی کو مشبہ کیلئے ثابت کیا گیا۔ اور اس طرح پر دوسرا استعارہ ترشیحیہ بھی اس کلام میں پایا گیا۔ نیز ۳۰ پارے میں فرمایا۔ لترکبن طبقا عن طبق (سورۃ انشقاق ۱۹) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم ضرور ایک طبق سے دوسرے طبق پر ترتیب وار چڑھتے چلے جاؤ گے۔ اور ان طباق سے مراد آسمان ہیں۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔ الم تروا کیف خلق اللہ سبع سموٰت طباقا (نوح ۱۵) کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے سات آسمان طبقوں کی صورت میں بنائے۔ اور لترکبن طبقا عن طبق کی تفسیر میں مفسرین کرام نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا۔ اور مستقبل کے بارے میں خبر دی ہے۔ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم ایک ایک آسمان پر چڑھو گے۔ طبقا عن طبق میں ہر دو جگہ پر طبق نکرہ واقع ہوا ہے۔ اس میں تخصیص نہیں فرمائی۔ بلکہ اسے عام رکھا۔ گویا فرمایا کہ سارے طبقوں اور سب آسمانوں سے پار ہو جاؤ گے۔ معراج پاک کا یہ اجمالی ذکر قرآن کریم سے ثابت ہے۔ جن سے واقعہ معراج کی تفصیلات کی جانب اشارات بینات ملتے ہیں۔ اور تفصیل بیان احادیث مبارکہ میں ہے۔ جو آئمہ دین نے روایت کی ہیں۔ بہر حال یہ پیارا مہینہ معراج شریف کا مہینہ ہے۔ پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ نے اسے بڑی عزت دے رکھی تھی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا۔ کہ اس مہینے میں اپنے محبوب کو اپنی خاص بارگاہ قدس میں بلاؤں گا۔ اور انہیں اپنی ذات کا وصل و وصال عطا فرماؤں گا۔ اور جب اس نے آپ

کو بالفضل اپنے وصل اور وصال باکمال سے سرفراز کر دیا تو اس مہینے کی عزت اور دوبالا ہوگئی
اس محترم مہینے کی عزت کرنی چاہیئے۔ اور صیام رمضان اور حج اسلام کی ابھی سے
تیاری کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ رمضان المبارک عزت و احترام سے گزاریں
اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کے پیارے محبوب کے پیارے شہر میں حاضر ہو جائیں۔ اور ہو سکے تو ہمیں
ماہ رمضان المبارک میں مدینہ عالیہ میں پہنچا دے۔ اور رمضان پاک میں اپنے گھر کی زیارت نصیب فرمائے
اور حج بھی کرائے (آمین) ہمیں ابھی سے ہی تیاری کرنی چاہیئے۔ اور یہ تیاری کس طرح ہوگی۔
اس کیلئے زیادہ عبادت کرنی چاہیئے اللہ تعالیٰ کو زیادہ یاد کرنا چاہیئے۔ توبہ و استغفار کرنی
چاہیئے

نور الحبیب ص ۱۴ جلد ۱ جنوری ۱۹۹۱ شمارہ ۱۱ -o-

رجب المرجب ۱۴۱۱ ھ -o-

Abbas

۲۷-۰۸-۲۰۰۶

حضرت علامہ ابو الفیض علی محمد نوری دیپالپوری =

ولادت ۱۹۲۷ فارغ التحصیل ۱۹۴۶ (بصیر پور شریف) خطابت = گاؤں اوکاڑہ
سے ہیوال مائی دال مسجد : ۱۹۶۲ میں دیپالپور تشریف - ۱۹۷۷ میں تحریک کا حصہ
مارچ ۷۹ میں بغرض علاج لاہور منتقل ۲۲ ستمبر ۱۹۹۲ دوران علاج ۱۰ بجے دن کو
بصیر پور میں تشریف لائے۔ (علامہ قاضی محمد دین ج فیض النبی قادری دس صاحبزادیاں)

نور الحبیب ص ۱۵ جلد ۲ نومبر ۹۲ جمادی الاول
-o- ۱۴۱۳ھ شمارہ ۱۱ =

Maulana Qari Muhammad Abbas Nizami
Distt. Teh. Pakpattan

حیاتِ فقیہ اعظم رح

اخبارات و جرائد اداریے

۱۔ آہ مولانا نور اللہ بصیر پوری | نامور عالم دین پیر طریقت اور مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان کے سینئر نائب صدر مولانا نور اللہ بصیر پوری گزشتہ روز لاہور کے میو ہسپتال میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا مرحوم ایک خاموش خادم دین تھے۔ انہوں نے ہوش سنبھالتے ہی خود کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور کو پسماندگان شاگردان رشید اور ہزاروں نیاز مندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور ہم سب کو نیکی و خدمتِ دین کی اس راہ پر چلنے کی توفیق دے جس پر مولانا مرحوم عمر بھر گامزن رہے۔

روزنامہ جنگ لاہور ۱۷ اپریل ۱۹۸۳ء

۲۔ آہ فقیہ العصر محمد نور اللہ نعیمی نور اللہ مرقدہٗ = یہ اندوہناک خبر انتہائی رنج و الم کے ساتھ سنی گئی کہ فقیہ العصر حضرت علامہ مفتی اعظم پاکستان محمد نور اللہ نعیمی۔ رجب المرجب ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۵ اپریل ۱۹۸۳ء بروز جمعۃ المبارک عین وقت نماز طویل علالت کے بعد دارِ فانی سے دار البقاء کی طرف انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ماہنامہ عرفات لاہور مئی ۱۹۸۳ء

۳۔ آہ مولانا محمد نور اللہ صاحب | حضرت مولانا محمد نور اللہ صاحب نعیمی قادری اشرفی بانی جامعہ حنفیہ فریدیہ بصیر پور مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۸۳ء بمطابق یکم رجب بروز جمعہ میو ہسپتال لاہور میں انتقال کر گئے۔ آپ کو بلڈ پریشر اور فالج کا اثر تھا۔ ان کی عمر ۷۱ سال تھی۔ مرحوم کے جسد خاکی کو بصیر پور پہنچا دیا گیا۔ اور ۱۶ اپریل بروز ہفتہ ظہر دوپہر دو بجے نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اور وہیں سپرد خاک کر دیا گیا

انا للہ وانا الیہ راجعون = آپ نے بصیر پور میں آکر ایک عظیم الشان دار العلوم اور ایک شاندار جامع مسجد تعمیر کرائی تقریباً ۴۰ سال تک حدیث کی تدریس میں مصروف رہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے ۔

ماہنامہ سلطان المشائخ لاہور

شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ ۔

ڈیڑھ لاکھ افراد نے نماز جنازہ میں شرکت | یکم رجب ۱۵ اپریل بروز جمعۃ المبارک جماعت اہلسنت پاکستان کے سینئر نائب صدر استاذ العلماء مولانا علامہ محمد نور اللہ صاحب بصیر پوری بانی جامعہ حنفیہ فریدیہ بصیر پور بعمر ستر سال انتقال فرما گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ دوسرے دن ہفتہ کو تین بجے بعد دوپہر بعد نماز ظہر علامہ سید احمد سعید صاحب کاظمی نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ افراد نے شرکت کی جن میں علماء و مشائخ کی کثیر تعداد شامل تھی ۔ ریڈیو اور اخبارات میں انتقال کی خبر نشر ہوتے ہی لوگ بصیر پور پہنچنا شروع ہو گئے ۔ اور لاہور ہسپتال سے جب رات ۹ بجے میت بصیر پور پہنچی تو مریدین و تلامذہ اور دیگر احباب نے گہرے غم اور رقت و عقیدت کے ساتھ جنازہ کا استقبال کیا۔ ہفتہ کے دن بصیر پور میں سوگ اور ہڑتال کی وجہ سے تمام کاروبار معطل تھا ۔ اور مساجد و مدارس میں قرآن خوانی و درود پاک کا ورد جاری تھا ۔ گیارہ بجے دن جب میت آخری دیدار کے لئے رکھی گئی تو مشتاقان زیارت جوق در جوق اور قطار در قطار آخری دیدار کرتے جا رہے تھے ۔ اور چہرے کی مسکراہٹ کو دیکھ کر ایمان تازہ ہو رہا تھا ۔

ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ

رجب المرجب شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ ۔

آہ فقیہ اعظم پاکستان | لیجئے جس خبر کا دھڑکا لگا ہوا تھا ۔ وہ سننا ہی پڑی کہ آسمان فقاہت کے نیر اعظم تلمیذ فضل و کمال پیکر جود و نوال شیخ الاسلام حضرت مولانا الحاج ابوالخیر مفتی محمد نور اللہ نعیمی محدث بصیر پوری بھی اپنے خالق حقیقی

جا ملے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ حضرت کی ۷۱ سالہ زندگی اتباع شریعت، عشق رسول
اشاعت علوم دینی کی مرقع تھی ۔ انہوں نے حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی
شیخ الکل مولانا فتح محمد بہاولنگری محدث اعظم ہند سید دیدار علیشاہ ۔ مفتی اعظم پاکستان
مولانا ابو البرکات علیہم الرحمۃ کے کاشانہ ہائے فیض سے علم و عرفان کے جو موتی حاصل
کیئے تھے ۔ پوری زندگی ان کو دونوں ہاتھوں سے لٹایا ۔ طلباء میں پابندی صوم و صلوٰۃ اور اوراد
و وظائف تہجد کا ذوق پیدا کیا ۔ اسی طرح وہ علم ظاہر کے ساتھ باطنی اصلاح بھی برابر
فرماتے رہے ۔ انہوں نے اپنے شب و روز عشق مصطفیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کیلئے وقف
کر دیئے تھے ۔ وہ بیک وقت تفسیر، حدیث، اصول تفسیر، اصول حدیث، معانی، علم
بیان و کلام، اسماء الرجال ۔ تاریخ، تصوف اور بالخصوص فقہ پر امامت کا درجہ رکھتے
تھے ۔ علم کی بے پناہ بلندیوں اور معرفت کی بے کنار وسعتوں کے باوجود وہ ایک نیک
سادہ مرد درویش ہر دلعزیز ۔ متبسم اور من بھاتی شخصیت تھے ۔ ان کے چہرے
پر نور حدیث کی چمک آخر وقت تک برقرار رہی ۔ بعد از وصال لاتعداد زائرین
اس بات کے شاہد ہیں ۔ کہ اقبال کا وہ شعر انہی کے لئے تھا ۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم ۔ چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

حضرت فقیہ اعظم اس وقت منوں مٹی تلے اپنے محبوب حقیقی سے وصال کی بلندیوں پر فائز
ہو چکے ہیں ۔ لیکن یہ بات کسی بھی کلام سے بالا ہے ۔ کہ ان کا فیض رہتی دنیا تک جاری
رہے گا ۔

ماہنامہ الزبیر جولائی سن ۱۹۸۳ء

ص ماہنامہ نور الحبیب صفحہ ۳ رجب شعبان ۱۴۰۳

(سلسلہ تبلیغ ۱۲۶، ۱۲۷)

۲۷-۰۸-۲۰۰۹

(خان کے قلم سے)

آفتاب فقاہت غروب ہوتا ہے | آج ۱۵ اپریل ہے۔ اور جمعہ کا دن —

میرے والد محترم کو وصال فرمائے تقریباً ۱۳ برس کا عرصہ بیت چکا ہے۔ پیشی کے اس دور نے
کبھی ان لرزہ خیز کیفیات سے دوچار نہیں کیا۔ جو باپ کے اٹھ جانے سے اولاد کیلئے خزاں رنگ
اور نیم مردنی کا پیغام ہوتی ہے۔ مگر آج پیشی کی سیاہ گھٹائیں امڈی چلی آتی ہیں۔ یہ کیا
خبر آئی کہ جگر کٹ کٹ کر لہو بنا جاتا ہے۔ آنکھیں کٹوروں کی صورت بھری ہیں۔ یہ برسات
کیسی ہے۔ کہ رکنے نہیں آتی۔ ؟ ۔ ہائے ۔ یہ کیا دن آیا ہے۔ نصف النہار ہے۔ مگر مجھے
چار سو تاریکی کے بغیر کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ لاہور کا پُر رونق شہر گلیاں بازار اور شاہرا
ہیں۔ سب وحشت کے ساتھ رواں دواں ہیں۔ پھر بھی ایک سناٹا ہو کا عالم گردش دوراں تھم
گئی۔ ہوا رکی رکی اور فضا بوجھل بوجھل ——— یہ کیسے پدرس نے آری رکھ دی ہے۔
کہ جگر کا رنگ انگ درد سے بلبلا اٹھا ہے۔ اور پیار سے دل رکھنے والے۔ لرز رہے ہیں
گر رہے ہیں تڑپ رہے ہیں۔ بے جان بے حال اور بے سدھ ہوئے جاتے ہیں۔

آج کا دن کیا خبر لایا ہے۔ کہ داعئ اجل نے عہد حاضر کے رجل عظیم کو
پکارا اور اس نے لبیک کہہ دیا ——— عصر حاضر کی نادر شخصیت نے وصل کا جام نوش کر لیا
وہ دیدہ ور جس کے لئے قوموں کو ہزاروں برس گننے پڑتے ہیں۔ یکایک اپنے خدا کے حضور
میں حاضر ہو گیا۔ وہ دانائے راز فقیہ اعظم جس کے لئے زندگی کو برسوں تک در بدر کی خاک
چھاننا پڑی تھی۔ ۱۳ برس پورے کرنے کے بعد واصل باللہ ہو گئے۔ اے عالم الغیب والشہادۃ
لوگوں لوگ تڑپتے رہے کہ ہماری جانیں حضرت سیدی کی ایک سانس کی قیمت کا بدلہ بنیں۔
اور ان کی زندگی اور طویل ہو جائے۔ مگر تو نے کسی کی نہ سنی اور اپنا وعدہ پورا کر لیا۔

جب کبھی اس مہر کارواں کی علالت کو دیکھ کر کمل من عطا خان کا کلیجہ منہ میں بھٹکتا تو
ایک لمحہ کے لئے رگوں میں خون منجمد ہو کر رہ جاتا اور دل کی دھڑکن بے اختیار ہو جاتی۔
——— مشکلوں اور عذابوں کو رفع کرنے والے ہمارے خدا۔ ہماری ان کیفیات کو جاننے کے باوجود
تو نے اپنا وعدہ پورا کر لیا۔ اور بالآخر یہ فراق ہم پر مسلط کر ہی دیا۔ جس کا تصور عرصہ محشر

سے کسی صورت کم نہیں۔ اور سب کو ایک ساتھ کہنا پڑا انا للہ وانا الیہ راجعون

خلافِ معمول آج ابھی تک میو ہسپتال نہیں گیا۔ اور سیدی فقیہ اعظم کے تلووں کو لے کر ابدی سکون کی لذت سے ہمکنار نہیں ہوا۔ تبھی تو دل میں ایک بے کلی سی ہے) طبیعت بجھی بجھی اور غم کی بے حجابیاں گہری گہری سی ہیں۔ مطالعے میں شغف نہیں رہا۔ کتابوں میں لطف نہیں رہا۔ حالانکہ تھوڑی دیر بعد مجھے خطبۂ جمعہ بھی دینا ہے۔ ناچار تنہا ہو کر ایک شخص کی کتابِ زندگی کھول کر بیٹھ گیا ہوں یا ایسی کتاب جس کا ورق ورق مثلِ مہتاب ہے جس کی ہر ہر سطر اُجلی اُجلی اور ایک ایک لفظ عرقِ گلاب سے دُھلا، دُھلا یہ اس شخص کی کتابِ زندگی ہے۔ جو ایک ذات نہ تھا۔ انجمن تھا۔ شخص نہیں شخصیت تھے۔ فرد نہیں ادارہ تھے۔ اُس کی ذات اداروں کو جنم دیتی تھی۔ اس کے تربیت یافتہ افراد بھی چلتے پھرتے ادارے تھے۔ جب وہ نہیں تھا۔ تو گلشن فقہ و تدبر سونا سونا نظر آتا تھا۔ چمن حدیث میں ویرانی سی دکھائی دیتی تھی۔

ہاں تو سیدی فقیہ اعظم کی کتابِ زندگی کے آخری اوراق پر آ کر میری نظریں جم کر رہ گئی ہیں۔ یہ اوراق عمرِ عزیز کے آخری ایام کے نازک لمحات کی تصویر لیے ہوئے ہیں۔ پل بھر میں آنکھوں سے جذبات قطرہ قطرہ بن کر پھسلنے شروع ہو گئے ہیں۔ اتنے میں مسجد سے جمعہ کی اذان کی آواز بلند ہوتی ہے۔ جلدی میں تیاری کر کے مسجد کو جانے لگتا ہوں۔ دل میں ہے کہ نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر فوراً حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر آنکھوں میں نور بھر لوں گا۔ اچانک دروازے پر دستک ہوتی ہے، بے ڈھنگی سی دستک جیسے کوئی اپنے ٹوٹتے ہاتھوں کو دروازے پر مار رہا ہو۔ ایک انجانے خوف سے آگے بڑھتا ہوں، یہ تو کوئی دروازے سے چمٹا رو رہا ہے۔ یہ مولانا عبدالرحمن صاحب ہیں جو حضرت سیدی کے داماد — میرے حلق سے ایک چیخ بلند ہوتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ان سے چمٹا جاتا ہوں۔ دھاڑیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ میں ان سے بار بار کچھ پوچھ رہا ہوں۔ دل میں

ابھی بھی یہ خیال ستایا ہے۔ کہ ممکن ہے۔ حضور والا کی طبیعت کے زیادہ خراب ہونے کی
خبر لائے ہوں۔ مگر یہ خیال ایک وہم سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ مولانا کہتے ہیں۔ ایک بجے اباجان
- - ـــــــ ۔ اس کے بعد ان کی قوت گویائی اور میری قوت سماعت ختم ہو گئی اور
ہم دونوں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑتے ہیں ۔ اب ہمارے قدم میو ہسپتال کو اٹھ رہے ہیں
ٹریفک کے ہجوم اور دنیا و جہان سے بے خبر چلے جا رہے ہیں۔ ایک وقت تھا۔ کہ سڑک پر سے
گزرتا تو موٹروں کاروں اور رکشوں کے شور سے بچنے کے لئے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتا۔ آج نہ
شوروغل ہے۔ نہ ہاؤ ہو کا عالم۔ سب کچھ ہوتے بھی کچھ نہیں۔ ہزاروں کی موجودگی میں تنہا۔
بارش مسلسل برس رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک غمزدہ انسان کی آنکھوں میں بھی
ساون بھادوں کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔ اور تیسری برسات اُس چور چور دل کی ہے۔ جو کسی
زخمی پرندے کی مانند پہلو میں پھڑک رہا ہے۔ وہی دل جو حضرت سعدی کی زیارت کے وقت
اُن کے قدموں میں کچھ بچھ جایا کرتا تھا۔ مجھے خیال آتا ہے۔ کہ ایک یہی (دل) تو سوغات تھی۔
جو نذر کر دیا کرتے تھے۔ مگر آج جو حاضری ہوگی۔ تو کیا نذرانہ پیش کروں گا۔ آہ قسمت
کا یہ کیسا موڑ آیا ہے۔ کہ ان کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا کرتے آنکھیں چار ہوتیں۔ اور دل
کی کثافتیں لطافتوں میں بدل جاتیں۔ وہ نظرِ کرم فرماتے تو اجڑے ہوئے دل رونق پذیر ہوتے
اور خزاؤں میں بہار آ جاتی۔ کیا آج وہ شفقت کی پیکر ذات اپنی محبت بھری نگاہوں کو کوئی
کی زحمت نہیں کریگی۔ لبِ اقدس وا نہ ہوں گے۔ اور گھر کا حال دریافت نہ فرمائیں گے۔
یہ سوچ سوچ کر میرا ریشہ ریشہ بین کرنے لگتا ہے۔ آنکھیں کھلیں تو سامنے ہسپتال
کے مین گیٹ پر مولانا عبدالجبار مجاہد دکھائی دیئے۔ مگر آج وہ اکھڑ طبیعت اور سخت دل
گرجیلا کا مالک مجاہد نہیں۔ بلکہ غم و آلام کے طوفان میں گھرے ہوئے کمزور و ناتواں شخص دکھائی
دیئے۔ ہسپتال میں قدم کیا رکھا ہے۔ کہ سر چکرا کر رہ گیا ہے۔ قدم اٹھ رہے ہیں مگر مجھے احساس
نہیں۔ ایک موڑ دوسرا پھر تیسرا۔ جو بھی موڑ ہے میرے بے قرار اور مضطرب دل کی کیفیت میں یکا
یک انقلاب آ رہا ہے۔ سیدنفیسہ اظہر پر مصائب و آلام کے بیتنے والے تمام ادوار یکسر میرے سامنے

میں اپنے آپ سے مخاطب ہوں۔ خبردار - مرشد کے حضور میں بے صبری کا مظاہرہ نہ ہونے پائے
ان کی سیرت کو فراموش مت کرنا۔ معلوم نہیں کہ اس ہادی و مرشدی نے جان گسل اور
پہاڑوں میں لرزہ پیدا کر دینے والے لمحات میں بھی عزم و استقلال کا دامن نہ چھوڑا تھا۔
آخر کو تو بھی انسان ہی تھے نا ـــــ اور پھر اگلے ہی لمحے میری نظر اٹھی تو آنکھوں کے ڈھیلے
یک لخت پتھرا گئے۔ برآمدے میں پردے کے پیچھے عصر حاضر کی عظیم شخصیت محو خواب
تھی۔ صاحبزادگان بے خود تھے۔ صاحبزادہ محمد محب اللہ صاحب نوشاہی کا حال دیکھا نہ جاتا
تھا۔ مولانا ابو الضیاء محمد باقر نوری کے دل کی دنیا تلپٹ ہو گئی تھی۔ خدام و مریدین سر پیٹ
رہے تھے۔ غم و اندوہ کے اس منظر میں مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ خدا جزائے خیر دے حضرت
کے بھتیجے مرید الحاج چوہدری محمد اسحاق صاحب نوری کو جو اپنے تینوں صاحبزادوں محمد
عبد الرزاق - محمد بلال - اور محمد حامد کے ہمراہ آئے ہیں - اور جن کے عمل نے مجھے بھی راہ دکھائی
اور بھولا ہوا سبق یاد دلایا ہے - موصوف حضرت کے چہرہ پرنور سے چادر سرکاتے ہیں
اور جھک کر نور و عرفان سے جگمگاتی پیشانی کو چوم لیتے ہیں۔ میں بھی اس سعادت عظمیٰ اور
نعمت لازوال کے حصول کے لئے آگے بڑھتا ہوں۔ ایک گنہگار، خاطی عاصی اور مجرم ناکارہ کے ہونٹ
ہیں - اور عفو و درگذر کے خوگر۔ اور حلیم الطبع انسان کی پرنور پیشانی۔ جی بھر کے چوما
اور سیر ہو کر زیارت کی۔

مگر اسی مرتبہ پھر طبیعت - صاحبزادہ محمد محب اللہ نوشاہی نے مجھے لاہور میں فرید الا
کاموں پر مامور فرمایا ہے۔ نماز جمعہ کے بعد خواص و عوام کا ہجوم امڈ آیا ہے۔ اور ہسپتال
کے در و دیوار بھی اف افسوس ملنے لگے ہیں۔ کہاں گیا وہ شخص جو سب کے لئے تسکین و راحت
کا پیغام تھا۔ ہم اسے سکون و اطمینان مہیا نہ کر سکے۔ زندگی سے ہمکنار نہ کر سکے۔ ٹھیک
ساڑھے تین بجے حضرت فقیہ اعظم بصیرپور کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ ادھر ریڈیو پاکستان
اس جانکاہ خبر کو بار بار نشر کر رہے ہیں۔

۱۶ اپریل ہے۔ ۱۰ بجے تک تک دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور کے بلند و بالا

کے سے منہ کھڑا ہوتا - - - - - - - - - مدرسہ آگے پیچھے دائیں بائیں تا حدِ نظر
انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ سر ہی سر۔ آدمی ہی آدمی ریلے پر ریلے چلا آرہا
ہے۔ دارالعلوم۔ دارالجدید۔ دارالقرآن۔ بلڈنگ۔ میدان چھتیں۔ بالکونیاں اور گلیاں و بازار
سب اٹے پڑے ہیں۔ کوئی ان کو گن نہیں سکتا۔ کوئی ان کو شمار نہیں کر سکتا۔ تعداد و شمار یا
کے پیمانے جو مدرسہ میں نے سن رکھے تھے۔ پڑھ رکھے تھے۔ آج سب حقیقت بن کر گردش ناچ
رہے ہیں۔ وہ مبالغہ آرائی جو کسی کے قدر و قامت کو بڑا دکھانے کے کام آتی ہے۔ آج
حقیقت سے مار کھا چکی ہے۔ حقائق سے پٹ چکی ہے۔ بصیر پور پہنچنے والی ریلیں پائیدان
سے لے کر چھتوں تک بھری پڑی ہیں۔ بسوں اور دیگر چھوٹی موٹی گاڑیوں میں تل دھرنے کو
جگہ نہیں ملی۔ آج وہ بھی آئے ہیں۔ جو حضرت سعدی کے ساتھ زندگی میں اختلاف کیا
کرتے تھے۔ اشکبار آنکھوں سے وہ بھی حضرت کے نام لیواؤں میں نام درج کرانے آئے ہیں
دارالعلوم میں داخل ہوتے ہی میری نظر لائبریری ہال پر پڑتی ہے۔ اس کو حضرت سے وہی
نسبت حاصل ہے۔ جو جسم کو روح سے اور قالب کو قلب سے ہوا کرتی ہے۔ مچھلی پانی میں سکون
پاتی ہے۔ اور حضرت سعدی لائبریری ہال میں راحت پاتے۔ عرب و عجم کی مطبوعات اور نایاب
کتب کا ایک عظیم الشان ذخیرہ اس ہال کی الماریوں میں موجود کتابوں کے سینوں میں مندرج
ہے۔ تو اس سے کئی گنا بڑا حضرت کے سینے میں تھا۔ علوم و فنون کی سراپا متلاشی وہ
ہستی جب کتابوں کے اس ساکن سمندر میں داخل ہوتی تو مد و جزر کی کیفیت پیدا کر دیتی
ان کے مسند کے چوفیر میں کتابیں چن دی جاتیں اور وہ محو تحقیق ہو جاتے۔

لوگو! تم جو اپنے آپ میں نہیں ہو ذرا بے جان مگر بے جانوں کو زندگی بخشنے والی ان
کتابوں کا حال بھی دریافت کر کے دیکھ لو۔ تمہیں کیا خبر کہ انسانوں کے علاوہ وہ بھی ہزاروں اکیلی
موجود ہیں۔ جنہیں حضرت کی جدائی کا غم انسانوں سے بھی زیادہ غم ہو گا۔ انہیں زیادہ
مگر نہیں۔ یہاں کسی کو اپنی ہی خبر نہیں۔ دوسروں کا غم کیونکر بانٹے گا۔ یہاں تو
ہر ایک اپنے سر پر رنج و الم کا کوہِ ہمالیہ اٹھائے پھرتا ہے۔ اور دوسروں کا بوجھ اٹھانے

ہمت کیسے کریگا۔

روتے بلکتے ایک دوست سے استفسار پر پتہ چلا ہے۔ کہ مرشدی غسل فرما چکے ہیں۔ گھر میں خواہش کا امڈا ہوا سیلاب آخری دیدار کر رہا ہے۔ دوسرا سامنے شوق کے گھر کا وہ دروازہ ہے۔ جو دارالعلوم کی جانب کھلتا ہے۔ کبھی اینٹوں اور گارے سے بنے ہوئے اس گھر کا یہ سادہ دروازہ بھی اپنے اندر ایک تاریخ سمیٹے ہوئے ہے۔

حضرت مرشدی کے تشریف لانے کا وقت ہوتا تو عقیدت مندوں کا اژدہام بادیدہ ہوشیار اس دروازے پر ٹکٹکی باندھے فقاہت کے کوہ سر بلند کی آمد کا منتظر ہوتا۔ پھر اس جلوہ گری کا منظر ؟ ۔ سر پر کج کلاہ ہوتی۔ درخشندہ چہرے پر وہ نورانیت کہ ستارے خیرات مانگیں عینک کے پیچھے سے اللہ کے نور سے چمکنے والی آنکھیں کہ عشق مصطفےٰ میں ٹکٹکی نظر آئیں۔ رفتار ایسی کہ صوفیانہ اور فقیہانہ آن بان لیے۔ عالمانہ شان لیے۔ مگر کبر و نخوت سے بالکل مبرا۔ سیدی جب اس وجاہت کے ساتھ نکلتے تو مرجھائے دل پھر سے بہار آشنا ہو جاتے۔ خوف و وہم میں مبتلا طبیعتیں ہشاش بشاش ہو جاتیں۔ اور یاس و قنوط سے دو چار روحیں امید ورجا سے ہمکنار ہوتیں۔ شانت چہرے اور زیادہ شانت ہو جاتے۔ ہاں تو ہمیشہ کی طرح آج بھی اس دروازے پر عشاق کی بھیڑ ہے۔ اور اس دروازے نے یقیناً نہ تو اتنی بھیڑ کبھی دیکھی ہوگی۔ اور نہ بھیڑ کو اس عالم میں ملاحظہ کیا ہوگا۔ اس نے بچوں کو روتے تو دیکھا ہوگا۔ مگر دیوقامت انسانوں کو بلکتے نہیں۔ شیروں کے سے دل رکھنے والوں کو سسکتے اور آہیں بھرتے ہرگز نہیں دیکھا ہوگا۔ ایک دوست نے مجھے آج کے اخبارات لا کر دیئے ہیں۔ جن میں حضرت سیدی و مرشدی کے وصال کی خبر بڑی نمایاں ہے۔ اخبارات نے آپ کے پس ماندگان میں اولاد کی گنتی چھپائی ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ یہ سچ ہے مگر میرا دل اسے تسلیم کرنے سے منکر ہے۔ یہاں تو ہر ایک کو یہ دعویٰ ہے۔ کہ جناب والا کا تعلق اس کے ساتھ سب سے مضبوط اور گہرا تھا۔ اور یہ کہ حضور مرشدی کا اسے شفقت

اولاد سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ وہ اُسے بیٹا۔ اور یہ انہیں ابا جی کہا کرتے تھے۔ پھر
بیٹوں کی تعداد چھوٹی تک محدود نہ رکھو۔ ان کے بیٹوں کی تعداد تو کروڑوں تک ہے۔
لاؤڈ اسپیکر پر ایک اعلان ہوا۔ سیدی فقیہ اعظم تشریف لا رہے ہیں۔ سمندر
کے تلاطم کی مانند لوگ دروازے کی طرف لپکتے ہیں۔ صبر و ضبط کا کسی کا یارا نہیں رہتا۔ میرا دل
کہتا ہے۔ کہ انہیں سمجھاؤں۔ لوگو! ابا جی یہ شور و غوغا پسند نہیں فرماتے تھے۔ وہ تو
مصائب کے پہاڑوں کو پیس کر سرمہ بنا لیا کرتے تھے۔ درد و آلام کے چشمے اُن کا ایک
گھونٹ بن جاتے تھے۔ خبردار چپ ہو جاؤ۔ یہ تو یاد کرو۔ اُس دن کو جب سیدی کے نوجوان
صاحبزادے علامہ ابو الفضل علیہ الرحمۃ کا انتقال ہوا تھا۔ غالباً سوموار کا دن تھا۔ یہ حضرت،
کرسی پر جلوہ افروز ہوتے تھے۔ سامعین دم بخود تھے۔ کہ بیٹے کی وفات پر اظہار خیال
کیا جائے گا؟ بوڑھے سیدی کیا لب وا کریں گے۔ تو کہیں کلیجہ کاٹ کر نہ رکھ دیں۔ مگر نہیں اُن کی تقریر
کا مضمون کچھ یوں تھا۔ ''

'' جب حضور پر نور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام
کا انتقال ہوا تھا۔ تو آپ نے اپنے بیٹے کو مخاطب فرمایا تھا۔ اے میرے بیٹے ابراہیم تیری
جدائی میں میری آنکھیں پُرنم اور دل غمگین ہے۔'' آج میں بھی وہی الفاظ دہرا رہا ہوں۔ کہ اے محمد
فضل اللہ تیری جدائی میں میری آنکھیں پُرنم اور دل غمگین ہے۔ اور بس''

تو اے لوگو! تم کس دھوکے میں آ گئے ہو۔ کہ آسمان سر پر اُٹھا رکھا ہے۔ پھر میں
سوچتا ہوں۔ انہیں بہنے دوں ـــــ سسکیاں اور آہیں نہ بکھریں جی کھول کر رو لیں۔ ان کے
سے باپ کا سایہ اُٹھا ہے۔ یہ یتیم ہوئے ہیں۔ شجر سایہ دار کٹا ہے۔ یہ دھوپ میں
کھڑے ہیں۔ آفتاب و ماہتاب غروب ہوا ہے۔ یہ اندھیرے میں ہیں۔ حقیقی اثاثہ لٹا
ہے۔ یہ بے گھر ہوئے ہیں۔ جب سیدی و مرشدی کو مسکراتا دیکھیں گے۔ تو خود بخود
مطمئن ہو جائیں گے۔ دل کو سکون مل جائے گا۔ ـــــ لو سیدی تشریف
لے آئے۔ میں انہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ کٹھور کٹھور دل رکھنے والوں کی
کے صبر کا

عورتیں یک دم ٹوٹ جاتی ہیں۔ کچھ بے ہوش ہو کر گر رہے ہیں۔ کچھ انہیں سنبھال رہے ہیں۔ اژدہام بے قابو ہو رہے ہیں۔ پولیس اور خدّام کے بھاری دستے کنٹرول کرتے ہیں مگر بے سود۔ مرشدی والا شان اپنے والدِ گرامی اور بیٹے کے مزار کی شمال مشرقی جانب تشریف لائے ہیں۔ زائرین کو منظم رکھنے کے لئے۔ بھاری بانسوں کی باڑ بنا دی گئی ہے۔ طویل قطار لگی ہے بہت طویل۔ بے پرواہ ہجوم اور کثیر اژدہام میں مضبوط اور توانا جسم رکھنے والوں کی سانس اکھڑی اکھڑی دکھائی دیتی ہے۔ مگر اس سعادتِ ابدی کے حصول کو وہ بھی چلے آئے ہیں۔ جن کے پاؤں میں سکت نہیں۔ آنکھوں میں نور نہیں۔ لاٹھی ٹیک ٹیک کر چلنے والے نابینا بھی۔ اور عمر کو چھونے والے بوڑھے بھی ________

قریباً دو بجے دار العلوم کے گیٹ پر ایک کار آتی ہے۔ یہ اس دور کے رازی اور وقت کے غزالی علامہ احمد سعید کاظمی ہیں۔ جو شدید علالت کے باوجود طویل مسافت طے کر کے تشریف لائے ہیں۔ میرا ذہن ماضی کے اوراق کو اُلٹتا ہوا چار سال پیچھے اقبال پارک لاہور میں جا پہنچتا ہے۔ علامہ سید ابو البرکات علیہ الرحمۃ کے وصال کا روز تھا۔ لاکھوں کا مجمع۔ سیدی فقیہِ اعظم مریدین و متوسلین کے جگمگھٹے میں سبزاراں میں جلوہ افروز تھے۔ تھوڑی دور علامہ کاظمی صاحب مدظلہ عقیدت مندوں کے جھرمٹ میں گھرے ہوئے تھے جب انہیں حضرت فقیہِ اعظم کی موجودگی کی خبر ہوئی تو فوراً تشریف لائے۔ علم نے علم سے معانقہ کیا۔ اور پہلو بہ پہلو بیٹھ رہے۔ ان دو شخصیتوں سے مصافحہ و زیارت کرنے والوں کی لمبی قطار میں بہت سے علم و فضل دکھائی دیئے۔ دانشوروں کی نگاہیں علم کے ان ستونوں پر پڑ رہی تھیں۔ زبانیں گنگ تھیں۔ مگر دل سب کے گواہی دے رہے تھے۔ کہ اہلسنت کے دلوں میں یہی دو لعل آبدار ہیں۔ گرتوں کا سہارا۔ بننے والے سب سے بڑھ کر ہاتھ یہی دو ہیں۔ اور جہل و تاریکی کے ماحول میں یہی دو شمعیں خضرِ راہ ہیں۔ مگر کیا کریں کہ آج آدھا سرمایہ لٹ گیا۔ ایک ہاتھ اب ہماری مدد کو نہیں لپکے گا۔ ایک شمع اب ہم ظاہر بینوں کو روشنی نہیں دے گی۔

تیز رفتاری کے باوجود چار گھنٹے بعد بھی آدھی مخلوقِ خدا زیارت سے محروم تھی۔ اور جنازہ

ایک گھنٹہ لیٹ ہو چکا تھا۔ ناچار زیارت موقوف ہوئی آفتاب علم وفضل کا جنازہ اٹھا۔ یہ ماہتاب
طریقت کا جنازہ تھا۔ یہ حقیقت و معرفت کے بحر لا متناہی کا جنازہ تھا۔ چیخیں دھاڑیں
تکبیر بلند ہوئیں۔ مضبوط سے مضبوط دل رکھنے والے بے سدھ ہو کر گر گر جاتے ہیں۔ دارالعلوم
کا دو منٹ کا راستہ آدھا گھنٹہ طے ہوا۔

علامہ کاظمی صاحب مولانا ابوالنصر منظور احمد شاہ ہاشمی اور مولانا غلام علی اوکاڑوی
نے خطاب کیا۔ نماز جنازہ کیلئے کاظمی صاحب کی خدمت میں عرض گزاری گئی۔ وہ ہچکچائے آگے
نہ بڑھے۔ صاحبزادہ محمد محب اللہ صاحب نے پھر درخواست کی۔ تب جا کر آمادہ ہوئے۔ پیرانہ سالی
کی کیفیت نے انہیں نڈھال کر رکھا ہے۔ بے حال کر رکھا ہے۔ ۲ لاکھ کے مجمع کے علاوہ
مولانا غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث۔ مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی۔ حضرت صاحبزادہ
سید مسعود احمد رضوی۔ حضرت صاحبزادہ سید محمد مصطفیٰ اشرف رضوی۔ حضرت مولانا محمد
عبداللہ قصوری۔ حضرت پیر سید محمد علی بخاری کرمانوالہ۔ صاحبزادہ عتیق علی سلطان صاحبزادہ
میاں جمیل احمد شرقپوری صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم اور حضرت صوفی محمد صدیق مرولوی بھی
شریک جنازہ تھے۔ ——— مرشدی پیر مزار کے پاس واپس تشریف لا رہے
ہیں۔ قبر انور پہلے سے تیار ہے۔ بلا کا ہجوم پیر زیارت کو بیتاب انتظامات ناکام ہو گئے
پابندیاں ٹوٹ گئیں۔ اور پروانے الٹے الٹے گرنے لگے۔ چارپائی قبر انور کے پاس رکھی گئی۔ ایک
سادہ طبیعت انسان نے مٹی بکھیرنے کے بعد وہ چہرہ باہر نکلا ہے۔ مجھے تجسس ہوا آگے بڑھ
کر دیکھا تو وہ مٹھی کھول کر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ یکایک اس کی آنکھیں شکر خدا سے
بھر گئیں۔ آنسوؤں کی رم جھم شروع ہو گئی۔ استفسار پر کہنے لگا۔ جب سے سیدی
دارالعلوم میں تشریف لائے ہیں۔ تب سے قدموں کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔ آخر میرے کریم نے
مجھے انعام سے نواز ہی دیا۔ یہ حضرت کے جسم کا بال مبارک ہے۔ اور پھولوں کی یہ چند پتیاں
یہی میرا سرمایہ حیات ہے۔ اب دین و دنیا کی کوئی ناکامی مجھ سے بغلگیر نہ ہو سکے گی۔
اب وہ لمحات قریب آ رہے تھے۔ جب کروڑوں کا آقا مستور ہو جائے گا۔ اس جان لیوا

خیال نے مجھ پر تشنج طاری کر دیا۔ نادانوں کی طرح مسلط شدہ عذاب سے بچنے
کے لیے میں نے آنکھیں موند لیں۔ دریچۂ تصور وا کیا تو مرشدی کے خاندان کے بیسیوں
افراد گروہوں میں بٹے قبر کے اطراف میں نظر آئے۔ نورِ خدا سے چمکتے دمکتے چہروں
والے یہ حضرات سیّدی کے روحانی اور علمی شجرہ سے تعلق رکھنے والے وارثانِ انبیاء تھے۔

(۱) ایک گروہ محدثین کا تھا۔ یہ علامہ ابن حجر عسقلانی ہیں۔ یہ حافظ عسقلانی بدر
الدین عینی، ملا علی قاری اور عبدالحق محدث دہلوی جلوہ افروز ہیں۔

(۲) ایک اور جماعت فقہا و مجتہدین کی ہے۔ ان میں ابنِ عابدین شامی، علامہ ابوالبرکات نسفی
علامہ قدوری۔ صدر الشریعہ برہان الدین مرغینانی۔ ابن نجیم اور ابن ہمام نمایاں ہیں

(۳) ایک اور گروہ مفسرین کا نظر پڑ رہا ہے۔ یہ دیکھو علامہ فخر الدین رازی اور علامہ محمود
آلوسی تشریف فرما ہیں۔ ذرا آگے ابن کثیر اور علامہ جلال الدین سیوطی دکھائی دے رہے ہیں۔
ایک طرف قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور علامہ اسماعیل حقی بھی موجود ہیں۔

(۴) چوتھا گروہ مختلف ادوار کے مجددین کا ہے۔ ان میں حجۃ الاسلام امام غزالی
حضرت مجدد الف ثانی علامہ یوسف نبہانی اور امام احمد رضا خان فاضل بریلوی جلوہ گر ہیں۔

(۵) پانچویں گروہ کی قیادت غوث العالمین محی الدین محمد عبدالقادر جیلانی فرما رہے ہیں یعنی
ایک گروہ کے سربراہ مولانا جامی علیہ الرحمۃ تھے۔ یہ عاشقانِ مصطفیٰ کا پاکیزہ گروہ تھا۔ اسلام
کے ان اساطین کی آمد یقیناً بے وقت نہیں۔ یہ سب اپنے خاندان کے فرد فرید اور رجل رشید
سیدی فقیہ اعظم کو لینے آئے ہیں۔ کیونکہ ذمہ داریوں کو نپٹا لینے کے بعد اس رجل عظیم کو
اپنے کنبے سے جا ملنا چاہیے۔ وارثانِ انبیاء کی آمد اس لیے بھی خالی از معنی نہیں۔ کہ چند ہی
ساعتوں بعد بانیٔ اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے وقت سب مل کر
محبوبِ خدا کے حضور گوہرِ یکتا کو پیش کر سکیں۔

میں نے جبر کر کے آنکھیں کھولیں۔ تو زمین گھوم گئی۔ چارپائی خالی واپس آ رہی تھی۔ میں
کسی دیوانے کی طرح بھاگا پھر رہا ہوں۔ اچانک سامنے سے ایک لمبی قامت کے نوجوان سے ٹکرا کر

ہوئی ہے ۔ وہ جو قوموں سے بے نیاز آنکھوں میں آنسوؤں کی برسات لئے شدتِ غم سے
بے سہارا تنکے کی مانند اڑ رہا تھا ۔ یہ برادرم مولانا محمد عارف نوری تھے ۔ کچھ گنگناہٹ
سنائی دی ۔ کان لگائے ۔ ؎

چھوڑ کے ٹُر گئے دلاں دے جانی ؎

اس سے آگے مجھ سے سننے کی ہمت نہ رہی آگے بڑھا تو حضرت کے نورِ نظر صاحبزادہ محمد محب اللہ
صاحب نوری مدظلہ اور ہی کیفیت سے دوچار دکھائی دیئے ۔ افسوس اور صدمے کی اتھاہ گہرائیوں
میں ڈوبا ہوا ۔ یہ نوخیز پیر بڑے باپ کا جلیل القدر فرزند نہایت استقامت سے خود کو سنبھالے
ہوئے تھا ۔ دل لخت لخت ہے ۔ تپتے ہوئے صحرا میں بھٹکے ہوئے ۔ اس بے سہارا مسافر کی مانند
ہے ۔ جو بھوک اور پیاس سے جاں بلب دکھائی دے ۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہیں ۔ یہ ۲۳ سالہ
نوجوان استقلال کی کند چھری تلے ہے ۔ لب تھرک رہے ہیں ۔ کپکپا رہے ہیں ۔ ٹانگوں میں
لرزہ ہے ۔ مگر خود کو منضبط رکھتے ہوئے آنسو گھونٹ در گھونٹ پئے جا رہا ہے ۔ رونا چاہتا
ہے مگر نہیں ۔ ——— یہ شیر دل بیٹا صبر و شکیبائی سے خود کو سنبھالے ہوئے تھے ۔
کہ اگر یہ بھی بلک بلک کر رو دیا ۔ تو پھر بے سہارا مخلوقِ خدا کو کون سہارا دے گا ۔ عزم و حوصلہ
شریعت و طریقت فقہ و حدیث انتظامی و انصرامی امور اور دیگر تمام شعبوں میں سیدی
فقیہ اعظم نے چار سال تک تربیت اور محنت و کاوش آج ہی کے دن کیلئے تو کی تھی ۔
اے نوجوان تیری عظمتوں کو سلام ۔ عظیم باپ کے عظیم فرزند تیرے ذوقِ استقامت و
ذکاوت کو سلام ۔

ــ ۵ ــ

نور الحبیب ۹ رجب شعبان ۱۴۰۳ سلسلہ تبلیغ ۱۲۶ ۔ ۱۲۷
(مئی اپریل ۱۹۸۳)

؎ سراپا نور تھے اور نور کا دریا بہاتے تھے
اگر خاکی بھی آجاتے تو وہ نوری بناتے تھے ۔

ــ ۵ ــ

۳۰ ــ ۸ ــ ۲۰۰۶

ماہ رجب کے ساتھ سیدی فقیہ اعظم کو کچھ عجیب طرح کا انس و تعلق تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت بھی اسی مہینے میں ہوئی اور وصال بھی اسی ماہ مکرم ہی میں ہوا متعدد احادیث و روایات سے رجب کے فضائل کا پتہ چلتا ہے۔ مگر معراج النبی ﷺ کی نسبت سے یہ مہینہ ماہِ وصال بن گیا۔ ہاں ہاں اسی مہینے رجب ہی کی ایک سہانی رات تھی۔ وہ جب ہمارے آقا و مولا سرورِ کائنات علیہ السلام اللہ تبارک و تعالیٰ کے دیدار و وصال سے بہرہ یاب ہو گئے تھے۔ ہر چند کہ وصال کی کیفیتیں مختلف ہیں۔ مگر آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے لئے، اس کی ایک صورت موت میں مضمر ٹھہری کہ اہل اللہ کی وفات دراصل پیغام وصال اور محبوب و محب کی ملاقات کا ذریعہ ہوا کرتا ہے۔ اسی لئے تو فرمایا گیا۔ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب یوں تو اس ماہ وصال رجب میں لذت وصال سے سرشار ہو کر ابدی حیات پانے والے مقربانِ خداوند تعالیٰ بے شمار ہیں تاہم فی الوقت جو اسمائے گرامی سامنے آئے درج ذیل ہیں۔

۱	حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ	رجب المرجب	سنہ ۱۵ھ
۲	حضرت اسید بن حضیر	//	سنہ ۲۰ھ
۳	حضرت ام المومنین میمونہ	//	سنہ ۳۹ھ
۴	حضرت ام المومنین حفصہ	//	سنہ ۴۱ھ
۵	حضرت عبداللہ بن سلام	//	سنہ ۴۳ھ
۶	حضرت زید بن ثابت	//	سنہ ۴۵ھ
۷	حضرت عبدالرحمن بن خالد	//	سنہ ۴۷ھ
۸	حضرت اسامہ بن زید	//	سنہ ۵۴ھ
۹	حضرت امیر معاویہ	//	سنہ ۶۰ھ
۱۰	حضرت عمر بن عبدالعزیز	//	سنہ ۱۰۱ھ
۱۱	حضرت حسن بصری	//	سنہ ۱۱۰ھ

۳۴ - حضرت زین الدین ابن نجیم الحنفی	رجب المرجب	۹۷۰ھ
۳۵ - حضرت ابن حجر الہیثمی	//	۹۷۴ھ
۳۶ - حضرت قاضی ضیاء الدین عرف شیخ جیاد	//	۹۸۹ھ
۳۷ - حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادی	//	۱۰۵۰ھ
۳۸ - حضرت ملا عبد الکریم سیالکوٹی	//	۱۰۶۶ھ
۳۹ - حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی	//	۱۲۲۵ھ
۴۰ - حضرت موسیٰ پاک شہید ملتان	//	ھ
۴۱ - حضرت مولانا عبد العلی بحر العلوم	//	۱۲۳۵ھ
۴۲ - حضرت شاہ عبد القادر دہلوی	//	۱۲۴۳ھ
۴۳ - حضرت فقیہ ہند شاہ محمد مسعود محدث دہلوی	//	۱۳۰۹ھ
۴۴ - حضرت سید ابو الحسین احمد نوری	//	۱۳۲۴ھ
۴۵ - حضرت خواجہ محمد دین سیالوی	//	۱۳۲۷ھ
۴۶ - حضرت مولانا سید دیدار علیشاہ الوری	//	۱۳۵۴ھ
۴۷ - حضرت سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی	//	۱۳۵۵ھ
۴۸ - حضرت سیدی فقیہ اعظم مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی		۱۴۰۳ھ

(رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ)

یہ اسمائے گرامی ایک بار پھر ملاحظہ کریں۔ ان میں جلیل القدر صحابہ کرام بھی ہیں اور تابعین و تبع تابعین بھی ——— مشائخ و اولیاء کبار بھی ہیں علماء و فقہاء بھی ——— آئمہ مجتہدین بھی ہیں۔ اور محققین و محدثین بھی ——— حق تعالیٰ ماہ رجب میں لذت وصال سے بہرہ یاب ہونے والے جملہ اکابرین امت کے درجات بلند فرمائے۔ اور ان کے تصدق سے ہمیں بھی اپنا اور اپنے پیارے حبیب ﷺ کا خصوصی قرب عطا فرمائے۔

نور الحبیب ص ۵ جلد ۲ جنوری ۱۹۹۱ء شمارہ ۱۱

رجب المرجب ۱۴۱۱ھ — ۳۰-۸-۲۰۰۶

حضرت غریب نواز اجمیری رح

(۱) تاریخ ولادت: ۵۳۷ھ بمقام سنجر علاقہ سیستان تاریخ وصال: ۶ رجب المرجب ۶۲۷ھ بمقام اجمیر القدس کل عمر شریف ۹۷ سال۔ نام معین الدین حسن۔

القابات: عطائے رسول۔ غریب نواز۔ خواجہ خواجگان۔ آفتاب چشتیاں۔ سلطان الہند۔ نائب رسول اللہ۔ وارث الانبیاء۔ چشتی کہلانے کی وجہ: بیان کرتے ہیں کہ آپ کے سلسلے طریقت کے مورث اعلیٰ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی رضی اللہ عنہ جب حصول بیعت کی غرض سے حضرت خواجہ ممشاد علی دینوری رضی اللہ عنہ کی سرکار میں حاضر ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے کہا۔ اور قیامت تک جو تیرے سلسلے میں داخل ہوگا۔ وہ بھی چشتی کہلائے گا۔ اسی نسبت سے خواجہ بزرگ بھی چشتی کہلاتے ہیں۔

نسب نامہ | باپ کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب گلگوں قبائے شہید کربلا سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور ماں کی طرف سے امام العہدی سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ سرکار غریب نواز کی والدہ ماجدہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی چچا زاد بہن ہیں۔ اس رشتے سے حضور غوث پاک خواجہ غریب نواز کے ماموں ہوتے ہیں۔

عہد طفلی کا ایک رقت انگیز واقعہ | عید کا دن تھا۔ ہر طرف مسرتوں کی چہل پہل تھی۔ ساری فضا رنگا رنگ کے پھولوں کی خوشبو سے مہک اٹھی تھی۔ آبادی کے ہر گوشے سے فرزندان اسلام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر عیدگاہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ بیش قیمت پیراہن میں ملبوس حضرت خواجہ بھی اپنے گھر والوں کے ہمراہ عیدگاہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں ان کی نظر ایک نابینا لڑکے پر پڑی۔ جو رہگزر سے ذرا ہٹا اداس و غمگین کھڑا تھا۔ اس کا اترا ہوا چہرہ شکستہ پیراہن غربت زدہ حال۔ یہ عجب حالت دیکھ کر حضرت خواجہ کا دل بھر آیا۔ اسی وقت اپنے کپڑے اتار کر اس غریب نابینا بچے کو پہنا دیئے۔ اور اسے اپنے ہمراہ عیدگاہ لے گئے۔

اس واقعہ کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا۔ کہ بچپن ہی سے حضرت خواجہ غریب نواز تھے۔

تعلیم و تربیت | سات سال کی عمر شریف تک آپ کی پرورش خراسان میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کا زمانہ والد بزرگوار کے زیر عاطفت گزارا۔ اس کے بعد سنجر کی مشہور درسگاہ میں داخل ہوئے۔ اور وہاں سے تفسیر حدیث اور فقہ کی تعلیم مکمل ہوئی۔ چودہ سال کی عمر شریف میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔

ایک مجذوب سے ملاقات | کہتے ہیں ایک دن آپ اپنے باغ کو سیراب کر رہے تھے۔ کہ اپنے وقت کے مشہور مجذوب حضرت ابراہیم قندوزی باغ میں تشریف لائے۔ حضرت خواجہ نے نہایت عزت و احترام سے انہیں بٹھایا۔ اور خوشۂ انگور سے ان کی تواضع فرمائی۔ خواجہ کے حسن سلوک سے مجذوب کا دل خوش ہو گیا۔ انہوں نے اپنی ہتھیلی سے سوکھی ہوئی روٹی کا ٹکڑا نکالا۔ اور دانت سے چبا کر حضرت خواجہ کو پیش کیا۔ اسے کھاتے ہی دل کی حالت بدل گئی سر مستی عشق کی ایک ہی جنبش میں علائق کی زنجیر ٹوٹ گئی۔ اسی عالم میں حضرت خواجہ نے باغ اور پن چکی فروخت کر کے ساری قیمت غرباء و مساکین پر لٹا دی۔ اور حالت بے خودی میں خراسان کی طرف نکل گئے۔

خراسان سے ہندوستان تک کا طویل سفرنامہ | ۵۳۵ھ سے ۵۸۲ھ تک ۷۷ سال کا اکثر حصہ آپ نے سفر میں گزارا ہے۔ اس درمیان میں کہیں مہینوں کہیں سالوں تک قیام بھی ثابت ہے۔ سفر کی پوری تاریخ چونکہ مرتب حالت میں نہیں ہے۔ اس لیے اجمالی طور پر صرف ان مقامات کی فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ جو دوران سفر سرکار خواجہ کے قدموں کے نیچے سے گزر گئے (۱) خراسان (۲) سمرقند (۳) بخارا (۴) عراق عرب (۵) ہارون (۶) بغداد۔ (۷) کرمان (۸) ہمدان (۹) تبریز (۱۰) استرآباد (۱۱) خرقان (۱۲) میمنہ (۱۳) افغانستان۔ (۱۴) غزنی (۱۵) ہرات۔ (۱۶) خالوجہ (۱۷) مکہ معظمہ (۱۸) مدینہ طیبہ (۱۹) بدخشاں (۲۰) دمشق (۲۱) جیلان (۲۲) اصفہان (۲۳) چشت (۲۴) ہندوکش تا ہرات ملتان لاہور سمانہ دہلی اجمیر المقدس = اس سفرنامے میں ۵۲ سال کی مدت شامل ہے

شامل ہے۔ جو حضرت خواجہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ عنہ کی ہمرکابی میں گزاری ہے۔ اس سفر میں سرکار بغداد حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ سے بھی حضرت خواجہ کی کئی بار ملاقات ہوئی ہے۔ ایک ملاقات میں سرکار خواجہ کے متعلق حضور غوث اعظم کی یہ بشارت بھی منقول ہے۔ کہ یہ مرد مقتدائے عالمین میں سے ہوگا۔ اور اس کے ذریعہ بے شمار طالبان حق منزل مقصود کو پہنچیں گے

مرشد سے ملاقات انیس الارواح نامی کتاب میں خود حضرت خواجہ نے اپنے قلم سے اپنے مرشد کی ملاقات اور بیعت کا واقعہ یوں تحریر فرمایا ہے۔ مسلمانوں کا یہ دعاگو معین الدین حسن سنجری بمقام بغداد شریف خواجہ جنید کی مسجد میں اپنے مرشد پاک ——— سر آنکھوں پر (انیس الارواح) = حضرت خواجہ کے قلم سے واقعہ بیعت کی یہ ایمان افروز سرگزشت غور سے پڑھیے۔ نقطۂ آغاز پر جب عالم غیب کے انکشافات کا یہ حال ہے کہ تحت الثریٰ سے حجاب عظمت تک ساری کائنات نظر کے سامنے ہے۔ تو اس کے بعد کے مقام کشف و عرفان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

نور الحبیب ص رجب المرجب ۱۳۹۸ ھ

جون ۱۹۷۸ سلسلہ تبلیغ $\frac{۱۲۸}{۲۵}$

آپ کے والد کا نام خواجہ غیاث الدین والدہ ماجدہ ام الورع۔

ولادت نویں جمادی ~~الاول~~ آخر ۵۲۲ ھ پنجشنبہ کے روز بوشت منسوب سنجر کا نام آپ کی والدہ زبانی بیان کرتی ہیں ایام حمل میں میرا گھر دنیا و دینا کی خیر و برکت سے بھر گیا۔ اور مجھے خواب نظر آنے لگے۔ اور جب حضرت کے تن مبارک میں جان آئی۔ شکم والدہ ہی میں نصف شب سے صبح کے وقت تک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی والدہ یہ آواز سنتی تھیں ولادت شریفہ کے بعد بھی یہ دستور رہا۔ نور الحبیب ص ۸ رجب ۱۴۰۲

Moulana Qari Muhammad Abbas Ni... Distt. Teh. Pakpattan

۳۰-۰۸-۲۰۰۶

عظمتِ مصطفیٰ ﷺ

قاضی محمد وہاج
وہاڑی

گفتگو پروگرام ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ لقد جاءکم بشیر و نذیر واللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر ۔
بہت نہایت ہی قابل صد احترام برادرانِ اسلام ۔ محترم بزرگو دوستو ۔ بھائیو بھیناں تے دھیو ۔ ذی وقار علماء و خطباء اہل سنت ۔ نعت خوانانِ گرامی قدر ۔ بالخصوص تعظیم و تکریم مخدوم العلماء حضرت علامہ مولانا الحافظ القاری فیض احمد صاحب چشتی ۔ دامت برکاتہم العالیہ ۔
اللہ رب العزت جل جلالہ کا فضل و کرم ۔ اور اس دی خاص لطف و عنایت میرے اور تہاڈے شامل حال ہوئی ۔ تے اللہ نے اپنی پیدا کردہ مخلوقات وچوں جس مخلوق نوں بہت اچھے طریقے نال بنایا ۔ اللہ نے اس مخلوق وچ سانوں پیدا فرمایا ۔
جس اجتماع وچ وی جائیے پہلی ربیع الاول شریف توں لے کے ۱۲ ربیع الاول نہیں بلکہ ۳۰ ربیع الثانی تک ہر اجتماع وچ ہر آن والا سامعین وچ ہر اک بندہ سمجھدا اے ۔ بس خطیب منبر تے بہہ جاوے نال اک واری ہتھ جھنڈیاں دی تقریر تعلی پا دیوے ۔ تے کسے ساڈیاں بنڈیاں دسیا اے ۔ جیہڑی گڈی ٹردیاں ای ٹاسے گھیرا دیوے ۔ اوسدا ایکنڈ ایج ای بہہ جاندا اے ۔ اس واسطے میں ۔ جتنی دیر تک دی گفتگو کراں گا میں تحدیثِ نعمت دے طور تے کہہ رہیاں آں ۔ رب کائنات دے فضل و کرم نال ۔ بیدلی شاہد ادم دی نظرِ عنایت اور میرے والدِ گرامی حضرت نوری صاحب دی پاک تربیت اور میرے لائق اساتذہ دے جوڑے رسدھے کرن دے نتیجے وچ ملن والی تعلیم نے دسیا اے ۔ کہ وقت دو سراں تے جایاں وچ میں ضائع نہیں کرنا میرے گلے نے اگر سات دتا ۔ میں مزید امام اہل سنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ دا کلام پڑھاں گا ۔ سورۃ دی میرے ہتھیں آگیا اوہی ان شاء اللہ مزید پڑھاں گا ۔ مگر میں کوشش کرداں پیاں کہ سب توں زیادہ میں یا اللہ دا قرآن پڑھاں ۔ یا نبی دا قرآن پڑھاں ۔ اور اگر گلے نے ساتھ نہ دتا ۔ تے صرف ترنم ای نہیں ہووے گا ناں ۔ تے سادے ترنم نال تے ہنس پڑھدے ناں ۔ گفتگو سنو ۔ توجہ دیو جی ۔ رب کائنات دے اک

کریم توں قربان جاواں۔ اللہ نے بے شمار مخلوقات بنائیاں۔ ساری مخلوقات تے نظر پا کے اللہ
نے فرمایا۔ جنہوں اپنی بنائی ہوئی چیزاں وچوں سب توں سوہنی چیز ہووے لگی۔ جنہوں ساں شکل
انسان عطا فرمائی۔ ——— سبحان اللہ (عقیدے نے سدا ونج)
یا اللہ انساناں دے ٹھاٹھاں مار دے سمندر وچوں۔ پھر اگر دیکھیں۔ جنہوں کون سوہنا لگا
شہر یار انساناں دے ٹھاٹھاں مار دے سمندر وچوں۔ انساناں وچوں۔ جنہوں اوہ بڑا ای پیارا لگا۔
جنہوں آمنہ دے لال نے دولت ایمان عطا فرما دتی اے۔ پتہ لگیا۔ عام انساناں نالوں جس
انسان کول دولت ایمان اے۔ اوہ اللہ نوں بڑا پیارا لگدا اے۔ میں دیکھیا دولت ایمان
کدے کول اے۔ میرے سید عالم دے۔ اک فرمان ذیشان نوں توجہ نال سنیا جے۔
میرے آقا نے فرمایا۔ ایمان دیاں کل ۳۶۰ نشانیاں نیں۔ کتنی نشانیاں نیں۔ اک
اک گل سنیا جے رب کائنات دے فضل نال۔ میرے سوہنے آقا نے فرمایا۔ ایمان دیاں کل نشانیاں
۳۶۰۔ عرض کیتی یارسول اللہ۔ انہاں ۳۶۰ دے بارے ساڈے واسطے کی حکم اے۔ میرے آقا
نے فرمایا۔ کل نشانیاں ۳۶۰ نیں۔ میں وعدہ کرناں آں۔ جیہڑے وچ اک وی پائی
گئی۔ میں رب دی بارگاہ وچ اوہنوں مومن منوا لواں گا۔ سبحان اللہ
۳۶۰ نشانیاں ایمان دیاں۔ میرے آقا قربان جائیے۔ تیری جرات۔ الفت کولوں پہلا سوال
ایہہ اے۔ کملی والیا توں فرمایا اے۔ ۳۶۰ علامتاں نے ایمان دیاں۔ ذرا نظر پا اپنی امت
وچ۔ کوئی ایسا وی اے۔ جیہڑے وچ پوری دیاں پوریاں ساریاں ای ہو جاون (عقیدے کیا گئا)
پہلے نظر پا۔ تیری نظر دی وسعت ویکھنی اے میں۔ تیری سوچ
دی گہرائی ویکھنی اے۔ تیری رحمت دی وسعت ویکھنی اے۔ توں فرمایا اے۔ ۳۶۰ وچوں
اک وی ہووے۔ اوہنوں مومن منوا لاں گا۔ السلام کملی تے تیری کھوڑی کیوں اے ساڈیاں
اودھ دس جیہڑے وچ ۳۶۰ پوری دی پوری ہووے۔
میرے آقا نے فرمایا جے میرے کولوں دیکھدا ایں تاں۔ تے میں عہد تے چار جیہڑے نظر مار دے
کے فیصلہ سنا دیتا اے۔ ۳۶۰ دیاں ساریاں نشانیاں۔ میرے ابوبکر غلام وچ ہیگیاں نیں۔

جیہڑوں زمانہ ابو بکر صدیق کہندا اے ۔ سبحان اللہ ۔ نعرۂ تکبیر ———
اک جملہ میں اک ہور ۔ اپنے نمبر بنڑ لائی دی گل کراں گا ۔ علامہ نوں واپس کر دیاں گا ۔
میں پچھیا اپنے آقا نوں ۔ ۳۶۰ علامتاں کیوں ہن ۔ فرمایا تینوں پتہ نہیں ۔ اوہناں کعبے
وچہ وی ۳۶۰ ای رکھے سن ——— جے تقریر کسے بیسٹ وچ نظر آ جاوے ۔ کسے کتاب
وچوں لبھ جاوے ۔ کسے مولوی نال مل جاوے ۔ میں گنج شکر دی خطابت ای چھڈ دیاں گا ۔
۳۶۰ کعبے وچہ بت بنا کے خدا سمجھ کے رکھے ہوئے ۔ میرے آقا نے اعلان کیتا کہ رب
کہیں اُتے ۔ ذات اے رحمان اُتے ۔ میرے رب نے فرمایا حبیب میرا اعلان کر ۔ فرمایا تیرا اعلان
کراں ۔ میں تیرا کر دیواں ۔ میرا کون کرے گا ۔ اوہ فرمایا سوہنیا ۔ اوہ گھنڈی جو صدیق
ملیا ——— اوہ میرے پیارا میرا گل تے پوری ہو لین دے ۔ کعبہ کیوں بت
گیا این ۔ میرا محبوب نہیں این ——— اک لکھ چوی ہزار کولوں اعلان کروایا ای ۔
جیہڑوں دی کہندا اے اعلان کرا جیہڑے اعلان وچہ تے میرے اعلان وچہ فرق کی اے ۔ فرمایا سوہنیا
تینوں پتہ نہیں اے ۔ اک لکھ چوی ہزار دی زبان وچہ وی ۔ اوہ تاثیر کوئی نہیں ۔
توں بولدا جاویں گا اوہ معبود جاندے گے ——— نعرہ
تیرا کہندا جاویں گا ۔ اوہ جھنڈ دے جان گے ۔ اوہ کہندے ہین ۳۶۰ توں کہندا اے ذکر
۳۶۰ توں جھنڈ کے امتحان ہُن لیا اے اک توں ۔ میرے آقا نے دسے دتا مقابلہ فرمایا
360 دے مقابلے وچہ ۔ 360 ای آوے ۔ امتحان پرچہ ایمان دا
کمرہ امتحان دا ۔ موضوع ہووے ریاضی دا ۔ سوال ہوون دس ۔ ہر سوال ہووے ۱۰ نمبر ۔
تے جے دس دے دس پورے ہو جاون ۔ ۱۰۰ بٹا ۱۰۰ + اوہ کہندے ہین کیا گیا ۔
ریاضی دا مضمون ای ۔ اوہناں وچوں تینوں کوئی نمبر کٹ سکدا ای نہیں ۔ ہر جے
سوال دس ہین ۔ ہر کے سوال دس ہین ۔ توں سوال کرن لگا ٹیل ماریا دے ۔ میں جواب
دین لگا پورا زور لایا ای ۔ مضمون ہور آ گیا ۔ ہاسی اوہ وی ۱۰۰ نمبر دا ———
بچہ کی کیسی ؟ نمبر تھوڑے دیاں تھوڑیاں جوڑیاں جمع کیتے امتحان کیتا

32/100

میں آکھیا۔ ایہہ پاس اے کے فیل اے۔ میں آکھیا 33 والا پاس اے۔ امتحان ہو گیا۔
اک وجہ ہور اے ۔ 33 والا اس واسطے پاس ہویا۔ اینہاں علم تے پورا سی۔
خط نوں پار کر گیا۔ اس واسطے اینہاں دی ذاتی صلاحیت دی بنا اُتے۔ اینہوں 33 دِتے گئے
دی رعایتی پاس کرنے آں۔ مینوں خدا دی خدائی دی وجہ۔ کوئی ایسا پرچہ امتحان دا وکھا جیہنے
کل نمبراں وچوں۔ کوئی اک نمبر لوے۔ تے پاس ہو جاوے۔ آمنہ دے لال سوہنے کرم توں
قربان جاواں۔ ایمان والا پرچہ۔ 360 نمبراں دا اے۔ تے سارے توں ساڑا اک نمبر دی
لے لوے۔ تے اوہ وی پاس ہو جاندا اے۔ (نعرہ)
میرے جیہے نوں ہور سمجھ۔ میرے آقا دی نال عنایت توں قربان جاواں۔ پرچہ کل اے
360 نمبر دا۔ تے 33 نمبر دا اے حساب نال جیہڑا 120 ہووے۔ تے پاس ہوندا اے
میرے آقا توں قربان جاواں۔ فرمایا 120 ایہہ بندا اے نال۔ اوہ توں 120 وی
چھڈ اوئے یار۔ تیرا دلا وی چھڈ۔ توں اکو تے ای آ۔ لیکن اک تے ہو کے آ۔
اک تے اک کر کے آ۔ شرک کولوں۔ بغض لوکوں کینے کولوں۔ نفاق کولوں۔
عداوت کولوں۔ حسد کولوں۔ پاک ہو کے۔ خدا تے مصطفیٰ دا۔ اک سجدے کے۔
کلمہ پڑھ کے۔ خدا دا۔ لڑ پھڑ کے مصطفیٰ دا۔ ایمان دا نچ کرنا اے
اک اے۔ اک اے۔ اک اے۔ ساتوں ہر دم اک دی سک اے۔
جیہڑا اک نوں دو کر جاندے۔ اوہ ای کافر تے مشرک کہندا اے۔ نعرہ۔
میں عرض کر دا ساں۔ اینوں ملاحظہ کر کے ایمان دیاں گلاں۔ ایہہ بے علم والیاں
دی بولی۔ خطیباں دی بولی۔ پڑھے لکھے ہوئے فاضلاں تے عالماں دی بولی۔ کہ 360 صلاحیتاں
بنیں۔ اک صلاحیت دی پارکھ تے ایہہ فیصلہ میرے پیغمبر دا اے۔ یار ایہہ تے اوہ دربار
محمد اے۔ جتھے اک نمبر دو والا فیل نہیں ہوندا۔ کوئی کوشش کرے گا) 120+30
ہو جاندا۔ پر 360 والا اکو ای اے۔ میرے آقا مولیٰ نے فرمایا۔ لو خدمت لا ایمان الی بکر
مع الایمان الی بکر۔ اگر میری امت دا ایمان۔ ترازو دے اک پلڑے وچ ہووے۔ تے دوجے

پلڑے وچ رکھ دے سیدنا ابوبکر ہووے۔ ابوبکر بھارا ہو جاندا تے امت ہولی ہو جاوے گی اے۔ نعرہ
ایہہ میں کیوں آکھیا اے۔ ایہہ میں ایس واسطے آکھیا اے۔ متاں کوئی کم عقل ہووے پسار پٹے
تے ضد کرے۔ میں وی 360 ای لینے ہیں۔ ایہہ 360 والا تے حال نے اکو ای جمیا اے۔ جنہوں
لوک صدیق اکبر کہندے نیں۔ اج تے عمر وی کھڑا اے تے عثمان وی کھڑا اے۔ لیکن
علی المرتضیٰ وی کھڑے نیں۔ میں نہیں کہندا آپ علی کولوں کھو لے۔ علی کہندا اے میں
کعبے دی چھت دی گل ہووے بتاں دی لاہن دی خاطر میں اپنے رسول نوں آکھیا توں میرے
موڈھیاں تے چڑھ جا (یہ مرتبہ) گرچہ تھوڑی جیہی اوچی اے۔ میں تیرا رسول بن جاناں آں۔
تے کعبے دی چھت نال لگ ہووے۔ بتاں نوں توڑ دے۔ میرے آقا مسکرا پئے۔ فرمایا علی ایہہ
خیبر دا دروازہ نہیں اے۔ ایہہ محمد کہندے نیں۔ (نعرہ)
ایہہ خیبر دا دروازہ نہیں اے جنہوں دھکا دتا ای تے اہ اگاں جاندا ہویا تے رہی گل
ایس گل دی۔ کہ توں ایہہ سمجھیں کہ ابوبکر چک سکدا اے تے میں کیوں نہیں چک سکدا
رہیا میرے تے ابوبکر وچ فرق کی اے۔ توں کہندا ایں کہ توں وی چک لویں گا۔
جنہے بھار توں میرے چکے ہین نال، اوہناں بھاراں نوں میں وی نہیں چک سکدا۔ اوہ
میرا بھار تیرا خدا ای چکے گا۔ نعرہ
فرمایا علی ایہہ نہ ہووے کہ ابوبکر نے میرا چک لیا ای۔ توں وی چک لویں گا۔
میں چڑھے جاندے ہاں۔ اوہناں نوں ویکھ کے ویکھو پہاڑ دی چڑھائی چڑھدے
تے ساہ لیندے نیں تے آقا میرے ابوبکر دی عظمت نوں سلام۔ جنہاں محمد نوں چک
کے وی چڑھائی چڑھ گیا سی۔
360 والا ہو ولد نہ بنیں۔ تو شکر کر خدا دا۔ اک نمبر لیاں دی پاس ہو جانا اے۔
آئے توں ویس صبر کی ہونا چاہی دا اے۔ میں اپنے آقا و مولا علیہ السلام دے فرمان
عالیہ وچوں اک فرمان پڑھنا۔ لِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمٌ۔ وَعَلَمُ الْاِیْمَانِ بِالصَّلٰوۃ۔
ہر شے واسطے کوئی نہ کوئی نشانی ہوندی اے۔ جیویں توں ویکھ لگدا اے۔

حضور ہوراں نے فرمایا ایمان دی علامت ہے۔ الصلوٰۃ۔ ساڈے ترجمے وچ ہر مولوی دا اک
تکیہ کلام وچ اتفاق اے۔ ایہدا معنیٰ اے۔ ایمان دی نشانی دا۔ (نماز) اے۔ پر میں
بے ایہوں نشانی کیہ لوکاں نے ایمان پورا نہیں ہوندا۔ میں پچھیا کیوں۔ میں آکھیا نماز تے
منافق وی پڑھدے جاندے سن۔ تے دوزخ وچ ای پہنچ گئے نیں۔ (بقرہ)
ہے صلوٰۃ دا معنیٰ صرف نماز لیئے ہے ـــ اسلام دے باقی احکام دی پوری کرے۔
جیویں حضرت امیر آغا تے سمجھ پڑھدا نال آجاوے۔ کیوں اوہ سچا اے۔ جیہڑا اسلام توں بچ
جاوے سمجھیں سب ایمان نے کچا اے۔ (بقرہ)
آگے ایہہ کی کہہ رہا اے جی۔ صلوٰۃ دا معنیٰ درود دا لیا اے۔ تے صلوٰۃ نوں توں بطور
علامت۔ میں آکھیا علامت کیہنوں کہندے نیں۔ اک جنہے نال کسے شے نوں پچھانیا جاوے۔
کوئی دوا خریدی ہے تو مہر دیکھنی۔ تے مہر وی دو طرح دی ہوندی ای۔ اس قسم
والیاں دی مہر گول ہوندی ای۔ پر یاد رکھیں ایہہ گول کوئی نہیں بنا سکدا۔ جیویں
فرشتے نے بنایا اے۔ ایہہ اک گل اے۔ میتوں پچھان آجائے گی کہ ایہہ سودا کھرا اے۔
علامت سچی اے۔ نشانی سچی اے۔ اگر ایہہ نشانی ہووے۔ تے پچھان توں اللہ صحیح پچھانے گا۔
میں رب دا شکر ادا کر کے تیرے توں قربان جانواں۔ جیہڑا معنیٰ میں بتایا اے۔ لکل شئ
علامۃ۔ وعلامۃ الایمان بالصلوٰۃ۔ حضرت آقا نے فرمایا ہر شے دی کوئی نہ کوئی نشانی
اے۔ تے ایمان والے شئے کی نشانی۔ جس شئے دا نام ایمان اے۔ اوہدی
نشانی الصلوٰۃ اے۔ میں صلوٰۃ دا معنیٰ نماز نہیں کیتا۔ میں صلوٰۃ دا معنیٰ
درود کیتا اے۔ میں ویکھیا سرورِ عالم نوں۔ فرمایا باقی رسول۔ اک قوم واسطے یا
اک بستی دا لسطے۔ یا اک علاقے دا سطے۔ محمد ساری خدائی دا رسول بن
کے آیا اے۔ انساناں دا وی رسول آں۔ حیوانات دا رسول آں۔ درختاں دا رسول آں
پتھراں دا رسول آں۔ جانوراں دا رسول آں۔ فرمایا لوکاں کیہندا اے۔ میں مکہ چھڈ کے
مدینے نوں حضور تشریف آئے دی۔ پتھر نوں پچھاندا آں۔ جیہڑا مکے وچ لگدا یاں

پہچان کے ملاوہ پڑھدا اے ۔ بندہ ـــــ
پلے بنھ لے ۔ نہ بندہ اے ۔ نہ بندے دا اینہے جیہڑا مصلے اتے دوروں نہ پڑھے ۔
میں رب دی رحمت توں ڈر بان جانواں ۔ فرمایا کوئی پڑھ لوے تے بخشاں والے
کوئی نہ پڑھے تے اسے جیہے چنگل لکھا چھوڑ کی نیں ۔ میں اپنے یار نال سودا پہلے ای مکا
لیا سی ۔ سودا کی مکایا سی ۔ میں آکھیا سوہنیا میرا اعلان کر ۔ اسے میتھوں آکھیا
بے میں تیرا اعلان کراں ۔ فرمایا توں اعلان کر کے ویکھ ۔ میرا اعلان توں کر دیویں
تے جے ہر شئے بنڑن میں تیریاں شیاں نہ کرادیواں ۔ میتھوں خدا نہ آکھیں ۔
آ میرے حبیب آ کراں کے ٹر چے ۔ آ میرے حبیب ویکھیں ۔ تو اعلان کر ۔
ایہناں اک تھوڑے کتی ہزار نوں نہیں ملیا ۔ ہر حبیب تینوں ویکھدے جان
گے میتھوں منگدے جان گے ۔ نعرہ ـــــ
سوہنیا میں آپوں تینوں نہیں آکھیا ۔ میں ہر شئے تے قادر آں ۔ ایہدے باوجود
تے میں قادر آں ۔ (بیان میلاد دا ذکر روکنے والیاں دا حال)
آکھے خدا دی تعریف کر ۔ آکھے خدا بہت بڑا اے ۔ میں آکھیا ہور زور لگا ۔
میں آکھیا ہور آکھے خدا بہت بڑا اے ۔ تینوں توں خدا دی بڑائی دم ٹل ٹل
مار دیاں مار دیاں ویکھو توڑ پہنچ ہو جے گا ۔ میں محمد تے درود پڑھدیاں پڑھدیاں
وصل کر سکواں گا ۔ نعرہ ۔
آکھے خدا میں آکھیا کون خدا ۔ آکھے تینوں نہیں پتہ ۔ میں آکھیا مینوں نہیں
پتہ ۔ میں آکھیا مینوں جیہڑے نال غرض اے ۔ رب دی قسم میرے رب نوں
وی اس نال غرض اے ۔ نعرہ ـــــ آکھے مطلب کی اے ۔ میں آکھیا
مطلب دسدا مینوں شیر ربانی نے ۔ اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری
نقش ـــــ خدا کس نوں کہندے نے کیا جاندے نے ۔
عہ شیریں زبانی سے سنا اسا محمد ـــ

پھر آقا ﷺ نے کہیں ناں میں تے رحمان دی بڑی زبان وچوں سُن کے منیا اے۔ تے قرآن
دی پتری زبان وچوں سُن کے منیا اے۔ قرآن نے ورق کو اکھاں ٹیٹوں ناں ہوں۔
ایہدے تے پتہ لگ گیا۔ خدا دا منن والا ایں۔ میں آکھیا توں دس خدا کون اے۔
کہن لگا خدا رب اے۔ بول پتھو لوکاں نیٹھاں لفظاں ای آکھنا ایں۔ پتھی دسے ہوئے
پتے سی۔ — خدا رب ہے۔

کہن لگا خدا رب ہے۔ میں آکھیا کدوں دا۔ کہندا توں تاں پتے بیٹھے سوال کرنا ایں
میں آکھیا چلو ہور پچھ لواں گا۔ کدوں دا ہیں۔ کدوں تک۔ آکھدا ایہدا دی پتہ نوں
نہیں پتہ۔ کدوں دا ہے ایہ دی پتہ نہیں پتہ۔ کدوں تک رہوے گا۔ ایہدی وی پتہ ناں
نہیں پتہ۔ تے میں آکھیا چلو کیوں ہا یا ای۔ معلوم ہویا خدا ہوندا ای اوہ ہے۔ پھر
رب دی ربوبیت دا کمال ای ایہ ہے۔ جیہڑا ہر کہ کولوں تک کولوں۔ سب کولوں ہو
کولوں۔ اوہ پاک تے بے نیاز اے۔ میں آکھیا چلو رب دا ہیں۔ میرا رب فرماندا کہ
میرے حبیب اینہاں چیلیاں دی زبان وچوں نکلی ہوئی۔ کوئی کچھ سُن کے جان ز
توڑیں۔ میرے ولے ویکھ۔ اعلان کر میں رب ہاں۔ میں رب سدا ں۔ میں رب رہواں
گا۔ اوہ رب ہوئے کہیاں آں۔ اے میرے حبیب آ توں دسدا سیں۔ تو دسدا ہیں
توں ای دسدا رہویں گا ہے ہر پتہ ——— لفظ۔

سولاں شرار کرم ہویا سب رانکھ زندہ لا دتا۔ فرمایا ایہ نہیں شیشوں پتہ لے میں
سب رانکھ اپنے محبوب توں دے دتا اے۔

دم دم نال ذکر کراں۔ میں اوہدیاں شاناں دا۔
تیرے نام توں وار دیواں۔ جند میری لکھ ہووے۔

(B)

یار سول اللہ ﷺ رب دی توحید بڑی بیان کر گئی اے۔ میں آقا علیہ السلام نوں
عرض کیتا۔ سنو تسیاں نوں نبی کدوں بنایا سی۔ یار سول اللہ ﷺ ایہدے سالاں دی
پتہ اے۔ ﷺ تیرے توں پہلے آدم آچکیا اے۔ نبی آکھدے نیں۔

نشر دا سلسلہ نبوت واجب کروں ہو گئی۔ فرمایا سادہ جیہا جواب دیواں۔ فرمایا
ایہنوں بڑا ہووے دا نہیں بنیا ہی۔ جدوں میں نبی بنیا ساں ۔
حدیث نبوی وچ وے ۔ آدم بین الروح والجسد ۔ آدم دا ڈھانچہ پیا
ہویا انتظار کر رہیا سی ۔ میں امیت بولن جوگا ہووہاں گا ۔ جد میرے وچ بولن
والا آ جاوے گا ۔ ہنرہ ——— بولیا ۔

۳ آکھے کی بولیا ۔ میں آکھیا قرآن پڑھے ۔ اذ قال ربک للملائکۃ جاعل فی الا
کوئی وی نہیں سی بولدا ۔ ش آکھ بولدا ۔ لیکن میں قربان جاتوں ایس اک دے
بولن توں ۔ نبی توں چالیس سال توں بعد نبوت ملی ۔ اور یاد رکھو میرا قرآن
تکنیا سے ۔ جدوں اک بولیا ۔ اوہنوں سنا یاد کا اک نوں ای شے

~~فرشتوں کو فرمایا ۔ انہوں نے جواب دیا~~

اذ قال ربک ——— سوہنیا میں بہہ گیا میرا تے ۔ توں تے اگے اک کرسی تے سیں۔
اس دن میں کرسی تے بہہ گیا ۔ تاں سب دریاں فرشتیاں نوں میں اکٹھیاں کر لیا ۔ تے میں پہلے
آکھیا ۔ آ نو فرشتو ۔ میں زمین وچ اک خلیفہ بناں لگا آں ۔ فرشتیاں نے جو
آکھیا اوہ صحیح آکھیا ۔ اونہاں آکھیاں جالک الملک ۔ ایہہ ویکھو ساڈے لئی بشوں کو
دی کا نہیں کرنا پینا اے ۔ جنگاں ہلا شر انگم جلدا پیا اے ۔ ایہہ ویکھو ایہناں
کولوں ولا جا ۔ سب وڈی مس لے ۔ اتجعل فیہا ——— رات کو چوری کرن
گے ۔ ہاں لگانے گا ——— وغیرہ ———

نحن نسبح بحمدک ۔ تیری حمد بیان کراں گے ۔ تیری تسبیح پڑھاں گے ۔ تیری
پاکیزگی نوں بیان کراں گے ۔ بیت المعلیٰ دا طواف کراں گے ۔ الا سما دیاں ازبان
دی الغواں گے ۔ کوئی چیز تیرے کولوں نہ منگاں گے ۔ اللہ نے فرمایا علماء کہندے
نیں ۔ قال انی اعلم ما لا تعلمون ۔ ایہہ او دن اں گل ہو گئی اے ۔ اجے آدم وی بنیا
نہیں سی ۔ لفظ فرمایا خلیفہ ۔ علماء دی نظر کرناں آں ——— اللہ نے فرمایا

اے فرشتو - بڑے تیز ہو گئے او گلاں ایہہ کر دیاں جے۔ جیہڑیاں تہاڈے منہ تے بندیاں
نہیں سن پہلے او تے باہر آیاں نہیں جیہڑا میرا ایہہ وڈا امر اے۔
بین الروح والجسد - پہلے ایہہ ویکھیا جے - جیہڑا بولن جوگا نہیں۔ جدوں
اس نے وچ کوئی بولے گا۔ ایہہ اک ہستی اید وچ سارا جہان بولے گا۔

بنان لگا میرا رب آدم نوں۔ اجے بنان والی گل کیتی۔ فرشتیاں نے دیکھا نئے کوئی سی۔
گل سنی سنائی تے گل کر دتی۔ اس واسطے سرکار نے فرمایا سنی سنائی تے پہلے اپنی
دا توانہ لاویں۔ جب تک کنیں نہ سنیں آنکھیں نہ ویکھیں میرا کوئی اپنی دوجے
اپنی دا توانہ لاوے ---- اگر بالفرض ایہہ پتہ وی۔ دنیا تے اوہدا گناہ چھپانا تیرا
کم اے۔ قیامت والے دن تیرے عیب نوں خدا کولوں چھپانا میرا کم اے۔

اذ قال ربک سوہنا یاد کر جدوں تیرے رب نے فرمایا فرشتیاں نوں۔ فرمایا محبوب
جدوں میں فرشتیاں نال گلاں کر داں آں۔ توں وی سن داسیں ناں ---- فرمایا جدوں میں
گل کر داں آں - یار نال ای کریاں آں کسے ہور نال کر دا ای نہیں آں ---
فرمایا گل دا تقاضا ای اے۔ جیہڑی گل میرے محبوب نوں پسند ہووے میں اوہو ای پسند
اے۔ سوہنیا جدوں میں بنان لگا نے وچوں بول پئے۔ سوہنیا توں وی ویکھ لیا
اے۔

اللہ فرماندا اے میں اس گل نوں بڑے اچھے طریقے نال ٹولدا ہے میرا محبوب کول نہ بیٹھا
ہوندا - اے فرشتیو میں بڑا اچا ہو کے گل کیتی شان سرکاراں دی منہ ویکھ لیا۔
جے خدا نہ بناندا۔ معلوم ہوندا خدا ہر شئے تے قادر نہیں اے۔

اساں نے فرمایا جے میں نہ بنانواں تے میں خدا نہیں رہندا۔ جے بنانواں تے پتہ میں وی آں

انساں نے باز آنا نہیں۔

مولا کی ہویا۔ فرمایا گل میری ناو کنارہ گئی۔ اے اولادِ آدم گل تیری ناو کنارے گئی میں آکھیا اوہ کیویں۔ کہندے فرشتیاں دی ایہہ گل سن کے۔ میں اس وار دی خاموشی کر کے اک نگاہ پائی اپنے جیب تے اندوروں سیدا پیا سی۔ مینوں کہندا اے کلا ہو کے اک ہو کے فکر نہ کریں۔ انساں نوں بنانا تیرا کم اے۔ سجانا میرا کم اے۔

میرے حبیب تیرے حوصلے۔ تیرے دربار عظمت توں قربان جانواں میں پروردگار آں۔ توں امت دا غمخوار ایں۔ میں بنان والا ہاں۔ توں سجان والا ایں۔ میں کہان والا ہاں توں اسمان والا ایں۔ میں رودان والا ہاں۔ توں ہسان والا ایں۔ میں ساڑن والا ہاں۔ توں ٹھارن والا ایں۔ میرے حبیب ایہہ اپنے اچھے بختاں تے ناز کرن مان کرن۔ خوشیاں منان اس گل دیاں۔ تاں ای میں کیہا سی۔ کائنات فرشتیاں تے ایمان دیاں نشانیاں وچوں۔ سب توں سچی نشانی جیہڑی میت دی اذان توں پہلے

اللہ نے وعدہ کیتا اے کہ جیہڑا بندہ نماز پڑھ زکوٰۃ دے۔ حج کرے۔ روزے رکھ درود پاک دی تسبیح نوں پڑھ قیامت دے دن پل صراط توں لنگھدا میرا محبوب جاوے گا۔

میں قربان جانواں امت دے فقیہا کولوں اللہ میرے امام سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ ہزار اتے کروڑاں وار برکتاں نازل کرے۔ فرمایا جیہڑوں سنت اعتدال توں ودھ کے مکروہ صورت اختیار کر لوے۔ یار دی صورت نال مسجد کتابی مزید کی ہوندی اے۔

اعلان دی نشانی ایہہ اسانوں آمنہ دے لال تے درود و سلام پڑھیا جائے۔

فرمایا اکھاں موکے نہ پڑھے۔ اللھم صل علی محمد ——— عرض کیتا کیویں پڑھیں فرمایا

انج پڑھن۔ جیویں ہیری پگڑیاں والے محبت نال پڑھدے نیں۔ ـــہ

نور والا آیا ہے کیسا نور چھایا ہے

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

اس طرح پڑھ کے مسجد سے نکل کے بغیر کلام کیتے سو جا رات نوں مدینے
دا تاجدار تشریف لے آئے گا۔

۲۰۱ درود شریف پڑھیا جے کل حشر کے مجمع میں جدوں تیاتوں چپ لگی ہووے گی تے
شفاعت حق وچ میں بولاں گا۔ جیڑا اینج پڑھے گا اوہی او تھے پڑھے گا۔
بریلی دے تاجدار سیدی امام احمد رضا رضہ دا فیض سچے طبقے دی ترجمان پاک فکر
والی پاک جماعت وچ آیا کر پیشوں منہ دھوون دا ول وی آجائے گا۔ بناون دا ول
وی آجائے گا۔
جدوں منہ دھونا آجاوے گا۔ تے قیامت کے دن ہر کسے آقا دے ہتھ وچ صحیفہ الحمد
دا پھڑیا ہونا اے تے اللہ دی بارگاہ وچ عرض کرے گا۔ یااللہ تیرے فرشتیاں دی تسبیح
وچ سواد زیادہ اے یا میرے غلاماں دے دروداں وچ سواد زیادہ اے۔

نبی پاک جب مدینے میں تشریف لائے تو ایک عورت نے بچہ اٹھایا یہ گوریں دے تو
نبی سچے میں

۱۰ — ۴۴ — ۵۵

AM لفظ

۲۰۱۴ — ۲ — ۱۵
۱۴۳۵ — ۴ — ۱۴

ـــہ

Moboyenie عارف والا غلہ منڈی میں ایہ پروگرام

قاضی محمد وہاج ۔ معراج

سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ ــــــــ الحکیم ۔

کر خاص محبوب میں کمال رکھا ہے ۔ بس مصطفیٰ نے سنبھال رکھا ہے ۔

الحمدللہ رب العالمین ۔ اس لئے جو بھی پڑھے ۔ وہ ہی میرے رسول کو پہچانے گا یہ بھید
کوئی بھی ہو شاری کوئی بھی ہے ــــــ خواہ کسی کھیتی کا چھپا ہوا ہو ۔

رولا کسی دا وی نہیں ۔ دنیا تے رولا صرف اس ذات دا اے ۔ جنہے اپنے محبوب دی
خاطر رولا پایا اے ۔ کہ خاک محبوب کمال ــــــ
میرے مصطفیٰ دی نعت پڑھنا بڑا کم اے ۔ قبر توں لے کے حشر تک نعتاں سنناں بڑا کم اے ۔
سننا میرے مصطفیٰ دا کم اے ۔ ؟ جس دا عقیدہ میرے نال رل جائے تکڑا ہو کے کھلوئے (بس)
صرف اج دا نہیں سنبھالیا ۔ اللہ فرماندا اے میں یار نوں پیدا ہی سنبھالن واسطے
کیتا اے ۔
اللہ نے اپنے محبوب نوں معراج ہی صرف اس واسطے کرائی سی ۔ کہیں لگیا پیشوں
کتھوں پتہ لگیا اے سنبھالن والا ۔ میرے رب کائنات فرمایا الحمدللہ رب العالمین ۔
اے رب کائنات کی پیا فرماندا اے ۔ فرمایا قرآن دا پہلا پارہ ۔ میرے حبیب دا ہر قاری
اس حد وچ قرآن دی تلاوت کرے گا ۔ اوہنوں میری حمد میری تعریف میری ذات
میری صفات میری الوہیت ۔ میری جہانگیری سمجھ وچ آئے گی ۔ میں پہلے شرما کی
ایویں کیتا اے ۔ جیہڑا ایہنوں سمجھے گا ۔ اوہ ہو میرے یار نوں سمجھے گا ۔
قرآن نے قاری نوں مجبور کر دتا ۔ عقیدہ جیہڑا من رکھے ۔ بسبب جیہڑی وی
سورۃ قرآن کسے دی کھیتی دا چھپیا ہووے ۔ تاج کھیتی والا ہووے کھالوں قدرت اللہ والا ۔

مسیت عنڑی دی ہووے بھانویں اسپیکشن دی۔ قرآن پڑھے گا۔ ابتدا وچ پڑھے
گا۔ الحمد للہ رب العالمین میں علماء کولوں پچھیا معنی کی اے۔ آکھے اللہ پیاو فانبدا
اے سارے وڈیاں تعریفاں اللہ دیاں۔ اللہ دا اے۔ اللہ کون اے۔
اللہ علم لذات الواجب الوجود۔ اللہ ناں اے اس ذات دا۔ علم والے ترجمہ
کردے نیں۔ واجب الوجود دا پتہ نہیں سی۔ آکھے واجب الوجود کون اے۔ میں آکھیا
پلی مھکی جنہوں نہ سردی لگے۔ نہ گرمی لگے۔ نہ ودھے نہ گھٹے
واجب الوجود المستجمع لجمیع صفات کمالیہ ساری کائنات
دے کمال تے ساریاں صفتاں جنہاں جامع جنہدی ذات اے۔ اوہدا ناں اللہ اے۔
ذرا آسان کر۔ میں آکھیا سن لے۔ اللہ ناں آئی اس ذات دا۔ جہڑی واجب الوجود
وی اے۔ ساری صفات کمالیاں دی جامع وی اے۔ آکھے جامع دا مطلب کی اے
میں آکھیا صفتاں جدوں تک اندر رہن اس وقت تک خد رہندا اے۔ صفتاں باہر آجان
مصطفیٰ بن جاندا اے۔
آکھے شنوں کہنے کیا۔ میں آکھیا رب نے آپ کیا۔ نابیا ڈولیا۔ پڑھیا پڑھایا۔ سمجھیا
سمجھایا۔ قرآن۔ جدوں میں قرآن دی فاتحہ دی پہلی آیت پڑھی۔ بندہ اپنے رب
دی حمد بجا لیاندی۔ منہوں اپنے رب دی ذات اتے تے صفات ازلی ابدی اتے یقین
کامل ہو گیا۔ میں آکھیا ساریاں تعریفاں اس اللہ دیاں۔ جہڑا سارے جہاناں نوں
پالن والا اے۔
الحمد۔ شکر اتے جدوں الف لام آ جاوے۔ اس دا نتیجہ ایہہ کہ سارے جہان دیاں
حمداں دیاں ساریاں پنڈاں۔ للہ اللہ واسطے ای۔ اکو ای دلیل بڑی اے رب العالمین
اوہ اللہ اسانتے سارے جہاناں دا پالن والا اے۔ جہڑا اس دا ہوندا اوہ کسے دوجے دی
لوڑ نہیں پیندی۔ اس دا ہوندا اے دوجے دے بوہے تے جانا نہیں پیندا۔
او ہنوں ہوندا کسے دوجے نوں پکارنا بھی نہیں چاہی دا۔ پر میں کراں کی۔ توں آکھنا ایں

جانا ہنیں چاہی دا۔ اللہ فرماندا اے میں ہویا ای یار دا بنایا اے۔
اگے تینوں کیویں سمجھ آئی۔ اللہ تعالیٰ دا توں وی فرمان۔ جدوں عرش ولوں فرش
ولے سفر شروع ہویا۔ فرش زمین تے آ کے۔ اللہ نے اپنے حبیب دے سہتے اوہ جہڑا
تاج سجایا سی۔ اوہدا اظہار فرمایا، میرے رب کائنات نے کہا۔ وما ارسلنٰک الا
رحمۃ للعالمین۔ اللہ اپنے حبیب نوں فرماندا اے۔ اے میرے حبیب اساں تینوں سارے
جہاناں واسطے رحمت بنا کے بھیجا ہے۔ میں آکھیا مینوں پوری سمجھ نہیں آئی۔ اپنے
ولے ربوبیت دی نسبت اے۔ ایہدے رحمت والے رسالت دی نسبت اے۔ معنی اسان دے کی
بنے گا۔ اللہ فرماندا اوہ میری حمد کرن والیو۔ میری حمد نوں ویکھ کے مینوں وڈا اسمجھن
والیو۔ میں قرآن دے اندر اعلان کیتا ہے۔ وان من شئی الا یسبح بحمدہ؟ — فرمایا
میں کائنات وچ کوئی ایسی شئے بنائی ای نہیں۔ اوہ شئے شئے ای نہیں شئے
کہندے کہنوں نیں۔ اللہ توں سوا جو ہے اوہ شئے ہے۔ ہووے میری بنی ہوئی —
تے میری حمد نہ کرے۔ میری تسبیح نہ پڑھے۔ ایہہ ہو نہیں سکدا۔ سبح للہ ما فی
السموٰت وما فی الارض۔ لوکاں آکھیا زمانہ ماضی اے۔ اللہ فرمایا یسبح للہ ما
فی السموٰت وما فی الارض۔ فرمایا جدوں ہر شئے نوں۔ تُوں میریاں تسبیحاں پڑھدے
ویکھیا۔ تینوں میں وڈا لگیا۔ ہن میں تینوں رب ہو کے وکھانا آں۔ اس محبوب دی
شان ویکھ کے وڈائی ویکھ۔ شیواں میری تسبیحاں پڑھدیاں ویکھیاں تینوں میں وڈا لگیا۔
میں تینوں رب ہو کے وکھانا آں۔ اس محبوب دی وڈائی ویکھ۔ تینوں میریاں —
میں اوہدا خالق ہو کے درود پڑھدا آں۔ (سیدعلی داتا دربار بولیا)
اسمان سارے اوچیاں توں اوچا ——— اپنے مولا کا پیارا ہمارا نبی ———
جدوں فرمایا۔ اپنے مولا کا پیارا اوہ کیہڑے۔ فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔
نکالے قاب قوسین۔ خدا دی اسانوں قدائی۔ قاب قوسین دا لفظ انتہا تے ہلچ
تے سکین لگی سی۔ لوکو۔ مصطفیٰ دا اسرا لبھ پیا اے۔ فرمایا او ادنیٰ۔ خدائی دکھ

کہ میرے مصطفےٰ اج پیراں توں لبدا ہوئے تے لبدا ہوئے ۔ سر میرے مصطفےٰ دا کسے نہ لبھیا نہ ویکھیا اے ۔ بریلی دے تاجدار نے کمال کر دتی ۔ اتھے مولا کا پیارا اسہارا بنی ۔ رب العالمین دا منی ایہہ اے ۔ ساری کائنات نوں پالن والا ۔ رحمۃ للعالمین دا معنی ایہہ اے ۔ ساری کائنات نوں سنبھالن والا ۔ اے مصطفےٰ نے سنبھال ۔ کتنا شکر ہوا اکبر نے اس آمنہ دے لال دا اسہارا سنبھالیا دوبارہ کسے ہور دی ضرورت ای نہیں پئی ۔

میرے آقا ایہو ہیں تھوڑی دیر واسطے ۔ آنکھ بند کر کے لیٹے پئے ۔ میں کسیوں منوادی نہیں اپنے رسول واسطے ۔ اس واسطے آنکھ بند کیتی اے انہاں دی آنکھ لگ جاوے ۔ میرے آنکھ بند کرن وچ انسانی مخلوق دا بھلا ہو جاوے ۔ میں ایویں سون جانواں ۔ ایہہ وچوں وچوں سوں جان ۔ جبرائیل آیا ۔ کس انداز وچ آیا ۔ اڈاری ماری سدرہ توں ۔ پر کھولے سدرہ تے میرے آقا نے جبرائیل دے پیراں دی کھلن دی آواز مکہ شریف وچ سن لئی ۔ جبرائیل دے پر دی کھلن تے میرا رسول سن لیندا اے ۔

عارف والد دی صحبت وچ لوں درود پڑھیں اوہ کیویں نہ سنن یار ـــــــــــ

ایہہ دی یاد رکھیں جبرائیل نالوں توں زیادہ پیارا ہیں میرے آقا نوں ۔ اس واسطے جبرائیل نے ضرارت دی تے تیرا پیار دا واسطہ دے کے میرا رسول توں منگی اے ۔ ایہہ ایہوں دی پتہ سی ۔ اینا پیار رب میرا نال نہیں جنا پیار اپنی امت نال اے

میرے آقا نے جبرائیل دے پیراں دی آواز سنی ۔ حاضر ہو دے سلام عرض کیتا یارسول اللہ ﷺ ۔ تھوڑی دیر واسطے وادی بطحا توں باہر چلیے ۔ سرکار باہر تشریف لے گئے ۔ جبرائیل حالات سامنے کیتے ۔ عرض کیتا ویکھو ۔ امت دے اعمال سیہ کیتا ہے برے میرے روسیاہاں دے کرتوت بد عملیاں میرے رسول نے ملاحظہ کیتاں ۔ سینے زخمی ہو گیا ۔ دل مجروح ہو گیا ۔ واپس آ گئے ۔ فرمایا ایہہ دکھا یا دی اے ۔ اگلی گل ۔ اللہ دا نذرانہ ۔ آکھو ۔ اس کائنات ارضی اتے تشریف لیون واسطے نہیں بھیجیا ۔ عبادت ریاضت کم خوری

شب بیداری۔ گریہ زاری۔ تیری آہ فغاں۔ تیرا رونا دھونا۔ فرمایا جبرائیل میرا رب تاں
کیہا اے یار اپنے کولوں کردا پیار ایں۔ عرض کیتا میں وی اپنے کولوں کرن دی کی لوڑ اے۔
جبرائیل کھڑے ہو گئے۔ کیہا سماں ہوگا۔ جدوں جبرائیل نے سرکار دی بارگاہ وچ
قرآن پڑھیا ہووے گا۔ یا ایہا المزمل۔ اے میرے رب تیری ادائے دلبرانہ دے انداز دے
توں قربان جاواں۔ ایہہ بھیت محبت والے جاندے نیں۔ رب نے یار نوں کی آکھیا
اے۔ یا ایہا المزمل ــــ قلیلا۔ اے چادر تان کے سون والیا میرا یار جیہا۔ چہرہ کمبل
تے سوں والیا۔ درد عشق محبت توں اگاں جاندے نیں۔ میرے رب نوں لگی کوئی شے
نہیں۔ ہر مقام محب تے کھڑا ہو کے اپنے محبوب نوں کہندا اے سوہنیا توں لیٹے پئے لگیاں
چہرے تے چادر پا لئی اے۔ میرے عاشق رب نوں ایہہ وی نہیں بھاندا۔ قم اللیل رات
نوں قیام کر یار کر۔ الا قلیلا۔ رات نوں قیام کر۔ ساری رات نہیں الا قلیلا۔ الا ویں
تھوڑا جیہا۔ مولا ایہہ کیوں پیا کہندا ایں۔ ایہے راز محبت دا سمجھ لے۔ دل کردا اے یار
کھلوتا وی ویکھاں۔ یار بیٹھا وی ویکھاں۔ نصفہ او انقص منہ قلیلا۔ او زد علیہ ورتل القرآن
تے سارا سکھ دل دے دتا اے۔ فرمایا رات نوں قیام کر۔ تھوڑا کر۔ آدھی رات کر
زیادہ کر اس تھوں۔ ایہہ تیری مرضی اے۔ قرآن پڑھدا ہوویں جا واہ واہ تیرا رب
کردا جائے گا۔

میں تاں محبوب تیرے قیام نال وی دلچسپی اے۔ تیری قرات قرآن نال وی دلچسپی
اے۔ اس واسطے قیام وی کر۔ اور تلاوت قرآن وی کر۔ اور کر وی بڑی ترتیل دے نال لوکاں
نوں پتہ لگ جاوے۔ ایہہ پڑھے ہوئے دا ایہہ عالم اے۔ تے جے آپ پڑھدا ہووے گا تے کیوں
پڑھدا ہووے گا۔ ایسے واسطے قرآن اللہ تعالیٰ دی کتاباں وچوں واحد کتاب قرآن اے
جہدی تلاوت خدا آپ وی کردا اے۔ ایہہ ہن دساں گے۔ کتھوں کر دا اے تے کی کردا
اے تے کیوں منہ سے لگدا اے۔ اوہناں آکھیا اے جبریل گل سادہ جہی اے۔ رات نوں
قیام کر۔ نصف رات کر۔ او زد علیہ اس توں زیادہ کر لے۔ اس تو گھٹ کر لے۔ رسول

کی اے ایہہ ونڈیاں کس گل دیاں پا رہیاں نیں۔ جبریل نے عرض کیتی یا محمد رسول اللہ اوہ ولوں
ہور کجھ وی ناہیں۔ ولو اینا ای اے۔ کہ تیرے رب نے مینوں تجویز دسن لئی بھیجیا اے۔ تیرے حبیب
نوں جا کے کہہ۔ ادھی رات جاگیں تے ادھی رات سویں تے میں رب وعدہ کرنا ہاں
آں تیرے ادھی رات جاگن ملک دے فراغت دے بدلے وچ تیری ادھی امت نوں معاف
فرما دیاں گا۔ فرمایا اچھا بے میں ادھی رات توں زیادہ جاگاں عرض کیتی سوہنیا حبیب
اوہ ای اے۔ ادھی رات جاگیں گا ——— فرمایا جبرائیل ایہہ پکی گل اے۔ عرض کیتی محبوبا
میں کدی کچی گل کیتی ای ناہیں۔ تے نالے جنہے مینوں بھیجیا اے۔ فرمایا اے بھرا ہن پکا
رہیں۔ سوہنیا کی۔ فرمایا جا میں محمد دا میرے رب نوں پیغام دے دے۔ یار بستر ا
پٹ کے اج ای کھڑا ہو گیا اے۔ میرے رب کائنات فرمایا۔ فتہجد بہ نافلۃ لک
عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔ اے میرے حبیب تہجد دی نماز نوں اضافی طور تے پڑھ
تیرے تہجد پڑھن دے نتیجے وچ اللہ تینوں مقام محمود عطا فرمائے گا۔ لوکی نماز عشاء پڑھ
کے گوڑی گوڑی نیند سو گئے۔ میرا سرکار رسول حجرہ سیدہ عائشہ وچ رات ڈھلدی گئی۔ میرا رسول
قیام کردا گیا۔ تلاوت ہوندی گئی۔ اکھاں وچوں اتھرو سیل رواں جاری۔ سینہ مبارک تر
داڑھی مبارک تر۔ پیراں تے سوج۔ پسینہ پاک ویکھ کے کائنات دے مومناں دی ماں
سیدہ عائشہ عفیفہ عتیقہ رضی نے پیر پھڑ لئے۔ عرض کیتی یا رسول اللہ میں جانتی آں۔
سارا جگ جاندا اے۔ توں تے کدی وی ایسی کیتی ناہیں۔ جنہدی معافی منگدے لوڑ اے۔
کوئی ایسا عمل نہیں جنہدے تے ندامت ہووے۔ گناہ دا قریب گزر نال کیا۔
تیرا اتے یاروں گناہ دا خیال کرے۔ اوہدا ایمان ناہیں رہندا۔ اے میرے حبیب اے رب دے سچے
رسول میرے کولوں تیری ایہہ حالت ویکھی ناہیں جاندی۔ فرمایا کیوں۔ آکھے میری محبت تے پیار
کہندا اے۔ تینوں روندا ویکھ کے شرم اے سینہ بھجیا ویکھ کے۔ تیری داڑھی تر ویکھ کے
عائشہ دی محبت جوش ماردی اے۔ میرے کولوں تیری ایہہ حالت ویکھی ناہیں جاندی۔ میرے
تیرے رسول نے فرمایا ہووے گا عائشہ تینوں محبت لئی اے۔ تیرے توں ویکھی ناہیں جاندی۔ جو چلو

اوہندا ویکھدے چہرا ویکھی جاندا ای ۔

عائشہ میری محبت دے نتیجے وچ میرے کولوں میری حالت ویکھی نہیں جاندی اوہندی محبت ویکھی اے۔ اے ویکھی جاندا اے۔ فرش زمین تے کائنات دیاں ماواں بولیاں۔ عرش بریں تے طواف کرن والے فرشتیاں طواف روک دتا۔ کیہ اے بار الہا۔ روندا اے زمین اُتے پئے تے کتنے میرا عرش جاندا اے۔ پیر یاد اوہ کردا اے۔ بس ساڈی ہو جاندی اے بولا۔ ایہو کی کم اوہدے ذمے لایا ای۔

اللہ فرمایا فرشتو تہاڈی کی صلاح اے۔ کی چاہندے او۔ اونہاں کہیا ساڈے کولوں اس دا رون نہیں ویکھیا جاندا ۔ تے سوالی تیری بارگاہ وچ درخواست اے۔ توں ای کوئی اپنے حکم وچ ۔ تبدیلی کر۔ آکھیا اوہ کیوں اونہاں کہیا اسی جو ویکھی کھلوتے آں۔ جیہدے نال ہاں کر لیندا اے۔ آ یاد رکھو میرے رب کائنات جیہڑی گل دا سودا تک گیا اے۔ قیامت آ سکدی اے۔ میرا حبیب اپنے کیتے وعدے توں پھر نہیں سکدا۔ اوہ اوہنوں نہیں گلدا توں ای ولا جا۔ اس نے نہیں رکنا۔ فرمایا جبریل فرمایا جا میرے حبیب دی خدمت وچ ہن کی آکھاں فرمایا دل دیوں میں سکھاناں آں۔ آکھو تو دیکھیں۔ لے ہن جیہڑا ول رب نے سکھایا جبریل نوں اے ول قرآن دی آیت دا ای۔ جبریل نے کہا طٰہٰ کسے وچ ویکھیاں طٰہٰ۔ کی اے طٰہٰ کی اے۔ قاری اس نوں طٰہٰ پڑھ دلدے نیں۔ آیاں اینویں نا۔ ہے پڑھدے آں۔ ایہہ روندا پیا سی۔ اوہندی داڑھی بھجی ہوئی سی۔ پیر سُجے ہوئے سن۔ تے جبریل بولے تے کھلا ہو طٰہٰ کہا۔ میں علم والیاں نوں پچھیا رب کیہندا کی اے۔ اکھے رب وچوں وچوں ۔ یا طٰہٰ اے امین الزلون و یا ہادی الی الخلق۔ اے میرے گناہاں توں کلی طور تے پاک رہن والیا حبیبا تے مخلوق نوں ہدایت دین والیا حبیبا ۔ ما انزلنا علیک القرآن لتشقی الا تذکرۃ لمن یخشی ۔

علم والیاں دا ترجمہ ایہہ اے اللہ پیا فرماندا اے۔ اے حبیب اساں نے قرآن اس واسطے نازل نہیں کیتا۔ کہ توں مشقت وچ پے جاویں۔ تیریاں انکھاں سُج جان۔ تیرے پیر سُج جان۔ ناں ناں حبیب اسی ایہو جہی تلاوت تو لا ہوریں ای ۔ جیہڑے کیتیاں تیرے پیراں تے سوج

آ جاوے۔ الانز کرۃ لمن یخشیٰ۔ اللہ فرمایا میرے جبرائیل جا میرے حبیب دی بارگاہ وچ۔
میرا پیغام لے جا۔ سوہنیا! اساں ایک بجھوتر کیتی دتی ہی۔ توں گل نال ای لائی اے۔ اوس
سے معشوق کہیڑا کم ہو گیا۔ اساں ایویں پیار تے محبت نال آکھیا سی۔ سوہنیا ادھی رات جا کے
آدھی بخشاں گا۔ اساں گل کیتی توں پھڑ لئی اے۔ سوہنیا اسی گل کیتی ساڈے بول پھڑ لے
گئے ہیں۔ سوہنیا واپس یا ہو سکدی ایہہ۔ فرمایا جبرائیل گل کر صحیح صحیح اوہنے اگے میں
آیا ساں روون واسطے۔ اج میں دیکھیا آں ہسناں واسطے۔

اج میں رب دا ایہہ پیغام لے کے آیا آں۔ جا کے میرے حبیب نوں آکھ او میرے
روون والیا محبوبا! اگے جا کے مکھ پوا یا ہر جا کے توں امت دے گناہ وکھیے ہیں تے رونا شروع
کیتا ای۔ آ معراج دی رات مکہ چھڈ کے میرے کول عرشوں اوتے لے جاواں جتھے جا
فیصلہ آپے کر لویں بشری امت دے گناہ زیادہ ہیں یا میری رحمت دے دریا زیادہ ہیں۔

(B) ہن ساری دنیا سوں گئی اے عرشاں تے آ جا چھپ کر کے
گلاں ہوون راز و نیاز دیاں کجھ من جا کجھ منا جا چھپ کر کے۔

شرے تے میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیہڑے کدی ستے ای نہیں سی۔ اج جان بجھ کے
سوں گیا۔ اللہ فرمایا جبرائیل۔ اج دی رات جا فرش زمین تے اتر فلانے قبیلے
وچوں فلانے پاسیوں لنگھ کے جاویں۔ قریشیاں دے فلانے گھر وچ داخل ہو جاویں میرا
یار نیند وچ پا کے اکھ لا کے لما پیا ای۔ اج توں جا میرے حبیب نوں میرا پیغام دے دے
مینوں سمجھ نہیں آندی اگے سدرہ توں اڈاری ماری جبرائیل نے پر اوتے کھوہے ہیں ایکے
سن لیا۔ پھر جبرائیل آپے آیا کھلوتا اے۔ اکھ کھولدا ای نہیں۔ بڑی عجیب جہی گل اے۔
میرا اندر شر اسیحا رسول محو استراحت اے۔ یاد رکھنا سدا جاگ کر دٹ لینا۔ منہ آسمان ول
کر کے ہمیشہ سونا ایہہ انبیا اندر رسل دا خاصہ اے۔ سجی کروٹ تے سونا۔ ایہہ مومنین دی
شان اے۔ کھبی کروٹ لینا ایہہ غفلت دی علامت اے۔ الٹا ہو کے سونا بدبختاں دی نشانی اے

اینا شمار کیتا ں وچ آے مومنین وچ ۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّیَامُنَ حَتّٰی التَّنَوُّلِ وَالتَّرَجُّلِ
میرے آقا نے فرمایا رب نوں سجا پاسا اتنا پسند اے۔ ایدھر آ مہربا نغلاماں وچ شعوں زندگی گزارن
دا حسن عطا کراں۔ میرے رب نوں سجا پاسا بڑا پسند اے۔ کملی والیا کیوں ہن فرمایا پیراں دچ
جتی پان لگوں لگے تاں سجے پیر وچ پہلے پاؤ۔ ہر چنگے کم وچ میرے رب نوں سجا پاسا پسند اے۔

کیا میرے آقا دی زبان وچ حکمت اے۔ ہر کم وچ داہنا طرف پسند اے۔ وضو —
سرکار آرام فرماؤن۔ میں تے تہیں کیتے پاسار سجا جگ نوں پسند اے۔ اس وقت تے ڈبل
بیڈ دا رواج ای کوئی ناہیں سی۔ سرکار فرش زمین تے آرام فرماندے ہین۔ ایہہ حرف اک منظر
آ سا اوہ سا سامنے۔ میرے آقا بالکل زمین تے محو استراحت ہین۔ سرکار دے قدمین شریفین زمین
زمین تے لگے ہوئے ہین۔ اوہ جتھے علماء کولوں تساں سنیا اے کہ جبریل امین نے پاک رسول اللہ دے قدماں
پاکاں تے بوسا دتا۔ بس میں نوں اوہ کیفیت اپنے منظر وچ لیا کے دس دے کیوں دتا۔ بریلی دے تاجدار
نے فرمایا ۔ تاج روح القدس کے موتی جسے سجدہ کریں .
رکھتی ہیں ایسا وقار اللہ اکبر ایڑیاں ۔

کاش کر سے امام اہل سنت دا کلام پڑھیا کریں۔ اللہ سنیاں دے نعت خواناں نوں توفیق عطا
فرمائے۔ ایہہ دوہڑے تے ماہیاں قصے کہانیاں وچ بڑا غرق کر دتا اے۔ اس قوم دا۔ اکو ای ہیر دی
طرحم السی لگی اے۔ ہیر دی قبر وچ تنگ آئی پئی اے۔ جیہڑا اٹھدا اے ہیر نوں کجڑ جاندا اے۔
علماء فرماندے جبرائیل امین نے اللہ رب العزت دی ہدایت دے مطابق اپنے نوری تے کافوری لبوں
نوں سرور دو عالم دے پاک قدماں تے رکھ دتا۔ تے ایہہ وی علماء نے فرمایا۔ پیراں اتے جبرائیل نے
لب رکھے۔ تے حضور نے اکھ کھولی۔ فرمایا اوہ ای آ ناں۔ جو باہر لے گیا سی مکے دی وادی
توں۔ اس نے قدمین مبارک توں سر چکیا۔ اونہیں پھر اکھ بند کر لئی۔ اینے پھر لب رکھے
علماء نے فرمایا دو تین ۳ واریں ایسا ہوا۔ ہن میں شونوں دسناں آں کی ہویا۔ 3 واریں آخر
چھم کھڑا ہو گیا۔ سے کہندا اے۔ یا رسول عربیا شافع محشر جاگو.
آیا جبریل ہے لینے کو پیمبر جاگو

بخت پر آپ کے قربان سکندر جاگو
جاگو جاگو میرے آقا میرے دلبر جاگو

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے۔ جبرائیل نے سلام عرض کیتا۔ رب کائنات دا پیغام پہنچایا۔ عرش بریں دے سفر دا مژدہ جیر دسیا۔ رب دا پروگرام ذکر کیتا۔ میرے سوہنے رسول اٹھے۔ بیدار ہوئے۔ وضو کیتا۔ کیتا میرے رسول نے کرایا جبرائیل نے۔ لوٹا میرے ہی کھلوتا اے۔ طشت وکھی بیٹھا اے۔ وچ اسرافیل دا پیکا ائیل اے۔ وچے عزرائیل دے باہر قطار در قطار کھڑے نیں۔ عمامہ شریف لے کے آئے۔ تازیانہ شریف لے کے آئے۔ کمربند لے کے آئے۔ براق لے کے آئے زین لے کے آئے۔ جنت حاجرہ نال لے کے آئے۔ معراج دی رات جبرائیل نے اینیاں منتاں کیتیاں رسول دیاں۔ واپس چلو۔ میرے آقا نے فرمایا شتوں مصیبت کی عرض کیتا جے آپ نہ گئے تو اوہناں ورثاں مینوں وی کوئی نہیں دینا۔

میرے آقا نے دوبارہ پچھیا۔ جاندا کر دے میرے آقا۔ ہن پس میں شتوں باہر لے کے گیا۔

چشم بے خواب کے صدقے کہ ہیں بیدار نصیب
آپ جاگے تو ہمیں چین کی نیند آئی ہے

میں اس نہ سون والی اکھ توں قربان جاواں۔ کیسا بیہ جاہنے الانساں۔ او ہدی اکھ نہیں ستی۔ میرا ہیرا بخت نہیں ستا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ میں پیغام وی لے کے آیا آں۔ میں سلام وی لے کے آیا آں۔ سارا انتظام وی لے کے آیا آں۔ سارا اہتمام وی لے کے آیا آں۔ اسو ہنا وضو کر لے۔ پٹکا بندھ لے۔ کتنا سوہنا عمامہ اے۔ اس عمامے شریف اتے وی تارے کشیدہ ہوئی ہوئی اے۔ فرشتے جھک کے درود شریف پڑھ دے سے۔ جدوں دا عمامہ بنیا اوہ وی نال آئے کھلوتے نیں۔ اوہ کس دا عمامہ اے۔ ہو محمد نبی اللہ محمد خلیل اللہ۔ محمد رسول اللہ۔ محمد حبیب اللہ۔ جبرائیل براق اتے۔

سر پہ سہرا باندھ کر اور عمامہ نور کا
سب کو چل دیا معراج کو بن ٹھن کے دولہا نور کا۔

جبرائیل نے رکاب پکڑی۔ میکائیل نے زین پھڑی۔ میرے آقا علیہ السلام نے فرمایا۔ میں
دیکھیا شیں دی بزرگی تے چٹی داڑھی دکھی میں۔ میں محمد نوں حیا آ گیا۔ ایہہ میرے
آقا دی شریعت دا اصولاں کے نوجواناں شہادے اتے۔ چٹے والاں والیاں دا حیا کرنا
تے ادب کرنا۔
میرے آقا فرماندے ہین میں میکائیل نوں اشارہ کیتا۔ میں آکھیا جبرائیل تے اگے وی کئی واری
آیا اے۔ ایہہ تے آندا ای رہندا اے۔ اگے وی اک واری آیا سی۔ توں مینوں وڈی
عمر والا چٹی داڑھی والا سوہنی شکل والا۔ کی میری زین پھڑی کھلوتا اے۔ ایہہ میرے کول کر
اس نے کیا۔ یا رسول اللہ آپ میرے آقا و مولا میکائیل تے اک نظر کرکے۔ ایہدے تے کرم
کر دو۔ فرمایا کیوں۔ اکھے سوہنیا میرے کول فرین نہ لویں۔ میں چٹی داڑھی دا ادب کرن والیاں
رب دا محبوب۔ مینوں پچھ تے سہی۔ میں ایہہ رات سوہنیاں لئی۔ میں خدمت کیوں ہیں
منگی۔ فرمایا میں رب دا مقرب فرشتہ اس دے عرش دے گرد طواف کرن والا ساری
عبادت دربار حضرت دے تھلے وچ۔ اس دی بارگاہ وچوں مقبولیت دا زیور پاون والا
میں اوہ خوش نصیب آں۔ مینوں میرے رب نے فرمایا۔ اے میکائیل میں تیرے تے
راضی ہو گیا۔ منگ کی منگنا ایں۔ یا رسول اللہ جدوں میرے رب نے مینوں فرمایا۔
منگ کی منگنا ایں۔ میں کی منگیا۔ میں عرش ول منہ کر کے آکھیا جس دا نام عرش
نال دے نال اے۔ مینوں اس دے نانویں لا دے۔
سوہنیا میں اوہ نال دیکھدے۔ میرے رب نے مینوں فرمایا۔ جا تیری عبادت دی
مقبولیت وچ ایہہ دعا قبول کیتی۔ میرے نال دے نال جس دا نال ویکھیا ای۔ اک رات
اس نوں میں اپنا مہمان بناواں گا۔ اپنے خلوت گاہ وچ بلاواں گا۔ اس رات خدمت
کرن دی سعادت رب نے میرے نال لکھ دتی اے۔ فرمایا چل تو ہاسے تے چل۔ کعکی آکھیا
عطا ہوئی فرمایا۔ نبی پاک نوں سفر معراج دی اس ابتدا وچ۔ محبوب تاں تسلی
کرن واسطے۔ درود سلام پڑھن واسطے۔ درود سلام دیاں پیتیاں تے چل سن

واسطے بڑے حلا ٹکرا آئے۔ جبرائیل علیہ السلام نے نبی پاک ﷺ دی خدمت وچ فرشتیاں دی ایسی جماعت لے کے آئے۔ جس جماعت دا عالم ایہہ ۸۰ ہزار میراں دا سیجے پاسے۔ ۸۰ ہزار کھبے پاسے۔ اور ہر فرشتے دے ہتھ وچ نور عرش خداوندی نال جلی ہوئی تے چلکی ہوئی مشعل۔ وادی بطحا بقعۂ نور بن گئی۔

کیسا نور فرش کائنات سماوی ایسا نور جس دی تائید حضرت سیدنا عثمان غنی دا اس زبان نوں ہندی اے۔ عثمان غنی کہندے ہیں۔ معراج دی اس رات نوں۔ رات دے ادھلے پہر وچ۔ میری اکھ کھلی۔ میں اپنے گھر وچ ساں۔ میں ویکھیا۔ فرشتوں توں لے کے کائنات سماوی تک ہر پاسے نورا ای نور اسے۔ فرمایا اتنا نور ویکھ کے میں گھبرا گیا۔ میں سمجھیا۔ قیامت آ گئی اے۔ میں لب گھول کے بستور سہا لگا۔ کہ سارے مکے والیاں نوں جگا کے دساں۔ کہ قیامت آ گئی۔ فرمایا عثمان نے میں ارادہ کیتا۔ کہ ہولی جئی کسے نے میرے کن وچ کہیا۔ عثمان قیامت میں وقت آئی کو نئی۔ ایہہ گل قیامت توں گھٹ کوئی نہیں اے۔ اوہ رولا نہیں جہڑا توں سمجھیا ای۔ چپ کر کے بیٹھ جا۔ چار یار دی ملاقات اے ــــــ رولا نہ پا مکے والیاں نوں نہ جگائیں۔ فرمایا ایسی گل میرے کن وچ پائی۔ مینوں دوبارہ نیند آ گئی۔ ایہہ کی ہویا۔ ۸۰ ہزار سجے ۸۰ ہزار کھبے۔ لاٹ تے نور دی بنی ای بنی ــــ ا لکھ تے سٹھ ہزار فرشتے۔ تے جبرائیل اگے۔ جبرائیل دے ہتھ وچ وی لاٹ نورانی اے۔ ا لکھ سٹھ ہزار ایہہ۔ عثمان نوں دکھیا رولا کی اسے۔ اوہناں فرمایا وادی بطحا ایسی بقعۂ نور بنی اے ہر پاسے نورا ای نور۔ حضرت عثمان غنی دی گل توں سمجھ آ گئی۔ کہ فرش توں لے کے کائنات سماوی تک ایہہ جبھوں تک عثمان دی نگاہ گئی۔ میں اوہ گل کیتی اے۔ ورنہ سچ کی اے۔ مصطفیٰ دے پیراں توں لے کے عرش معلیٰ تک نورا ای نور اسے۔ براق تے چڑھیا میرا رسول۔ دستار بنھی ہوئی۔ نعلین شریف پائے ہوئے۔ تا زیادہ سیتہ وچ۔ نور دیاں مشعلاں۔ ایڈا جانن تے ایڈا نور ویکھ کے۔ اللہ اکبر۔ رب کائنات جل و اعلیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ دے دل تے القاء

فرمایا۔ فرمایا میرے حبیب اج اک ہزار معجزہ دکھا۔ میرے مالک ماں کی۔ فرمایا۔ اک سٹھ
ہزار بلیاں نیں ایہہ سمجھدے نیں بڑا اوکھا اے۔ انج کرے جیڑا حجابات وچ ستر ہزار کم رہے
تے پائے ہوئے نیں۔ علماء نے اوہناں دی تعداد ستر ہزار لکھی اے۔ میرے رب فرمایا میرے حبیب محمد۔ اج
ستر ہزار وچوں۔ اک نقاب توں لاہ کے جلوہ میں دکھا دیاں گا۔
سرکار نے اج براق تے بیٹھیاں اک نقاب اتار دیا۔ ہو گیا کی کہندے نیں۔
کہ بزم میں آئے اتنا نور میں نے دیکھا۔
پھر اس کے بعد ستاروں میں روشنی نہ رہی۔
میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم۔ مکہ پاک دی سرزمین توں۔ قرآن نے سفر دی زمین من المسجد الحرام
الی المسجد الاقصیٰ۔ مسجد حرام توں شروع ہویا مسجد اقصیٰ تک۔ براق تے سوار
میرے رسول دی براق دی تیز رفتاری دا ایہہ عالم۔ جتھے براق دی نظر اوتھے براق دا پہلا قدم۔
اس براق دے وجود دی خوشبو دا ایہہ عالم جس مردہ شے نوں خوشبو پہنچے جو خوشبو پہنچدی
جاوے مردہ شے زندہ ہوندی جاوے۔
ایہہ تاں حالے براق دی شان اے۔ ایمان نال دسو۔ اس صاحب براق دی کی شان ہوؤ گی۔
میرے آقا نے سفر زمین کر لیا بس کول دا گزر ہویا بڑے مقامات توں۔ ایسے سفر
وچ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا مزار مقدس اے۔ بیت المقدس وچ پہنچے حضور۔ اوداں وی۔
بیت المقدس وچ تمام انبیاء دی حضور نے امامت کروائی۔ سارے انبیاء دی امامت کروائی۔
ایہہ نبی کیسے سن۔ اپنے اپنے مزارات وچ۔ میں اللہ دی رحمت توں قربان جاواں یار
واسطے نبی دی قبراں وچوں کڈھ لے۔ فرمایا جاؤ سارے مسجد اقصیٰ وچ اکٹھے ہو جاؤ۔
ساریاں نبیاں آکے حضور علیہ السلام دی امامت وچ نماز پڑھی۔ فیر اگے جی الی السماء۔
جتھے جبریل نے براق نوں سنبھالیا اس ویلے۔ پہلے آسمان دا پہلا دروازہ اے۔
رفتار براق کیا ہے۔ رفتار رفرف کیا ہے۔ یاد رکھنا سارے علماء نے معراج دے
جان دی کیفیات نوں بیان کیتا اے۔ انج مسجد حرام توں مسجد اقصیٰ۔ مسجد اقصیٰ توں پہلا

آسمان پہلے توں دوجا ـــ وسیع ھُوا ـــ سدرہ تو آگے۔ پھر براق تھلے۔ پھر جبرائیل تھلے۔
پھر رفرف۔ پھر رفرف دی تھلے۔ اہ جانڑ یاں سارا کجھ۔ واپسی تے کی ہویا۔ واپسی تے نہ
کوئی سدرہ۔ نہ کوئی جبرائیل۔ نہ کوئی براق۔ نہ کوئی رستہ۔ نہ کوئی بنیا۔ ھلوکا ہو یا جان
لگیاں محبوب ہلوں۔ انتظامات دے نال۔ براق دی رفتار دے تابع کر کے لے جایا گیا۔ واپسی تے
فرمایا محبوبا ہن جدوں ادہلا اے کوئی نہیں جتھے میں اوتھے توں جیکے توں ادھے میں ـــــ
اہ معراج کران دا مقصد ای ایہو سی سے

من تو شدم تو من شدی   ایہ معراج دی واپسی ای اے۔

تے دیکھو کے کی کہندے نیں لوکی پیر بہنی دی صاحب۔ لوکی تے پتہ نہیں کی کجھ کہندے نیں۔
سے خدا کا نور تجھ میں ہو بہو ہے۔
خدا نہیں مگر تو روبرو ہے۔

میں آکھیاں اللہ دا قرآن پڑھ لے۔ اللہ آپ پیا فرماندا اے۔ الذی بر لنا حولہ لنریہ۔
من آیاتنا۔ انہ ایک بار دوسری بار ھو السمیع البصیر۔ ان حکے اللہ دی ہو۔
ھو کے پیچھے دی ہوا۔ جدوں دو ہو ملے۔ پھر درگے کملے توں موقع مل گیا۔ ہو ہو
ہے۔ لفظ اللہ توں لے کے اللہ نال اے۔ اس ذات دا۔ جیڑی واجب الوجود اے۔
ساریاں صفات کمالیہ دی جامع ہے۔ آیئے لفظ کی اے۔ میں آکھیا رولا ای ہے سکر
جب تک کمال اندر ہوں اس وقت تک خدا ہے۔ جب کمال باہر آ جائیں او دوں
مصطفےٰ اے۔ ایہو شوں سنیے کیا اے۔ میں آکھیا اللہ آپ قرآن وچ فرماندا اے۔ اپنے پچھلے
شروع کر دیندا ہو۔ تو۔ اللہ فرماندا اے۔ ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو ـــ الله
فرمایا ھو الاول ـــ تفسیر ہیر توں اللہ کے پیند لے چلا سیں تے ہکن لگے۔ کہ قادر
صاحب جدوں سنی قرآن پڑھیا میرا دل کیتا سبحان اللہ۔ پھر میں نہیں آکھیا۔ میں آکھیا کھوڑا
آکھے۔ میں آکھن لگا۔ نال اک منڈا بیٹھا سی اس نے آکھ دتی ـــ میں پھر چپ کر گیا۔
صبح بالفجر پیر توں بعد میتوں آکھن لگے۔ رات مولوی نال الیا بیٹھا سی چھیٹ چھوڑ سکا اے

فیر رب نے فرمایا سبحان الذی میں آکھیا۔ فیر رب نکو لایا تہاڈا سبحان الذی۔
توں میری قدرت ویکھیں۔ توں سبحان آکھیں۔ توں میرے بنائے ہوئے امور نوں ویکھیں۔
ویکھیوں۔ آج میں سبحان آکھنا آں الذی اسریٰ بعبدہٖ۔ پیار نال جاندا سی۔ میں لے کے
جاندا سی۔ آ فرشتے کی کیتا۔ اونہوں نشانہ ہوندا ہی بنداا ے۔ فرمایا ایہو ای جے۔
سننے والا دیدا نہیں ہے۔ ویکھن والے ہوندے نیں۔ ایہ تہانوں ویکھدا اے میں تاں ویکھدا ہی
ہوندا اہوں گا ای آں۔ فرمایا اس کا سمیع البصیر ہونا تہاڈے لئی ہے۔ بابا جی نیڑے واسطے۔ فرمایا میں
پہلے وی گل حقانیت آکھی۔ الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین۔ فرمایا جے کوئی
میرے ویکھن دی گل کرے۔ توں اک معراج دی رات تے میرا ویکھن میرا ویکھن کرنا ایں۔ فرمایا
معراج دی رات میرا ویکھن تاں اودوں دا سی جد جد آئے۔ جدوں دا میں کیتا۔ الذی یراک
ــــــ الساجدین۔ سوہنیا جدوں توں تینوں بنایا اے ہم خالق نے تیرے توں نظر ہٹائی
ای نہیں ـــــ میں تے معراج دی رات اس واسطے بلایا سی۔ میں اپنے پیغمبر۔ اولوالعزم رسول۔
موسیٰ کلیم نوں کوہ طور تے اوہدی درخواست اتے ان ترانی آکھیا سی۔ لن ترانی۔ توں نہیں ویکھ سکدا
سمجھیا۔ اینہدا مطلب ایہو دی آ اے۔ میں میں ویکھیا نہیں جا سکدا۔ فرمایا مولویاں نوں مولویاں
والا مطلب مبارک ہووے۔ پر میں معراج دی رات سوہنیا تینوں اپنے کول ایس واسطے بلایا
معراج دی رات توں پہلے ہر رات تے ہر حین تینوں ویکھیا۔ پر معراج دی رات توں مینوں ویکھیا
اے کیسا ویکھیا اے۔ فرمایا میری ویکھنی ایہہ ہے۔ میں اعلان کیتا ای الذی یراک۔ میں اپنی
نگاہ ویکھدا ہی تینوں رہنا ہاں۔ تے جدوں توں مینوں ویکھیا۔ میں تیری ویکھنی نوں ویکھ کے توں
جانچاں۔ میں رب ہو کے کیا۔ مازاغ البصر۔ میں جدوں وی پرکھ کے ویکھیا توں مینوں
ای ویکھدا پیا ایں ـــــ نہ تیری اکھ جھپکی اے۔ میں آکھیا کیفیت کی سی۔ مینوں اک
پڑھے لکھے بندے نے شعر سنایا سی کہ

میری نہ ہوش رفت بیک جلوہ صفات
توں عین ذات می نگری در تبسم۔

فرمایا اک موسیٰ کلیم اے۔ جہڑا صفات دا اک پرتو دے نال اپنا ہوش و حواس گم کر بیٹھے۔
میرے آقا میرے لجپال کریم۔ تیری ونگیاں توں قربان جانواں۔ قرآن فرماندا پیا اے۔ مازاغ
نالے ویکھدا جاندا سی نالے نہ نظر پرسدا جاندا سی۔ ایہہ عشق و محبت دی گل اے۔
مگر معراج دی رات ہویا کی۔ علماء نے فرمایا۔ کہ ختم دلی فنش لی ۔۔۔ ادی ۔۔۔
میرا اللہ سب کجھ تھلے کرن توں بعد کتھے کتھے یار نوں لے گیا۔ فرمایا یار نوں الوہیت کوئی بار بار
ہنس لے کے گیا۔ بلکہ اپنی تجلیات مظہر ایسی جگہ تے لے گیا۔ میرا آقا جس جیہی جگہ توں گزر دا
گیا۔ اہا اوسے صفت دے نال یار نوں متصف کر دا گیا۔
اوہ رحیم سی۔ اوہنے اس نوں وی کار رحیم بنا دتا۔ کریم۔ رؤف۔ فرمایا سارا
فرق کڈھ کے گل ہو سکدی مشکل۔ (عبدہٗ رسولہٗ اللہ دا ای ناں) جیہڑی آکھے جیہڑا ساڈے گل
سکے جاندے نیں۔ اللہ دیاں لامتناہی صفات۔ مگر اک گل یاد رکھو۔ دین چراغ رہیا۔ اللہ
دے اس کرم تے۔ فرمایا میرے جیب جیہڑا کسے مکھی ہوئی گل دا بیان کرے۔ اوہنوں ایہے سارے حوالاں
غیب دان سمجھدے نیں۔ تے جیہڑے میری چھپی ہوئی ذات دا اعلان کر دتا اے۔
فرمایا جیہڑا اسینے وچ چھپی ہوئی بات نوں جانے۔ اوہدے بارے مولوی کہندا اے پئی جیہڑا کی آ
گیا۔ علیم بذات الصدور اے۔ فرمایا مولوی کد سے کھلے نیں۔ جیہڑا چھپی ہوئی بات نوں جاندا
اے۔ اوہ علیم بذات الصدور اے تے جیہڑا چھپی ہوئی میری ذات نوں جاندا اے۔
اس جیب دا علم کی ہووے گا۔ بات وڈی کہ ذات وڈی۔
خدا اسے کو کہتے ہیں کیا جانے تھے۔ اے شیر ربانی اوہ تیرے مزار
تے کر عقیدت دیاں برکتاں نازل کرے۔ عقیدے دی سچائی لولا۔ اس طرح بیان کیتا۔

> خدا کسے کو کہتے ہیں ۔۔۔
نہ تیری زبان سے سن اے محمدؐ۔

اللہ۔ الف اگے دو لام۔ اگے ہا۔ ایہا۔ کدی ہا اے۔ کدی ہا کدے ہا سی
اے۔ ہا کے اوپر کھڑی زبر۔ ہا۔ نیچے ہا کی۔ اوپر پیش اکا سے نوں ہا

الف اللہ ۔ اس کا الف ہٹا دو ۔ بن گیا للہ ۔ پھر لام ہٹا دو ۔ پھر بن گیا لہ ۔
فرمایا اک لام دی لاہ دیو ۔ پھر باقی وچ کی بچ گیا ۔ ہُ ۔ فرمایا اس واسطے میں
فرمایا ۔ ھو الاول ——— وھو بکل شئ علیم ۔ اصل ھو ہی ہے ۔
خدا کا نور تجھ میں ہو بہو ہے ۔

اللہ تعالیٰ جلالہٗ والسلام میرے پیر سوہنے کے کلمات محبت مقبول فرمائے ۔ اللہ سیدو دعا ۲ کے
سوا ہم سب دی برکت دے نیچے وچ اس سارا امت نوں عروج عطا فرمائے ۔
آمین ۔

[signature]

۲ - ۱۴
۱۸ - ۲ - ۱۴۳۵
۱۷ - ۴ - ۱۴

۴ : ۲۲ - ۴۵
(منگل) (pm)

میت کے لئے دعا

درود شریف = یاالٰہی جس قدر کلمہ شریف اس مجلس دے اندر پڑھیا گیا۔ جس قدر قرآن کریم ذکر اذکار
جو کلام پاک میری ملک ہوئی۔ یاالٰہی اس مجموعہ کلام اور خیرات نوں اپنی بارگاہ دے اندر مقبول فرما۔
یااللہ اس کلام پاک اور اس خیرات دا ثواب نبی کریم رؤف رحیم علیہ السلام دی بارگاہ وچ ہدیہ پیش
کیتا۔ یااللہ سب پاک صاحب لولاک دے وسیلہ جلیلہ نال اس کلام پاک دے ~~دا ثواب~~ اور اس خیرات
دا ثواب جمیع انبیاء و مرسلین۔ اہل بیت عظام۔ شہدائے کربلا۔ صحابہ کرام۔ تابعین تبع تابعین۔
آئمہ مجتہدین۔ جمیع بزرگان دین۔ مشائخین دی بارگاہ وچ ہدیہ پیش کیتا۔ یااللہ اس مجموعہ کلام
اور اس خیرات دا ثواب نبی کریم رؤف رحیم علیہ السلام دے توسل اکمل دے نال خصوصاً
مرحوم دی روح نوں اس دا ثواب پہنچا۔ اللھم المسئولہ وارحمہ واکرم نزلہ ووسع
مدخلہ۔ اللھم وسع قبرہ اللھم نور قبرہ۔ اللھم اجعل قبرہ روضۃ من
ریاض الجنۃ۔ اللھم المسئولنا ولوالدینا ولاساتذتنا ولمشائخنا ولجمیع
المومنین والمومنات۔ والمسلمین والمسلمات۔ الاحیاء منھم والاموات۔
انک مجیب الدعوات۔ اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد۔ وبارک وسلم
وعلیٰ آلہ علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین وعلیٰ کل ملائکۃ المقربین وعلیٰ عباد اللہ الصالحین
والحمد للہ رب العالمین۔

حاجی عبدالجلیل | 22-2-06

مجاہد ملت - فخر اہلسنت - فاضل جلیل عالم نبیل مناظر اسلام خطیب پاکستان
شہباز خطابت - منبع انوار خطابت شاہین الخطباء فخر الخطباء - زینت القراء -
مؤثر شیریں لسان واعظ خوش بیان عمدۃ المدرسین - محقق اہلسنت - فخر الواعظین
سرمایہ اہلسنت عالم باعمل -

ے

نثار تیری چہل پہل پہ ہزاروں عیدیں ربیع الاول -
سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں -

- ٥ -